بیان القرآن

حصّہ دوم

ترجمہ و مختصر تفسیر

سورۃ آل عمران تا سورۃ المائدۃ

از

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مُرتّب

''بیان القرآن'' کے قارئین اس امر سے واقف ہیں کہ یہ تفسیری کاوش محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تصنیف یا تالیف نہیں ہے' بلکہ آنجناب کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن کو ترتیب وتسوید کے مراحل سے گزار کر جزءًا جزءًا کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ نومبر ۲۰۰۸ء میں بیان القرآن (حصہ اوّل) طبع ہو کر آئی تو اسے علمی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور اس کے تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ حصہ اوّل کے منظرِ عام پر آنے کے ساتھ ہی حصہ دوم کی اشاعت کا تقاضا اور مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ انہی دنوں ڈسٹرکٹ جناح پبلک سکول منڈی بہاؤالدین کے پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین صاحب (ایجوکیشن کور) نے محترم ڈاکٹر صاحبؒ سے ملاقات کر کے ''بیان القرآن'' کی ترتیب وتسوید کے کام میں معاونت کی پیشکش کی۔ اس پیشکش کی حیثیت بلاشبہ تائید غیبی کی تھی۔ محترم کرنل صاحب نے خالصتاً رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر دعوتِ قرآنی کی نشر واشاعت کے اس کام میں کماحقہٗ معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں اس کی بھرپور جزا عطا فرمائے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی شدید خواہش تھی کہ یہ کتاب جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو' چنانچہ راقم الحروف سے گاہے بگاہے اس کی پیش رفت کے بارے میں استفسار فرماتے رہتے۔ انتقال سے ایک روز قبل بھی اس کے پریس بھجوائے جانے کا دریافت فرمایا۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں' لیکن آپؒ انتہائی خوش قسمت ہیں کہ اپنی حیاتِ مستعار قرآن حکیم کے علوم ومعارف کی نشر واشاعت میں گزار گئے۔ آپؒ کے ہاتھوں دعوت رجوع اِلی القرآن کا لگایا ہوا پودا آپؒ کی زندگی ہی میں ایک تناور درخت بن چکا تھا' جو اَب صدقۂ جاریہ کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کے برگ وبار سے ایک عالم مستفید ومستفیض ہو رہا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ یقیناً اپنے حصے کا کام مکمل کر گئے' لیکن اس ضمن میں ہمیں اپنے حصے کا کام کرتے رہنا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے بیان القرآن (حصہ اوّل) کے طبع ثانی کے موقع پر اپنی ''تقدیم'' میں تحریر فرمایا تھا:

> ''اس جلد میں ابھی صرف سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی ترجمانی ہوئی ہے' گویا کہ ابھی پہاڑ ایسا بھاری کام باقی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے توقع ہے کہ جیسے اُس نے' میرے کسی ارادے یا منصوبہ بندی کے بغیر اور میری خالص لاعلمی میں پیش نظر جلد شائع کرا دی' ویسے ہی باقی بھی شائع کرا دے گا —— خواہ خود میری اس دنیا سے دارِ آخرت کی جانب روانگی کے بعد ہی سہی ——''

بیان القرآن (حصہ دوم) سورۃ آل عمران' سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمتِ قرآنی کو شرفِ قبول عطا فرما کر اسے ہمارے لیے دُنیوی واُخروی فوز وفلاح کا باعث بنائے اور ہمیں وہ ہمت و استقامت عطا فرمائے جو اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے درکار ہے۔ آمین!

حافظ خالد محمود خضر

مدیر شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی لاہور

۱۸/ مئی ۲۰۱۰ء

سُورۃُ آلِ عِمران

تمہیدی کلمات

قرآن حکیم کے آغاز میں واقع مکیّ اور مدنی سورتوں کے پہلے گروپ میں مدنی سورتوں کے جو دو جوڑے آئے ہیں' ان میں سے پہلے جوڑے کی پہلی سورت ''سورۃ البقرۃ'' کے ترجمے اور مختصر تشریح کی ہم تکمیل کر چکے ہیں' اور اب ہمیں اس جوڑے کی دوسری سورت ''آل عمران'' کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ دو چیزوں کے مابین جوڑا ہونے کی نسبت یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں گہری مشابہت بھی ہو لیکن کچھ فرق بھی ہو' اور یہ فرق ایسا ہو جو ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کا ہو' یعنی ایک دوسرے سے مل کر کسی مقصد کی تکمیل ہوتی ہو۔ یہ نسبتِ زوجیت کی حقیقت ہے۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران میں مشابہت کے نمایاں پہلو یہ ہیں کہ دونوں حروفِ مقطعات ''الٓمّٓ'' سے شروع ہوتی ہیں۔ دونوں کے آغاز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے' اگرچہ سورۂ آل عمران میں اس کے ساتھ ہی تورات اور انجیل کا بیان بھی ہے۔ پھر یہ کہ دونوں کے اختتام پر بڑی عظیم آیات آئی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے اختتام پر وارد آیات ہم پڑھ چکے ہیں۔ اس کی آخری آیت کو قرآن حکیم کی عظیم ترین دعاؤں میں سے شمار کیا جا سکتا ہے: ﴿رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ج ......﴾ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں بھی ایک نہایت جامع دعا آئی ہے جو تین چار آیتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ پھر جیسے میں نے آپ کو بتایا' سورۃ البقرۃ بھی سُورۃُ الاُمَّتَین ہے' دو اُمتوں سے خطاب اور گفتگو کر رہی ہے' اور یہی معاملہ سورۂ آل عمران کا بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں زیادہ گفتگو یہود کے بارے میں ہے اور سورۃ آل عمران میں نصاریٰ کے بارے میں۔ تو گویا اس طرح اہل کتاب سے گفتگو کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اہلِ کتاب میں سے ''یہود'' اہم تر طبقہ تھا اور دینی اعتبار سے ان کی اہمیت زیادہ تھی' خواہ تعداد میں وہ کم تھے اور کم ہیں۔ دوسرا طبقہ عیسائیوں کا ہے' جن کا تذکرہ سورۃ البقرۃ میں بہت کم آیا ہے' لیکن سورۂ آل عمران میں زیادہ خطاب اُن سے ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ کے دو تقریباً مساوی حصے ہیں' پہلا نصف اٹھارہ رکوعوں اور ۱۵۲ آیات پر مشتمل ہے اور نصفِ ثانی ۲۲ رکوعوں لیکن ۱۳۴ آیات پر مشتمل ہے' وہی کیفیت سورۃ آل عمران میں بتمام وکمال ملتی ہے۔ سورۂ آل عمران کے بھی دو حصے ہیں' جو بہت مساوی ہیں۔ اس کے کل ۲۰ رکوع ہیں' ۱۰ رکوع نصفِ اوّل میں ہیں اور ۱۰ رکوع ہی نصفِ ثانی میں۔ پہلے دس رکوعوں میں ۱۰۱ آیات اور دوسرے دس رکوعوں میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی صرف ایک آیت کا فرق ہے۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ میں نصفِ اوّل کے تین حصے ہیں ویسے ہی یہاں بھی نصف اوّل کے تین حصے ہیں' لیکن یہاں تقسیم رکوعوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ آیات کے اعتبار سے ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی

۳۲ آیات اسی طرح تمہیدی کلام پر مشتمل ہیں جیسے سورۃ البقرۃ کے ابتدائی چار رکوع ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں روئے سخن ابتدا ہی سے یہود کی طرف ہو گیا ہے' جبکہ یہاں روئے سخن ابتدا ہی سے نصاریٰ کی طرف ہے۔

ابتدائی ۳۲ آیات کے بعد ۳۱ آیات میں خاص طور پر نصاریٰ سے براہِ راست خطاب ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کن حالات میں ہوئی' اُن کا مقام اور مرتبہ کیا تھا' ان کی اصل حیثیت کیا تھی' اور پھر یہ کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا' اِس حصے میں یہ مضامین شامل ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوا ہے' لیکن ۳۱ آیات پر مشتمل یہ حصہ ۹ ہجری میں نازل ہوا۔ ''نجران'' عرب کے جنوب میں یمن کی جانب ایک بستی تھی اور وہاں عیسائی آباد تھے۔ وہاں کے عیسائیوں کے سردار اور پادری کوئی ستر آدمیوں کا ایک وفد لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ بات سمجھنے سمجھانے کے لیے کہ آپؐ کس بات کی دعوت دے رہے ہیں' مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہ لوگ کئی دن وہاں مقیم رہے۔ انہوں نے بات پوری طرح سمجھ بھی لی اور خاموش بھی ہو گئے' لیکن پھر بھی بات نہیں مانی تو آنحضور ﷺ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی' لیکن وہ اس چیلنج کو قبول کیے بغیر وہاں سے چلے گئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی شدت کے ساتھ تردید نہیں کی اور اسے قبول بھی نہیں کیا۔ سورۂ آل عمران کی یہ ۳۱ آیات نجران کے عیسائیوں سے خطاب کے طور پر نازل ہوئیں۔ سورۃ البقرۃ کے بارے میں ایک بات بیان ہونے سے رہ گئی تھی کہ اس کے رکوع ۳۸ کی آیات جن میں سود سے متعلق آخری احکام ہیں' یہ بھی تقریباً ۹ ہجری میں نازل ہوئی ہیں۔ گویا مشابہت کا یہ پہلو بھی دونوں سورتوں میں موجود ہے۔ سورۃ البقرۃ کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوۂ بدر سے قبل نازل ہوا' لیکن اس کی کچھ آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کا اکثر و بیشتر حصہ اگرچہ غزوۂ اُحد کے بعد ۳ھ میں نازل ہوا' لیکن نجران کے عیسائیوں سے خطاب کے ضمن میں آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں۔ پھر جیسے سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے آخری حصے (رکوع ۱۵'۱۶'۱۷'۱۸) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر تھا اس طرح سے یہ بات آپ کو یہاں بھی ملے گی۔ یہاں بھی اہل کتاب کو اسی انداز میں دعوت دی گئی ہے جیسے سورۃ البقرۃ کے ۱۶ویں رکوع میں دی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کا یہ تیسرا حصہ ۳۸ آیات پر مشتمل ہے' جو بہت اہم اور جامع آیات ہیں۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران دونوں کے نصفِ ثانی کا آغاز ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع سے نصفِ ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ اسی طرح سورۂ آل عمران کے گیارہویں رکوع سے اس کے نصفِ ثانی کا آغاز ہوتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ سورۂ آل عمران کا نصف ثانی دس رکوعوں پر مشتمل ہے اور ان کی تقسیم عمودی ہے' اُفقی نہیں ہے۔ پہلے دو رکوعوں میں خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے ہے' پھر اگرچہ روئے سخن اہل کتاب کی طرف بھی ہے۔ اس کے بعد مسلسل چھ رکوع غزوۂ اُحد کے حالات پر مشتمل ہیں۔ یعنی اس ضمن میں جو مسائل سامنے آئے ان پر تبصرہ' مسلمانوں سے جو غلطیاں ہوئیں ان پر گرفت اور آئندہ کے لیے ہدایات۔ یہ تقریباً ۶۰ آیات ہیں جو چھ رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ گویا ''غزوۂ اُحد'' کے عنوان سے قرآن مجید کا ایک مستقل باب (chapter) ہے۔ لیکن قرآن میں

اس طرح سے ابواب نہیں بنائے گئے ہیں' بلکہ اس کی سورتیں ہیں۔ جیسا کہ ابتدا میں ''تعارفِ قرآن'' کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے' قرآن خطباتِ الٰہیہ کا مجموعہ ہے۔ ایک خطبہ نازل ہو رہا ہے اور اس کے اندر مختلف مضامین بیان ہو رہے ہیں' لیکن ان میں ایک ربط اور ترتیب ہے۔ اب تک اس ربط اور ترتیب پر توجہ کم ہوئی ہے' لیکن اِس دور میں قرآن حکیم کے علم و معرفت کا یہ پہلو زیادہ نمایاں ہوا ہے کہ اس میں بڑا نظم ہے' اس کے اندر تنظیم ہے' اس میں آیات کا آپس میں ربط ہے' سورتوں کا سورتوں سے ربط ہے۔ یہ ایسے ہی بے ربط اور الل ٹپ کلام نہیں ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے آخری دو رکوع بہت اہم ہیں۔ ان میں سے بھی آخری رکوع تو بہت ہی جامع ہے۔ اس میں وہ عظیم دعا بھی آئی ہے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا' اور فلسفۂ ایمان کے بارے میں اہم ترین بحث بھی اس مقام پر آئی ہے۔ اور اس سے پہلے کا رکوع یعنی انیسواں رکوع بھی بڑے جامع مضامین پر مشتمل ہے اور اس میں درحقیقت پوری سورۂ مبارکہ کے مضامین کو sum-up کیا گیا ہے۔

ان دونوں سورتوں کے مابین نسبتِ زوجیت کے حوالے سے آپ دیکھیں گے کہ بعض مقامات پر تو الفاظ بھی وہی آ رہے ہیں' وہی انداز ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ میں فرمایا گیا: ''(اے مسلمانو!) تم کہو ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب پر نازل کیا گیا......''۔ بالکل یہی مضمون سورۂ آل عمران کی آیت ۸۴ میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی دونوں سورتوں میں ملتا ہے۔ یہود کے بارے میں ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ......﴾ والی آیت سورۂ آل عمران میں بھی ہے' ذرا ترتیب کا فرق ہے۔ [قرآن مجید میں ایسے مقامات ''متشابہ'' کہلاتے ہیں اور یہ حُفاظ کے لیے مشکل ترین مقام ہوتے ہیں کہ تیزی اور روانی میں وہ اس سے مشابہ دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتے ہیں۔] ان دونوں سورتوں کے مضامین کے اندر آپ کو اتنی گہری مناسبت نظر آئے گی جس کو میں نے زوجیت سے تشبیہہ دی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر حیوان کا جوڑا جو ہوتا ہے وہ تقریباً نوے فیصد تو ایک دوسرے سے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی دس فیصد کا فرق بھی ہوتا ہے' اور وہ فرق بھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں کے جمع ہونے سے کسی مقصد کی تکمیل ہو رہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' مرد اور عورت ایک دوسرے سے مشابہ ہیں' لیکن جنس کے اعتبار سے مرد اور عورت کے جسم میں فرق ہے۔ البتہ دونوں کے ملاپ سے مقصدِ تناسل یعنی پیدائش اولاد اور افزائش نسل حاصل ہو رہا ہے' جو یک طرفہ طور پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ نسبتِ زوجیت قرآن مجید کی سورتوں میں اکثر و بیشتر بتمام و کمال موجود ہے۔ البتہ اس ضمن میں گہرے تدبّر کی ضرورت ہے۔ قرآن میں غور و فکر کیا جائے' سوچ بچار کیا جائے تو پھر اس نظم قرآن کے حوالے سے اضافی معانی' اضافی علم' اضافی معرفت اور اضافی حکمت کے خزانے کھلتے ہیں۔ میں سورۃ البقرۃ کی تمہید میں یہ بتا چکا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ''الزَّهْرَاوَين'' کا نام دیا ہے' یعنی دو نہایت تابناک اور روشن سورتیں۔ جیسے قرآن مجید کی آخری دو سورتوں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو ''المُعَوِّذَتَين'' کا نام دیا گیا ہے اسی طرح قرآن حکیم کے آغاز میں وارد ان دونوں سورتوں کو ''الزَّهْرَاوَين'' کا نام دیا گیا ہے۔

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

آیات ۱ تا ۹

﴿الٓـمّٓ ۝۱ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰٮۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ۝۳ مِنۡ قَبۡلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ۬ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝۵ ھُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝۶ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ ۚ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ ۘؔ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ھَدَیۡتَنَا وَھَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَھَّابُ ۝۸ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ۝۹﴾

آیت ۱ ﴿الٓـمّٓ ۝۱﴾ ’’ا۔ل۔م۔‘‘

یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کے بارے میں اجمالی گفتگو ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز میں کر چکے ہیں۔

آیت ۲ ﴿اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۝۲﴾ ’’اللہ وہ معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں‘ وہ زندہ ہے‘ سب کا قائم رکھنے والا ہے۔‘‘

یہ الفاظ سورۃ البقرۃ میں آیت الکرسی کے آغاز میں آ چکے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسمِ اعظم ہے‘ جس کے حوالے سے اگر اللہ سے کوئی دعا مانگی جائے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ یہ تین سورتوں البقرۃ‘ آل عمران اور طٰــہٰ میں ہے۔[1]

آنحضورﷺ نے تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ اسمِ اعظم کون سا ہے‘ البتہ کچھ اشارے کیے ہیں۔ جیسے رمضان المبارک کی ایک شب ’’لیلۃ القدر‘‘ جو ہزار مہینوں سے افضل ہے‘ اس کے بارے میں تعین کے ساتھ نہیں بتایا کہ وہ کون سی ہے‘ بلکہ فرمایا: ((فَالۡتَمِسُوۡھَا فِی الۡعَشۡرِ الۡاَوَاخِرِ فِی الۡوِتۡرِ))[2] ’’اسے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو‘‘۔ تاکہ زیادہ ذوق وشوق کا معاملہ ہو۔ اسی طرح اسمِ اعظم کے بارے میں آپؐ نے اشارات فرمائے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا کہ یہ تین سورتوں سورۃ البقرۃ‘ سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ ان تین سورتوں میں جو الفاظ مشترک ہیں وہ ’’اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ‘‘ ہیں۔ سورۃ

البقرۃ میں یہ الفاظ آیت الکرسی میں آئے ہیں' سورۂ آل عمران میں یہاں دوسری آیت میں اور سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۱۱ میں موجود ہیں۔

آیت ۳ ﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''اُس نے نازل فرمائی ہے آپ پر (اے نبیؐ) یہ کتاب حق کے ساتھ''

اُس اللہ نے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو اَلْحَیُّ ہے' اَلْقَیُّوْمُ ہے۔ اس میں اس کلام کی عظمت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ جان لو یہ کلام کس کا ہے' کس نے اتارا ہے۔ اور یہاں نوٹ کیجیے' لفظ نَزَّلَ آیا ہے' اَنْزَلَ نہیں آیا۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ''یہ تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے''

یعنی تورات اور انجیل کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ قرآن حکیم سابقہ کُتبِ سماویہ کی دو اعتبارات سے تصدیق کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی کتابیں تھیں جن میں تحریف ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ قرآن اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ ان پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آئے ہیں جو اُن کتابوں میں موجود تھیں۔

﴿وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③﴾ ''اور اُس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔''

آیت ۴ ﴿مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے''

﴿وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ﴾ ''اور اللہ نے فرقان اتارا''۔

''فرقان'' کا مصداق قرآن مجید بھی ہے' تورات بھی ہے اور معجزات بھی ہیں۔ سورۃ الانفال میں ''یوم الفرقان'' غزوۂ بدر کے دن کو کہا گیا ہے۔ ہر وہ شے جو حق کو بالکل مبرہن کر دے اور حق و باطل کے مابین امتیاز پیدا کر دے وہ فرقان ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ﴾ ''بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے۔''

یہاں اب تہدید اور دھمکی کا انداز ہے کہ اس قرآن کا معاملہ دنیا کی دوسری کتابوں کی طرح نہ سمجھو کہ مان لیا تب بھی کوئی حرج نہیں' نہ مانا تب بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر پڑھنے پر طبیعت راغب ہوئی تو بھی کوئی بات نہیں' طبیعت راغب نہیں ہے تو مت پڑھو' کوئی الزام نہیں۔ یہ کتاب ویسی نہیں ہے' بلکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے تو ان کے لیے بہت سخت سزا ہوگی۔

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④﴾ ''اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے' انتقام لینے والا ہے۔''

یہ لفظ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ بے شک رؤف ہے' رحیم ہے' شفیق ہے' غفور ہے' ستار ہے' لیکن ساتھ ہی ''عزیز ذوانتقام'' بھی ہے' ''شدیدُ العقاب'' بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں شانیں قلب و ذہن میں رہنی چاہئیں۔

آیت ۵ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ⑤﴾ ''یقیناً اللہ پر کوئی شے بھی مخفی نہیں ہے' نہ آسمان میں نہ زمین میں۔''

آیت ۶ ﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ﴾ ''وہی ہے جو تمہاری صورت گری کرتا ہے (تمہاری ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے۔''

پہلی چیز اللہ کے علم سے متعلق تھی اور یہ اللہ کی قدرت سے متعلق ہے۔ وہی ہے جو تمہاری نقشہ کشی کر دیتا ہے' صورت بنا دیتا ہے تمہاری ماؤں کے رحموں میں جیسے چاہتا ہے۔ کسی کے پاس کوئی اختیار (choice) نہیں ہے کہ وہ اپنا نقشہ خود بنائے۔

﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۶﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ غالب اور حکیم ہے۔''

آیت ۷ ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ﴾ ''وہی ہے جس نے آپؐ پر یہ کتاب نازل فرمائی''

کسی کسی جگہ نَزَّلَ کے بجائے اَنْزَلَ کا لفظ بھی آ جاتا ہے' اور یہ آہنگ (rhythm) کے اعتبار سے ہوتا ہے' کیونکہ قرآن مجید کا اپنا ایک ملکوتی غنا (Divine Music) ہے' اس میں اگر آہنگ کے حوالے سے ضرورت ہو تو یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ آ جاتے ہیں۔

﴿مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ﴾ ''اس میں محکم آیات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں''

''محکم'' اور پختہ آیات وہ ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح ہو اور جنہیں اِدھر سے اُدھر کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس کتاب کی جڑ' بنیاد اور اساس وہی ہیں۔

﴿وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ﴾ ''اور کچھ دوسری آیتیں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں۔''

جن کا حقیقی اور صحیح صحیح مفہوم معین کرنا بہت مشکل بلکہ عام حالات میں ناممکن ہے۔ اس کی تفصیل تعارفِ قرآن کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے۔ آیاتُ الاحکام جتنی بھی ہیں وہ سب محکم ہیں' کہ یہ کرو یہ نہ کرو' یہ حلال ہے یہ حرام! جیسا کہ ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ بار بار ''کُتِبَ عَلَیْکُمْ'' کے الفاظ آتے رہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ کتاب درحقیقت ہے ہی مجموعۂ احکام۔ لیکن جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث ہے ان کا فہم آسان نہیں ہے۔ اللہ کی ذات وصفات کا ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟ اللہ کا ہاتھ' اللہ کا چہرہ' اللہ کی کرسی' اللہ کا عرش' ان کا ہم کیا تصور کریں گے؟ اسی طرح فرشتے عالمِ غیب کی شے ہیں۔ عالمِ برزخ کی کیا کیفیت ہے؟ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ عالمِ آخرت' جنت اور دوزخ کی اصل حقیقتیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ چنانچہ ہماری ذہنی سطح کے قریب لا کر کچھ باتیں ہمیں بتا دی گئی ہیں کہ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ. چنانچہ ان کا ایک اجمالی تصور قائم ہو جانا چاہیے' اس کے بغیر آدمی کا راستہ سیدھا نہیں رہے گا۔ لیکن ان کی تفاصیل میں نہیں جانا چاہیے۔ دوسرے درجے میں مَیں نے آپ کو بتایا تھا کہ کچھ طبیعیاتی مظاہر (Physical Phenomena) بھی ایک وقت تک آیاتِ متشابہات میں سے رہے ہیں' لیکن جیسے جیسے سائنس کا علم بڑھتا چلا جا رہا ہے' رفتہ رفتہ ان کی حقیقت سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے اور اب بہت سی چیزیں محکم ہو کر ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ تاہم اب بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ جیسے ہم ابھی تک نہیں جانتے کہ سات آسمان سے مراد کیا ہے؟ ہمارا یقین ہے کہ اِن شاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ انسان سمجھ لے گا کہ ہاں یہی بات صحیح تھی اور یہی تعبیر صحیح تھی جو قرآن نے بیان کی تھی۔

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾ ''تو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ پیچھے لگتے ہیں ان آیات کے جو ان میں سے متشابہ ہیں''

﴿ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ﴾ ''فتنے کی تلاش میں''

وہ چاہتے ہیں کہ کوئی خاص نئی بات نکالی جائے تاکہ اپنی ذہانت اور فطانت کا ڈنکا بجایا جاسکے یا کوئی فتنہ اٹھایا جائے' کوئی فساد پیدا کیا جائے۔ جن کا اپنا ذہن ٹیڑھا ہو چکا ہے وہ اس ٹیڑھے ذہن کے لیے قرآن سے کوئی دلیل چاہتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے مفہوم کو اپنے من پسند مفہوم کی طرف موڑ سکیں۔ یہ اس سے فتنہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

﴿وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ ''اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لیے۔''

وہ تلاش کرتے ہیں کہ ان آیات کی اصل حقیقت' اصل منشا اور اصل مراد کیا ہے۔ یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کا علمی ذوق ہی ایسا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کی فطرت میں کجی ہو۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ﴾ ''حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ﴾ ''اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر' یہ کل کا کل ُ ہمارے ربّ کی طرف سے ہے۔''

جن لوگوں کو رسوخ فی العلم حاصل ہو گیا ہے' جن کی جڑیں علم میں گہری ہو چکی ہیں ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ جو بات صاف سمجھ میں آ گئی ہے اس پر عمل کریں گے اور جو بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اس کے لیے انتظار کریں گے' لیکن یہ اجمالی یقین رکھیں گے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦﴾ ''اور یہ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے مگر وہی جو ہوش مند ہیں۔''

اور سب سے بڑی ہوش مندی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل کی حدود (limitations) کو جان لے کہ میری عقل کہاں تک جا سکتی ہے۔ اگر انسان یہ نہیں جانتا تو پھر وہ اولوا الالباب میں سے نہیں ہے۔ بلاشبہ عقل بڑی شے ہے لیکن اس کی اپنی حدود ہیں۔ ایک حد سے آگے عقل تجاوز نہیں کر سکتی: ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے!

یعنی منزل تک پہنچانے والی شے عقل نہیں' بلکہ قلب ہے۔ لیکن عقل بہرحال ایک روشنی دیتی ہے' حقیقت کی طرف اشارے کرتی ہے۔

آیت ۸ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾ ”(اوران اولوالالباب کا یہ قول ہوتا ہے) اے ربّ ہمارے! ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دیجیو اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دے دی ہے“

﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ﴾ ”اور ہمیں تو خاص اپنے خزانۂ فضل سے رحمت عطا فرما۔“

﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧﴾ ”یقیناً تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔“

ہمیں جو بھی ملے گا تیری ہی بارگاہ سے ملے گا۔ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔

آیت ۹ ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ﴾ ”اے ربّ ہمارے! یقیناً تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک ایسے دن کے لیے جس (کے آنے) میں کوئی شک نہیں ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لہٰذا جو اس نے بتایا ہے وہ ہو کر رہے گا اور قیامت کا دن آ کر رہے گا۔

آیات ۱۰ تا ۲۰

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ
النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ
كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ
الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ
الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ
وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ
بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ
مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑮ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑯ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ
بِالْاَسْحَارِ ⑰ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲ فَاِنْ

حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ﴾ ’’یقیناً جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ سے کچھ بھی۔‘‘

اب یہ ذرا تحدی اور چیلنج کا انداز ہے۔ زمانۂ نزول کے اعتبار سے آپ نے نوٹ کر لیا کہ یہ سورۂ مبارکہ ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہو رہی ہے‘ لیکن یہ رکوع جو زیر مطالعہ ہے اس کے بارے میں گمانِ غالب ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو بڑی زبردست فتح حاصل ہوئی تھی تو مسلمانوں کا morale بہت بلند تھا۔ لیکن ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ جب مسلمان بدر سے غازی بن کر‘ فتح یاب ہو کر واپس آئے تو مدینہ منورہ میں جو یہودی قبیلے تھے ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسلمانو! اتنا نہ اِتراؤ۔ یہ تو قریش کے کچھ ناتجربہ کار چھوکرے تھے جن سے تمہارا مقابلہ پیش آیا ہے‘ اگر کبھی ہم سے مقابلہ پیش آیا تو دن میں تارے نظر آجائیں گے‘ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس پس منظر میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں کہ صرف مشرکین مکہ پر موقوف نہیں‘ آخر کار تمام کفار اسی طرح سے زیر ہوں گے اور اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (یوسف)

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾﴾ ’’اور وہ تو سب کے سب آگ کا ایندھن بنیں گے۔‘‘

آیت ۱۱ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ﴾ ’’(ان کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہوگا) جیسا کہ آلِ فرعون اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا جو اُن سے پہلے گزرے۔‘‘

تمہاری تو حیثیت ہی کیا ہے! کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ آلِ فرعون کا معاملہ یاد کرو‘ ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ فرعون بہت بڑا شہنشاہ اور بڑے لاؤ لشکر والا تھا‘ لیکن اس کا کیا حال ہوا؟ اور اس سے پہلے عاد و ثمود جیسی زبردست قومیں اسی جزیرہ نمائے عرب میں رہی ہیں۔

﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ﴾ ’’انہوں نے بھی ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔‘‘

﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ﴾ ’’تو اللہ نے پکڑا ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾﴾ ’’اور اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔‘‘

آیت ۱۲ ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے ان لوگوں سے جو کفر کی روش اختیار کر رہے ہیں کہ تم سب کے سب (دُنیا میں) مغلوب ہو کر رہو گے اور (پھر آخرت میں) جہنم کی طرف گھیر کر لے جائے جاؤ گے۔‘‘

﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾﴾ ’’اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿قَدۡ کَانَ لَکُمۡ اٰیَۃٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا ؕ﴾ ''تمہارے لیے ایک نشانی آ چکی ہے ان دو گروہوں میں جنہوں نے آپس میں جنگ کی۔''

یعنی بدر کی جنگ میں ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف مشرکین مکہ تھے۔ اس میں تمہارے لیے نشانی موجود ہے۔

﴿فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ اُخۡرٰی کَافِرَۃٌ﴾ ''ایک گروہ اللہ کی راہ میں جنگ کر رہا تھا اور دوسرا کافر تھا''

﴿یَّرَوۡنَہُمۡ مِّثۡلَیۡہِمۡ رَاۡیَ الۡعَیۡنِ ؕ﴾ ''وہ انہیں دیکھ رہے تھے اپنی آنکھوں سے کہ ان سے دوگنے ہیں۔''

اس کے کئی معانی کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو تو کھلم کھلا نظر آ رہا تھا کہ ہمارے مقابل ہم سے دوگنی فوج ہے' جبکہ وہ تگنی تھی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں کفار پر ایسا رُعب طاری کر دیا تھا کہ انہیں نظر آ رہا تھا کہ مسلمان ہم سے دُگنے ہیں۔

﴿وَ اللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تائید فرماتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے۔''

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۱۳﴾﴾ ''اس میں یقیناً ایک عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے۔''

یہ عبرت اور سبق آموزی صرف ان کے لیے ہوتی ہے جو آنکھیں رکھتے ہوں' جن کے اندر دیکھنے کی صلاحیت موجود ہو۔

اگلی آیت فطرتِ انسانی کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ بعض لوگوں میں خاص طور پر دنیا اور علائق دُنیوی کی محبت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ یہاں اس کا اصل سبب بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً یہ شے فطرتِ انسانی میں رکھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو قیامت تک آباد رکھنا ہے اور اس کی رونقیں بحال رکھنی ہیں۔ چنانچہ مرد اور عورت کی ایک دوسرے کے لیے کشش ہوگی تو اولاد پیدا ہوگی اور دنیا کی آبادی میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اس طرح دنیا قائم رہے گی۔ دولت کی کوئی طلب ہو گی تو آدمی محنت و مشقت کرے گا اور دولت کمائے گا۔ اس لیے یہ چیزیں فطرتِ انسانی میں basic animal instincts کے طور پر رکھ دی گئی ہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ان جبلی تقاضوں کو دبا کر رکھا جائے' اللہ کی محبت اور اللہ کی شریعت کو اس سے بالاتر رکھا جائے۔ یہ مطلوب نہیں ہے کہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ تعذیبِ نفس اور نفس کشی (self annihilation) اسلام میں نہیں ہے۔ یہ تو رہبانیت ہے کہ اپنے نفس کو کچل دو' ختم کر دو۔ جبکہ اسلام تزکیۂ نفس اور self control کا درس دیتا ہے کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ نفسِ انسانی ایک منہ زور گھوڑا ہے۔ گھوڑا جتنا طاقتور ہوتا ہے اتنا ہی سوار کے لیے تیز دوڑنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن منہ زور اور طاقتور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی ضرورت بھی ہے۔ ورنہ سوار اگر اس کے رحم و کرم پر آ گیا تو وہ جہاں چاہے گا اسے پٹخنی دے دے گا۔

آیت ۱۴ ﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّہَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الۡبَنِیۡنَ﴾ ''مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا

کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے‘‘

مرغوباتِ دنیا میں سے پہلی محبت عورتوں کی گنوائی گئی ہے۔فرائیڈ کے نزدیک بھی انسانی محرکات میں سب سے قوی اور زبردست محرک (potent motive) جنسی جذبہ ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے پہلے اُسی کا ذکر کیا ہے۔اگرچہ بعض لوگوں کے لیے پیٹ کا مسئلہ فوقیت اختیار کر جاتا ہے اور معاشی ضرورت جنسی جذبے سے بھی شدید تر ہو جاتی ہے‘ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مرد وعورت کے مابین کشش انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ)) (۱)

’’میں نے اپنے بعد مَردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرر رساں فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا۔‘‘

ان کی محبت انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔بلعام بن باعورہ یہود میں سے ایک بہت بڑا عالم اور فاضل شخص تھا‘ مگر ایک عورت کے چکر میں آ کر وہ شیطان کا پیرو بن گیا۔اس کا قصہ سُورۃ الاعراف میں بیان ہوا ہے۔ بہرحال عورتوں کی محبت انسانی فطرت کے اندر رکھ دی گئی ہے۔پھر انسان کو بیٹے بہت پسند ہیں کہ اس کی نسل اور اس کا نام چلتا رہے‘ وہ بڑھاپے کا سہارا بنیں۔

﴿وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ﴾ ’’اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے کے اور چاندی کے‘‘

﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ ’’اور نشان زدہ گھوڑے‘‘

عمدہ نسل کے گھوڑے جنہیں چُن کر ان پر نشان لگائے جاتے ہیں۔

﴿وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط﴾ ’’اور مال مویشی اور کھیتی۔‘‘

پنجاب اور سرائیکی علاقہ میں چوپاؤں کو مال کہا جاتا ہے۔یہ جانوران کے مالکوں کے لیے مال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج﴾ ’’یہ سب دُنیوی زندگی کا سروسامان ہے۔‘‘

بس نقطۂ اعتدال یہ ہے کہ جان لو یہ ساری چیزیں اس دنیا کی چندروزہ زندگی کا ساز وسامان ہیں۔اس زندگی کے لیے ضروریات کی حد تک ان سے فائدہ اٹھانا کوئی بُری بات نہیں ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾﴾ ’’لیکن اللہ کے پاس ہے اچھا لوٹنا۔‘‘

وہ جو اللہ کے پاس ہے اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔اگر ایمان بالآخرت موجود ہے تو پھر انسان ان تمام مرغوبات کو‘ اپنے تمام جذبات اور میلانات کو ایک حد کے اندر رکھے گا‘ اس سے آگے نہیں بڑھنے دے گا۔لیکن اگر ان میں سے کسی ایک شے کی محبت بھی اتنی زوردار ہوگئی کہ آپ کے دل کے اوپر اس کا قبضہ ہوگیا تو بس آپ اس کے غلام ہو گئے‘ اب وہی آپ کا معبود ہے‘ چاہے وہ دولت ہو یا کوئی اور شے ہو۔

آیت ۱۵ ﴿قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط﴾ ’’ان سے کہیے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں ان تمام چیزوں سے بہتر شے کون سی ہے؟‘‘

﴿لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''جولوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے ان کے ربّ کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

تقویٰ یہی ہے کہ تم پر اپنے نفس کا بھی حق ہے جو تمہیں ادا کرنا ہے' لیکن ناجائز راستے سے نہیں۔ تمہارے پیٹ کا بھی حق ہے' وہ بھی ادا کرو' لیکن اکل حلال سے۔ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد کے بھی تم پر حقوق ہیں' جو تمہیں جائز طریقوں سے ادا کرنے ہیں۔ تمہارے جو ملاقاتی آنے والے ہیں ان کا بھی تم پر حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا تھا:

((فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا' وَاِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا' وَاِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا' وَاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَیْکَ حَقًّا)) (۱)

ان سب کے حقوق ادا کرو' لیکن اللہ سے اوپر کسی حق کو فائق نہ کر دینا۔ بس یہ ہے اصل بات ع ''گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!'' اگر یہ حفظِ مراتب نہیں ہوگا تو گویا آپ کا دین بھی گیا اور دنیا بھی گئی۔

﴿خٰلِدِیْنَ فِیْھَا﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے''

﴿وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ ''اور ان کے لیے بڑی ہی پاک عورتیں ہوں گی''

﴿وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی ہوگی۔''

﴿وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾﴾ ''اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۱۶ ﴿اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا﴾ ''جو یہ کہتے رہتے ہیں پروردگار! ہم ایمان لے آئے''

﴿فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ ''پس ہمارے گناہوں کو بخش دے''

﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾﴾ ''اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''

آگے ان کی مدح میں الفاظ استعمال ہو رہے ہیں کہ جو یہ دعائیں کرتے ہیں ان کے یہ اوصاف ہیں۔ اس میں گویا تلقین ہے کہ اگر اللہ سے یہ دعا کرنا چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں جہنم کے عذاب سے بچالے تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرو۔

آیت ۱۷ ﴿اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ﴾ ''صبر کرنے والے اور راست باز''

راست بازی میں راست گوئی بھی شامل ہے اور راست کرداری بھی۔ یعنی آپ کا عمل بھی صحیح اور درست ہو اور قول بھی صحیح اور درست ہو۔

﴿وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ﴾ ''اور فرماں بردار اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے''

﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾﴾ ''اور اوقاتِ سحر میں مغفرت چاہنے والے۔''
وہ جو سحر کا وقت ہے (small hours of the morning) اُس وقت اللہ کے حضور استغفار کرنے والے۔ ایک تو پنج وقتہ نمازیں ہیں' اور ایک خاص وقت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہر رات جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: ((هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهٗ؟))[1] ''ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اسے معاف کر دیا جائے؟'' گویا: ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہ روِ منزل ہی نہیں!

آیت ۱۸ ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ﴾ ''اللہ خود گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے''
سب سے بڑی گواہی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے' جو کتبِ سماویہ سے بھی ظاہر ہے اور مظاہر فطرت سے بھی۔
﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''اور سارے فرشتے (گواہ ہیں)''
﴿وَاُولُوا الْعِلْمِ﴾ ''اور اہل علم بھی (اس پر گواہ ہیں)''
اولوالعلم وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن کہیں اولوالالباب قرار دیتا ہے اور کہیں ان کے لیے ''الَّذِيْنَ يَعْقِلُوْنَ'' جیسے الفاظ آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ آفاقی کے حوالے سے اللہ کو پہچان لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں کہ وہی معبودِ برحق ہے۔ سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت ہم نے پڑھی تھی جسے میں ''آیت الآیات'' قرار دیتا ہوں۔ اس میں بہت سے مظاہر فطرت بیان کر کے فرمایا گیا: ﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾﴾ ''(ان میں) یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔ تو یہ جو ''قَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ'' ہیں' جو اولوالالباب ہیں' اولوالعلم ہیں' وہ بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔
﴿قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ﴾ ''وہ عدل وقسط کا قائم کرنے والا ہے۔''
یہ اس آیت مبارکہ کے اہم ترین الفاظ ہیں۔ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ عدل قائم کرتا ہے اور عدل کرے گا' البتہ اہل سنت کے نزدیک یہ کہنا سوءِ ادب ہے کہ اللہ پر عدل کرنا واجب ہے۔ اللہ پر کسی شے کا وجوب نہیں ہے۔ اللہ کو عدل پسند ہے اور وہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٩﴾﴾ (الحجرات) اور اللہ خود بھی عدل فرمائے گا۔
﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زبردست ہے' کمال حکمت والا ہے''۔

آیت ۱۹ ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ ﴾ ’’یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔‘‘

اللہ کا پسندیدہ اور اللہ کے ہاں منظور شدہ دین ایک ہی ہے اور وہ ’’اسلام‘‘ ہے۔ سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کی نسبت زوجیت کے حوالے سے یہ بات سمجھ لیجیے کہ سورۃ البقرۃ میں ایمان پر زیادہ زور ہے اور سورۂ آل عمران میں اسلام پر۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی ایمانیات کا تذکرہ ہے' درمیان میں آیت البر میں بھی ایمانیات کا بیان ہے اور آخری آیات میں بھی ایمانیات کا ذکر ہے: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ ﴾ جبکہ اس سورۂ مبارکہ میں اسلام کو emphasize کیا گیا ہے۔ یہاں فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ ﴾ آگے جا کر آیت آئے گی: ﴿وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ ﴾ ’’اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کرے گا وہ اس کی جانب سے اللہ کے ہاں منظور نہیں کیا جائے گا‘‘۔

﴿وَ مَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ ﴾ ’’اور اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا مگر باہمی ضدم ضدا کے سبب سے۔‘‘

یہ گویا سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ (آیت الاختلاف) کا خلاصہ ہے۔ دین اسلام تو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا' پگڈنڈیاں نکالیں اور غلط راستوں پر مڑ گئے' اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' ان کا اصلی روگ وہی ضدم ضدا کی روش اور غالب آنے کی اُمنگ (The urge to dominate) تھی۔

﴿وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹﴾ ﴾ ’’اور جو کوئی اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو (وہ یاد رکھے کہ) اللہ بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کو حساب لیتے دیر نہیں لگے گی' وہ بڑی تیزی کے ساتھ حساب لے لے گا۔

آیت ۲۰ ﴿فَاِنۡ حَآجُّوۡکَ ﴾ ’’پھر (اے نبی ﷺ) اگر وہ آپؐ سے حجت بازی کریں‘‘

دلیل بازی اور مناظرے کی روش اختیار کریں۔

﴿فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡہِیَ لِلّٰہِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ ﴾ ’’تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تو اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور انہوں نے بھی جو میرا اتباع کر رہے ہیں۔‘‘

آپؐ ان سے دوٹوک انداز میں یہ آخری بات کہہ دیں کہ ہم نے تو اللہ کے آگے سر اطاعت خم کر دیا ہے۔ ہم نے ایک راستہ اختیار کر لیا ہے۔ تم جدھر جانا چاہتے ہو جاؤ' جس پگڈنڈی پر مڑنا چاہتے ہو مڑ جاؤ' جس کھائی میں گرنا چاہتے ہو گر جاؤ۔ ﴿لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ٪﴿۶﴾ ﴾ (الکافرون)۔

﴿وَ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَ الۡاُمِّیّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ ؕ ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے اُن سے بھی کہ

جنہیں کتاب دی گئی تھی (یعنی یہود اور نصاریٰ) اور اُمّیّن سے بھی کہ کیا تم بھی اسی طرح اسلام لاتے ہو؟''
کیا تم بھی سرِتسلیم خم کرتے ہو یا نہیں؟ تابع ہوتے ہو یا نہیں؟ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتے ہو یا نہیں؟
﴿فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوْا ۚ﴾ ''پس اگر وہ بھی اسی طرح اسلام لے آئیں تو ہدایت پر ہو جائیں گے۔''
﴿وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ ‌ؕ﴾ ''اور اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے نبیﷺ!) آپؐ پر ذمہ داری صرف پہنچا دینے کی ہے۔''

آپؐ نے ہمارا پیغام ان تک پہنچا دیا' ہماری دعوت اُن تک پہنچا دی' ہماری آیات انہیں پڑھ کر سنا دیں' اب قبول کرنا یا نہ کرنا ان کا اپنا اختیار (choice) ہے۔ آپؐ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے۔ سورۃ البقرۃ میں ہم یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ﴿۱۱۹﴾﴾۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ﴿۲۰﴾﴾ ''اور اللہ اپنے بندوں کے حال کو دیکھ رہا ہے۔''
وہ اُن سے حساب کتاب کر لے گا اور ان سے نمٹ لے گا۔ آپؐ کے ذمہ جو فرض ہے آپ اُس کو ادا کرتے رہیے۔

آیات ۲۱ تا ۳۲

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُدۡعَوۡنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمۡ فِىۡ دِيۡنِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِى الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ‌ؕ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ ‌ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۶﴾ تُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَتُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ ۖ وَتُخۡرِجُ الۡحَـىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَتُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَـىِّ ۖ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰٮةً ‌ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۲۸﴾ قُلۡ اِنۡ تُخۡفُوۡا مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ اَوۡ تُبۡدُوۡهُ يَعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ‌ؕ وَيَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۹﴾ يَوۡمَ تَجِدُ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَيۡرٍ مُّحۡضَرًا ۖ ۚ وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَيۡنَهَا وَبَيۡنَهٗۤ اَمَدًاۢ بَعِيۡدًا ‌ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ

اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۱﴾ قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۲﴾ ﴾

آیت ۲۱ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ حَقٍّ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا کفر کرتے ہیں اور انبیاءؑ کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں‘‘

﴿وَّیَقۡتُلُوۡنَ الَّذِیۡنَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ﴾ ’’اور ان لوگوں کو قتل کرتے رہے ہیں (یا قتل کرتے ہیں) جو انسانوں میں سے عدل وقسط کا حکم دیتے ہیں‘‘

اس لیے کہ انصاف کی بات تو بالعموم کسی کو پسند نہیں ہوتی۔ ’’اَلْحَقُّ مُرٌّ‘‘ (حق بات کڑوی ہوتی ہے)۔ بہت سے مواقع پر کسی حق گو انسان کو حق گوئی کی پاداش میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ یہاں پھر عدل وقسط کا معاملہ آیا ہے۔ اللہ خود ’’قَآئِمًا بِالْقِسْطِ‘‘ ہے اور اللہ کے محبوب بندے وہی ہیں جو عدل کا حکم دیں‘ انصاف کا ڈنکا بجانے کی کوشش کریں۔ تو فرمایا کہ جو ایسے لوگوں کو قتل کریں......

﴿فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۱﴾﴾ ’’تو (اے نبیﷺ) انہیں بشارت سنا دیجیے دردناک عذاب کی۔‘‘

لفظ ’’بشارت‘‘ یہاں طنز کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ۫﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہو گئے۔‘‘

قریش کو یہ زعم تھا کہ ہم خدامِ کعبہ ہیں اور ہمارے پاس جو یہ لوگ حج کرنے آتے ہیں ہم ان کو کھانا کھلاتے ہیں‘ پانی پلاتے ہیں‘ ہماری ان خدمات کے عوض ہمیں بخش دیا جائے گا۔ فرمایا وہ سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ اگر تو صحیح صحیح پورے دین کو اختیار کرو گے تو ٹھیک ہے‘ ورنہ چاہے خیرات اور بھلائی کے بڑے سے بڑے کام کیے ہوں‘ لوگوں کی فلاح و بہبود کے ادارے قائم کر دیے ہوں‘ اللہ کی نگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿وَمَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۲۲﴾﴾ ’’اور ان کا پھر کوئی مددگار نہیں ہوگا۔‘‘

آیت ۲۳ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ﴾ ’’کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کی حالت پر جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟‘‘

اُوْتُوْا مجہول کا صیغہ ہے اور یاد رہے کہ جہاں مذمت کا پہلو ہوتا ہے وہاں مجہول کا صیغہ آتا ہے۔

﴿یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ﴾ ’’اب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے‘‘

﴿ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ وَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''پھر ان میں سے ایک گروہ پیٹھ پھیر لیتا ہے اعراض کرتے ہوئے۔''

یعنی کتاب کو مانتے بھی ہیں لیکن اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ص﴾ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں آ چکا ہے۔ ان کی ڈھٹائی کا اصل سبب ان کے من گھڑت خیالات ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم کتاب پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر عمل کیوں نہیں کر رہے؟ اس میں تو لکھا ہے کہ سود حرام ہے اور تم سود خوری پر کمر بستہ ہو' اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام کیوں نہیں جانتے؟ تو اس کے جواب میں وہ اپنا یہ من گھڑت عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہمیں تو جہنم کی آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن''۔ جب یہ عقیدہ ہے تو پھر انسان کاہے کو دنیا کا نقصان برداشت کرے ؎ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ پھر تو حلال سے' حرام سے' جائز سے' ناجائز سے' جیسے بھی عیش دنیا حاصل کیا جا سکتا ہو حاصل کرنا چاہیے۔ یہ عقیدہ درحقیقت ایمان بالآخرۃ کی نفی کر دیتا ہے۔

﴿وَغَرَّھُمْ فِیْ دِیْنِھِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''اور انہیں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے ان کے دین کے بارے میں ان چیزوں نے جو یہ گھڑتے رہے ہیں۔''

اس طرح کے جو عقائد و نظریات انہوں نے گھڑ لیے ہیں ان کے باعث یہ دین کے معاملے میں گمراہی کا شکار ہو گئے ہیں۔ اللہ نے تو ایسی کوئی ضمانت نہیں دی تھی۔ تورات لاؤ' انجیل لاؤ' کہیں ایسی ضمانت نہیں ہے۔ یہ تو تمہارا من گھڑت عقیدہ ہے اور اسی کی وجہ سے اب تم دین کے اندر بددین یا بے دین ہو گئے ہو۔

آیت ۲۵ ﴿فَکَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ قف﴾ ''تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں!''

اِس وقت تو یہ بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں' زبان درازیاں کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم انہیں ایک ایسے دن میں جمع کریں گے جس کے آنے میں ذرا شک نہیں' تو اس دن ان کا کیا حال ہوگا!

﴿وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ﴾ ''اور ہر جان کو پورا پورا دے دیا جائے گا جو کچھ اس نے کمائی کی ہوگی''

﴿وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

اس کے بعد اب پھر ایک بہت عظیم دعا آ رہی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں بہت سی دعائیں ہیں۔ یہ بھی ایک عظیم دعا ہے' جس کی باقاعدہ تلقین کر کے کہا گیا ہے کہ یوں کہا کرو۔

آیت ۲۶ ﴿قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ﴾ ''کہو اے اللہ! تمام بادشاہت کے مالک!''
کل ملک تیرے اختیار میں ہے۔
﴿تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ﴾ ''تو حکومت اور اختیار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''
﴿وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾ ''اور سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے''
﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ ''اور تو عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''
﴿وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط﴾ ''اور تو ذلیل کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''
﴿بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط﴾ ''تیرے ہی ہاتھ میں سب خیر ہے۔''

اس کے دونوں معنی ہیں۔ ایک یہ کہ کل خیر وخوبی تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرے یہ کہ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے۔ بسا اوقات انسان جسے اپنے لیے شر سمجھ بیٹھتا ہے وہ بھی اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۶) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ج وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ط﴾.

﴿اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۶﴾ ''یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ﴾ ''تو رات کو لے آتا ہے دن میں پرو کر''
﴿وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ ز﴾ ''اور پھر دن کو نکال لاتا ہے رات میں سے پرو کر۔''
﴿وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ ''اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے''
﴿وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ز﴾ ''اور تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔''

اس کی بہترین مثال مرغی اور انڈا ہے۔ انڈے میں جان نہیں ہے لیکن اسی میں سے زندہ چوزہ برآمد ہوتا ہے اور مرغی سے انڈا برآمد ہوتا ہے۔

﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۲۷﴾ ''اور تو دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حد وحساب۔''

آیت ۲۸ ﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ج﴾ ''اہل ایمان نہ بنائیں کافروں کو اپنے دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر۔''

''اولیاء'' ایسے قلبی دوست ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے راز دار بھی بن جائیں اور ایک دوسرے کے پشت پناہ بھی ہوں۔ یہ تعلق کفار کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے ساتھ اچھا رویہ' ظاہری مدارات اور تہذیب وشائستگی سے بات چیت تو اور بات ہے' لیکن دلی محبت' قلبی رشتہ' جذباتی تعلق' باہمی نصرت وتعاون اور ایک دوسرے کے پشت پناہ ہونے کا رشتہ قائم کر لینے کی اجازت نہیں ہے۔ کفار کے ساتھ اس طرح کے تعلقات اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہیں۔

﴿وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَلَیۡسَ مِنَ اللّٰہِ فِیۡ شَیۡءٍ﴾ ''اور جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا تو پھر اللہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا''

اگر اللہ کے دشمنوں کے ساتھ تمہاری دوستی ہے تو ظاہر ہے پھر تمہارا اللہ کے ساتھ کوئی رشتہ و تعلق نہیں رہا ہے۔

﴿اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡھُمۡ تُقٰىۃً﴾ ''سوائے یہ کہ تم ان سے بچنے کے لیے اپنا بچاؤ کرنا چاہو۔''

بعض اوقات ایسے حالات ہوتے ہیں کہ کھلے مقابلے کا ابھی موقع نہیں ہوتا تو آپ دشمن کو طرح دیتے ہیں اور اس طرح گویا وقت حاصل کرتے ہیں (you are buying time) تو اس دوران اگر ظاہری خاطر مدارات کا معاملہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مستقل طور پر کفار سے قلبی محبت قائم کر لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ قرآن کے انہی الفاظ کو ہمارے ہاں اہل تشیع نے تقیہ کی بنیاد بنا لیا ہے۔ لیکن انہوں نے اسے اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ جھوٹ بولنا اور اپنے عقائد کو چھپا لینا بھی روا سمجھتے ہیں اور اس کے لیے دلیل یہاں سے لاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بالکل دوسری شکل ہے اور یہ صرف ظاہری مدارات کی حد تک ہے۔ جیسے کہ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ اگرچہ تمہارے خلاف یہود کے دلوں میں حسد کی آگ بھری ہوئی ہے لیکن ﴿فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا ﴾ (آیت ۱۰۹) ابھی ذرا درگزر کرتے رہو اور چشم پوشی سے کام لو۔ ابھی فوری طور پر ان کے ساتھ مقابلہ شروع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس حد تک مصلحت بینی تو صحیح ہے، لیکن یہ نہیں کہ جھوٹ بولا جائے' معاذ اللہ!

﴿وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ﴾ ''اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔''

اللہ سے ڈرو۔ یعنی کسی اور سے خواہ مخواہ ڈر کر صرف خاطر مدارات کر لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ کسی وقت مصلحت کا تقاضا ہو تو ایسا کر لو' لیکن تمہارے دل میں خوف صرف اللہ کا رہنا چاہیے۔

﴿ وَاِلَی اللّٰہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور اللہ ہی کی طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے۔''

آیت ۲۹ ﴿قُلۡ اِنۡ تُخۡفُوۡا مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ اَوۡ تُبۡدُوۡہُ یَعۡلَمۡہُ اللّٰہُ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ!) کہ اگر تم چھپاؤ جو کچھ کہ تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کر دو اللہ اسے جانتا ہے۔''

تم اپنے سینوں میں مخفی باتیں ایک دوسرے سے تو چھپا سکتے ہو' اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ ؕ﴾ ''اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے ظاہر کرو خواہ چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا محاسبہ کر لے گا''۔

﴿وَیَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''اور وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔''

﴿وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۛ﴾ ''(اُس دن کا تصور کرو) جس دن ہر جان اپنے سامنے موجود پائے گی ہر نیکی جو اُس نے کی ہوگی''

﴿وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ﴾ ''اور ہر برائی جو اُس نے کمائی ہوگی۔''

اس کا نقشہ سورۃ الزلزال میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے: ﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ﴿۷﴾ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾﴾ ''تو جس نے ایک ذرے کے ہم وزن نیکی کی ہوگی وہ اس کو (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ایک ذرے کے ہم وزن برائی کی ہوگی وہ اُس کو (بچشم خود) دیکھ لے گا''۔

﴿تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَبَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ؕ﴾ ''اور (ہر جان) یہ چاہے گی کہ کاش اس کے اور اُس (کے نامۂ اعمال) کے درمیان ایک زمانۂ دراز حائل ہوتا۔''

اُس وقت ہر انسان یہ چاہے گا کہ کاش میرے اور میرے اعمال نامے کے درمیان بڑا فاصلہ آ جائے اور میری نگاہ بھی اس پر نہ پڑے۔

﴿وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ؕ﴾ ''اور اللہ ڈرا رہا ہے تمہیں اپنے آپ سے۔''

یعنی تقویٰ اختیار کرنا ہے تو اس کا کرو، ڈرنا ہے تو اس سے ڈرو، خوف کھانا ہے تو اس سے کھاؤ!

﴿وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۳۰﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں بہت شفیق ہے۔''

یہ تنبیہات (warnings) وہ تمہیں بار بار اسی لیے دے رہا ہے تاکہ تمہاری عاقبت خراب نہ ہو۔

آیت ۳۱ ﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو''

یہ آیت بہت معروف ہے اور مسلمانوں کو بہت پسند بھی ہے۔ ہمارے ہاں مواعظ و خطابات میں یہ بہت کثرت سے بیان ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اے نبی ﷺ اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، میرا اتباع کرو! اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:

﴿یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ﴾ ''اللہ تم سے محبت کرے گا''

﴿وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ﴾ ''اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔''

﴿وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۱﴾﴾ ''اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۳۲ ﴿قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے اطاعت کرو اللہ کی اور رسول ؐ کی۔''

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو (یاد رکھیں کہ) اللہ کو ایسے کافر پسند

نہیں ہیں۔‘‘

یہ دو آیتیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کے لیے دو الفاظ آئے ہیں ’’اطاعت‘‘ اور ’’اتباع‘‘۔اطاعت اگر نہیں ہے تو یہ کفر ہے۔ چنانچہ اطاعت تو لازم ہے اور وہ بھی دلی آمادگی سے‘ مارے باندھے کی اطاعت نہیں۔لیکن اطاعت کس چیز میں ہوتی ہے؟ جو حکم دیا گیا ہے کہ یہ کرو وہ آپ کو کرنا ہے۔اتباع اس سے بلند تر شے ہے۔انسان خود تلاش کرے کہ آنحضور ﷺ کے اعمال کیا تھے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے‘ خواہ آپ ﷺ نے ان کا حکم نہ دیا ہو۔گویا اتباع کا دائرہ اطاعت سے وسیع تر ہے۔انسان کو جس کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اُس سے ہر طرح سے ایک مناسبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے لباس جیسا لباس پہننا پسند کرتا ہے‘ جو چیزیں اس کو کھانے میں پسند ہیں وہی چیزیں خود بھی کھانا پسند کرتا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا حکم نہیں دیا گیا لیکن ان کا التزام پسندیدہ ہے۔ایک صحابیؓ کا واقعہ آتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کرتے کے بٹن نہیں لگے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کا گریبان کھلا تھا۔اس کے بعد ان صحابیؓ نے پھر ساری عمر اپنے کرتے کے بٹن نہیں لگائے۔حالانکہ حضور ﷺ نے تو انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔یہ صحابیؓ کہیں دور دراز سے آئے ہوں گے اور ایک ہی مرتبہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہوں گے‘ لیکن انہوں نے اُس وقت محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو جس شان میں دیکھا اس کو پھر اپنے اوپر لازم کر لیا۔

اتباع کے ضمن میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اگرچہ دین کے کچھ تقاضے ایسے ہیں کہ انہیں جس درجے میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے پورا فرمایا اس درجے میں پورا کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے‘ پھر بھی اس کی کوشش کرتے رہنا اتباع کا تقاضا ہے۔مثلاً رسول اللہ ﷺ نے کوئی مکان نہیں بنایا‘ کوئی جائیداد نہیں بنائی‘ جیسے ہی وحی کا آغاز ہوا‘ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوئی دُنیوی کام نہیں کیا‘ کوئی تجارت نہیں کی۔آپ ﷺ نے اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ اور اپنی توانائی کی ایک ایک رمق اللہ کے دین کی دعوت اور اس کی اقامت میں لگا دی۔سب کے لیے تو اس مقام تک پہنچنا یقیناً مشکل ہے‘ لیکن بہرحال بندۂ مؤمن کا آئیڈیل یہ رہے اور وہ اسی کی طرف چلنے کی کوشش کرتا رہے‘ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اور زیادہ سے زیادہ وسائل فارغ کرے اور اس کام کے اندر لگائے تو ’’اتباع‘‘ کا کم سے کم تقاضا پورا ہوگا۔البتہ جہاں تک ’’اطاعت‘‘ کا تعلق ہے اس میں کوتاہی قابل قبول نہیں۔ جہاں حکم دے دیا گیا کہ یہ حلال ہے‘ یہ حرام ہے‘ یہ فرض‘ ہے یہ واجب ہے‘ وہاں حکم عدولی کی گنجائش نہیں۔اگر اطاعت ہی سے انکار ہے تو اسے قرآن کفر قرار دے رہا ہے۔

اتباع کا معاملہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اتباع کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔یہاں ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو‘ میری پیروی کرو۔دیکھو‘ میرے شب و روز کیا ہیں؟ میری توانائیاں کن کاموں پر لگ رہی ہیں؟ دنیا کے اندر میری دلچسپیاں کیا ہیں؟ ان معاملات میں تم میری پیروی کرو۔اس کے نتیجے میں تم اللہ تعالیٰ کے ’’محبّ‘‘ سے بڑھ کر ’’محبوب‘‘ بن جاؤ گے اور اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔وہ یقیناً غفور اور رحیم ہے۔باقی اطاعت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بہرصورت کرنی ہے۔اگر یہ اس اطاعت سے بھی منہ موڑیں تو اللہ تعالیٰ کو ایسے کافر پسند نہیں ہیں۔کیونکہ اطاعت رسول ﷺ کا انکار تو کفر ہو گیا۔یہاں سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کا ثلث اوّل مکمل ہو گیا۔ میں

نے عرض کیا تھا کہ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی ۳۲ آیات تمہیدی اور عمومی نوعیت کی ہیں۔ان میں دین کے بڑے گہرے اصول بیان ہوئے ہیں' نہایت جامع دعائیں تلقین کی گئی ہیں اور محکمات اور متشابہات کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

آیات ۳۳ تا ۴۱

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ
بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا
فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا
مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا
دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ
مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰۤئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى
الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ
يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ
وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾﴾

سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کا دوسرا حصہ ۳۱ آیات پر مشتمل ہے۔اس حصے میں خطاب براہِ راست نصاریٰ سے ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ یہ جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنا لیا ہے اور تثلیث (Trinity) کا عقیدہ گھڑ لیا ہے یہ سب باطل ہے۔عیسائیوں کے ہاں دو طرح کی تثلیث رائج رہی ہے —— i) خدا' مریم اور عیسیٰؑ —— اور ii) خدا' روح القدس اور عیسیٰ ۔ یہاں پر واضح کر دیا گیا کہ یہ جو تثلیثیں تم نے ایجاد کر لی ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے' یہ تمہاری کج روی ہے۔تم نے غلط شکل اختیار کی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت برگزیدہ پیغمبر تھے۔ہاں اُن کی ولادت معجزانہ طریقے پر ہوئی ہے۔لیکن ان سے متصلاً قبل حضرت یحییٰؑ کی ولادت بھی تو معجزانہ ہوئی تھی۔وہ بھی کوئی کم معجزہ نہیں ہے۔اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت بھی تو بہت بڑا معجزہ ہے۔اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا اور ان سے نسل انسانی کا آغاز ہوا۔چنانچہ اگر کسی کی معجزانہ ولادت الوہیت کی دلیل ہے تو کیا حضرت آدمؑ اور حضرت یحییٰؑ بھی الٰہ ہیں؟ تو یہ ساری بحث اسی موضوع پر ہو رہی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ نے چن لیا

آدمؑ کو‘ نوحؑ کو‘ آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو تمام جہان والوں پر۔‘‘

اِصطفاء کے معنی منتخب کرنے یا چن لینے (selection) کے ہیں۔ زیر مطالعہ آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی ’’اِصطفاء‘‘ ہوا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک دلیل موجود ہے جو تخلیق آدم کے ضمن میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ پہلے ایک نوع (species) وجود میں آئی تھی اور اللہ نے اس نوع کے ایک فرد کو چن کر اس میں اپنی روح پھونکی تو وہ آدمؑ بن گئے۔ چنانچہ وہ بھی چنیدہ (selected) تھے۔ اِصطفاء کے ایک عام معنی بھی ہوتے ہیں‘ یعنی پسند کر لینا۔ ان معنوں میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو تمام جہان والوں پر ترجیح دے کر پسند کر لیا۔ تاریخ بنی اسرائیل میں ’’عمران‘‘ دو عظیم شخصیتوں کے نام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام بھی عمران تھا۔ یہاں پر غالباً حضرت موسیٰؑ کے والد مراد ہیں۔ لیکن آگے چونکہ حضرت مریمؑ اور عیسیٰؑ کا تذکرہ آ رہا ہے‘ لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہاں پر حضرت مریمؑ کے والد کی طرف اشارہ ہو۔

آیت ۳۴ ﴿ذُرِّیَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ﴾ ’’یہ ایک دوسرے کی اولاد سے ہیں۔‘‘

حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوحؑ کی اولاد سے ہیں‘ اور پھر حضرت ابراہیمؑ کا پورا خاندان بنی اسماعیل‘ بنی اسرائیل اور آلِ عمران ان کی اولاد میں سے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿٣٤﴾﴾ ’’اور اللہ سننے والا‘ جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا﴾ ’’جب کہا عمران کی بیوی نے کہ اے میرے ربّ! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں تیری ہی نذر کرتی ہوں‘ ہر ذمہ داری سے چھڑا کر‘‘

عمران کی بیوی یعنی حضرت مریمؑ کی والدہ بہت ہی نیک‘ متقی اور زاہدہ تھیں۔ جب ان کو حمل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کیا کہ پروردگار! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے‘ جسے تو پیدا فرما رہا ہے‘ اسے میں تیری ہی نذر کرتی ہوں۔ ہم اس پر دُنیوی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے اور اس کو خالصتاً ہیکل کی خدمت کے لیے‘ دین کی خدمت کے لیے‘ تورات کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گے۔ ہم اپنا بھی کوئی بوجھ اس پر نہیں ڈالیں گے۔ انہیں یہ توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے گا۔ مُحَرَّرًا کے معنی ہیں ’’اسے آزاد کرتے ہوئے‘‘۔ یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور اسے ہم تیرے لیے خالص کر دیں گے۔

﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ﴾ ’’پس تو اس کو میری طرف سے قبول فرما!‘‘

اے اللہ تو میری اس نذر کو شرفِ قبول عطا فرما۔

﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٣٥﴾﴾ ’’یقیناً تو سب کچھ سننے والا‘ سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۳۶ ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ﴾ ’’تو جب اسے وضع حمل ہوا تو اس نے کہا اے

میرے ربّ! یہ تو میں ایک لڑکی جَن گئی ہوں۔‘‘

یعنی میرے ہاں تو بیٹی پیدا ہوگئی ہے۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا تو میں اس کو وقف کردوں گی۔ اُس وقت تک ہیکل کے خادموں میں کسی لڑکی کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ﴾ ’’اور اللہ بہتر جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے۔‘‘

اسے کیا پتا تھا کہ اس نے کیسی بیٹی جنی ہے!

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ﴾ ’’اور نہیں ہوگا کوئی بیٹا اس بیٹی جیسا!‘‘

اس جملے کے دونوں معنی کیے گئے۔ اوّلاً: اگر یہ قول مانا جائے حضرت مریمؑ کی والدہ کا تو ترجمہ یوں ہوگا: ’’اور لڑکا لڑکی کی مانند تو نہیں ہوتا‘‘۔ اگر لڑکا ہوتا تو میں اُسے خدمت کے لیے وقف کر دیتی‘ یہ تو لڑکی ہوگئی ہے۔ ثانیاً: اگر اس قول کو اللہ کی طرف سے مانا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ کوئی بیٹا ایسا ہو ہی نہیں سکتا جیسی بیٹی تو نے جنم دی ہے۔ اور اب مریمؑ کی والدہ کا کلام شروع ہوا:

﴿وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ ’’اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے‘‘

﴿وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٣٦﴾﴾ ’’اور (اے پروردگار!) میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ مردود (کے حملوں) سے۔‘‘

اے اللہ! تو اس لڑکی (مریمؑ) کو بھی اور اس کی آنے والی اولاد کو بھی شیطان کے شر سے اپنی حفاظت میں رکھیو!

آیت ۳۷ ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ ’’تو قبول فرمالیا اُس کو (یعنی حضرت مریمؑ کو) اس کے ربّ نے بڑی ہی عمدگی کے ساتھ‘‘

شرفِ قبول عطا فرمایا بڑے ہی خوبصورت انداز میں۔

﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ﴾ ’’اور اس کو پروان چڑھایا بہت اعلیٰ طریقے پر‘‘

﴿وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ﴾ ’’اور اس کو زکریاؑ کی کفالت میں دے دیا۔‘‘

حضرت زکریا علیہ السلام ان کے سرپرست مقرر ہوئے اور انہوں نے حضرت مریمؑ کی کفالت و تربیت کی ذمہ داری اٹھائی۔ وہ حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ آپؑ وقت کے نبی تھے اور اسرائیلی اصطلاح میں ہیکل سلیمانی کے کاہنِ اعظم (Chief Priest) بھی تھے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ﴾ ’’جب کبھی بھی زکریاؑ ان کے پاس جاتے تھے محراب میں‘‘

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ﴾ ’’تو ان کے پاس رزق پاتے۔‘‘

’’محراب‘‘ سے مراد وہ گوشہ یا حجرہ ہے جو حضرت مریمؑ کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ حضرت زکریاؑ اُن کی دیکھ بھال

کے لیے اکثر ان کے حجرے میں جاتے تھے۔ آپؑ جب بھی حجرے میں جاتے تو دیکھتے کہ حضرت مریمؑ کے پاس کھانے پینے کی چیزیں اور بغیر موسم کے پھل موجود ہوتے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ بھی ہے کہ یہاں رزق سے مراد مادی کھانا نہیں' بلکہ علم و حکمت ہے کہ جب حضرت زکریاؑ ان سے بات کرتے تھے تو حیران رہ جاتے تھے کہ اس لڑکی کو اس قدر حکمت اور اتنی معرفت کہاں سے حاصل ہوگئی ہے؟

﴿قَالَ یٰمَرۡیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ؕ﴾ ''وہ پوچھتے اے مریمؑ! تمہیں یہ چیزیں کہاں سے ملتی ہیں؟''

یہ انواع واقسام کے کھانے اور بے موسمی پھل تمہارے پاس کہاں سے آجاتے ہیں؟ یا یہ علم وحکمت اور معرفت کی باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوتی ہیں؟

﴿قَالَتۡ ھُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ﴾ ''وہ کہتی تھیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

یہ سب اس کا فضل اور اس کا کرم ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب عطا کرتا ہے۔''

آیت ۳۸ ﴿ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ ۚ﴾ ''(حضرت زکریاؑ کو یہ مشاہدہ ہوا تو انہوں نے) اُسی وقت اپنے پروردگار سے ایک دعا کی۔''

﴿قَالَ رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ﴾ ''انہوں نے کہا: اے میرے ربّ! تو مجھے بھی اپنی جناب سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔''

حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہوچکے تھے' ان کی اہلیہ بھی بہت بوڑھی ہوچکی تھیں اور ساری عمر بانجھ رہی تھیں اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہ مضامین سورۂ مریم میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ مکی دور میں جبکہ مسلمان ہجرتِ حبشہ کے لیے گئے تھے' تو وہاں جا کر نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائی تھیں۔ اس مناسبت سے یہ مضامین سورۂ مریم میں بھی ملتے ہیں۔ حضرت زکریاؑ ساری عمر بے اولاد رہے تھے' لیکن حضرت مریمؑ کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اولاد کی جو خواہش ان کے اندر دبی ہوئی تھی وہ چنگاری دفعۃً بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ! تو اس بچی کو یہ سب کچھ دے سکتا ہے تو اپنی قدرت سے مجھے بھی پاکیزہ اولاد عطا فرمادے!

﴿اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾﴾ ''یقیناً تو دعا کا سننے والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿فَنَادَتۡہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ ھُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیۡ فِی الۡمِحۡرَابِ ۙ﴾ ''تو فرشتوں نے انہیں ندا دی جبکہ وہ اپنے حجرے میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے''

﴿اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحۡیٰی﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے یحییٰؑ کی''

﴿مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ ''جو تصدیق کرے گا اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی''

اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کے لیے آیت ۴۴ میں ''بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ'' کا لفظ آ رہا ہے۔

﴿وَسَیِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور سردار ہوگا اور تجرد کی زندگی گزارے گا اور نبی ہوگا صالحین میں سے۔''

یہاں نوٹ کر لیجیے کہ آخری لفظ جو حضرت یحییٰؑ کی مدح کے لیے آیا ہے وہ ''نبی'' ہے۔

آیت ۴۰ ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ﴾ ''(زکریاؑ نے) کہا: پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو جائے گا؟''

ابھی خود دعا کر رہے تھے، لیکن اللہ کی طرف سے بیٹے کی بشارت ملنے پر غالباً اس کی توثیق اور re-assurance چاہ رہے ہیں کہ میرے ہاں کیسے بیٹا ہو جائے گا؟

﴿وَّقَدۡ بَلَغَنِیَ الۡکِبَرُ﴾ ''جبکہ میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں''

﴿وَامۡرَاَتِیۡ عَاقِرٌ ؕ﴾ ''اور میری بیوی بانجھ رہی ہے۔''

﴿قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اسے اسباب کی احتیاج نہیں ہے۔ اسباب اس کے محتاج ہیں، اللہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

آیت ۴۱ ﴿قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ﴾ ''انہوں نے عرض کیا: پروردگار! میرے (اطمینان کے) لیے کوئی نشانی مقرر کر دیں۔''

مجھے معلوم ہو جائے کہ واقعی ایسا ہونا ہے اور یہ کلام جو میں سن رہا ہوں واقعتاً تیری طرف سے ہے۔

﴿قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ﴾ ''(اللہ نے) فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ اب تم تین دن تک لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکو گے سوائے اشارے کنائے کے۔''

یعنی ان کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی اور اب وہ تین دن کسی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔

﴿وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا﴾ ''اور (اپنے دل میں) اپنے ربّ کو کثرت سے یاد کرتے رہو''

﴿وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِبۡکَارِ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور تسبیح کیا کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی۔''

آیات ۴۲ تا ۵۴

﴿وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ وَاسۡجُدِیۡ وَارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ
يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ڰ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا
يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ
الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ
الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ
حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ
ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ بیان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو شدید ضعیفی کی عمر میں ایک بانجھ اور بوڑھی عورت سے حضرت یحییٰؑ جیسا بیٹا دے دیا۔ تو کیا یہ عام قانون کے مطابق ہے؟ ظاہر ہے یہ بھی تو معجزہ تھا۔ اسی طرح اس سے ذرا بڑھ کر ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔ اب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ کہا فرشتوں نے اے مریمؑ''

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ نے تمہیں چن لیا ہے اور تمہیں خوب پاک کر دیا ہے اور تمہیں تمام جہان کی خواتین پر ترجیح دی ہے۔''

آیت ۴۳ ﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ﴾ ''اے مریمؑ! اپنے ربّ کی فرماں برداری کرتی رہو''

﴿وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرتی رہو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔''

یعنی نماز با جماعت کے اندر شریک ہو جایا کرو۔

آیت ۴۴ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ﴾ ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو (اے محمدﷺ!) ہم آپ

کو وحی کر رہے ہیں۔‘‘

﴿وَمَا كُنتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ﴾ ’’اور آپ تو ان کے پاس موجود نہیں تھے جبکہ وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے (یہ طے کرنے کے لیے) کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل ہوگا۔‘‘

جب حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی والدہ نے ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کیا تو ہیکل کے کاہنوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ یہ بچی میری تحویل میں ہو‘ اس کی تربیت اور پرورش کی سعادت مجھے حاصل ہو جائے جسے اللہ کے نام پر وقف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے وہ اپنے قلم پھینک کر کسی طرح قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ اس میں اللہ نے حضرت زکریاؑ کا نام نکال دیا۔ یہاں اثنائے کلام میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ تو اُس وقت وہاں نہیں تھے جب وہ قرعہ اندازی سے یہ معاملہ طے کر رہے تھے۔

﴿وَمَا كُنتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ ’’اور نہ آپ اُس وقت ان کے پاس موجود تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔‘‘

آیت ۴۵ ﴿اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ﴾ ’’یاد کرو جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریمؑ! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی‘‘

تمہیں اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی کی ولادت کی خوشخبری دے رہا ہے جو اُس کی جانب سے ایک خاص کلمہ ہو گا۔

﴿اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ﴾ ’’اس کا نام ہوگا المسیح‘ عیسیٰ‘ مریم کا بیٹا‘‘

﴿وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۴۵﴾﴾ ’’مرتبے والا ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ کے بہت ہی مقربین بارگاہ میں سے ہوگا۔‘‘

آیت ۴۶ ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا﴾ ’’اور وہ لوگوں سے گفتگو کرے گا گود میں بھی اور پوری عمر کا ہو کر بھی‘‘

کہولت چالیس برس کے بعد آتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا رفعِ سماوی ۳۳ برس کی عمر میں ہو گیا تھا۔ گویا اس آیت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا ہے۔ اور اس سے اندازہ کر لیجیے کہ یہ بات کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ پوری عمر کو پہنچ کر تو سبھی بولتے ہیں‘ یہاں اس کا اشارہ کیوں کیا گیا؟ اس لیے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ حضرت مسیحؑ پر موت ابھی وارد نہیں ہوئی‘ بلکہ وہ واپس آئیں گے‘ دنیا میں دوبارہ اتریں گے‘ پھر ان کی کہولت کی عمر بھی ہوگی۔ وہ شادی بھی کریں گے‘ ان کی اولاد بھی ہوگی اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو پوری دنیا میں قائم کرے گا۔

﴿وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۴۶﴾﴾ ’’اور وہ ہمارے نیکوکار بندوں میں سے ہوگا۔‘‘

آیت ۴۷ ﴿قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ﴾ ’’(حضرت مریمؑ نے یہ بات سنی تو تعجب

سے) بولی: اے اللہ! میرے اولاد کیسے ہو جائے گی جبکہ مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا!''

﴿قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ﴾ ''فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ تخلیق فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔''

وہ اپنے بنائے ہوئے قوانینِ فطرت کا پابند نہیں ہے۔ اگرچہ عام ولادت اسی طرح ہوتی ہے کہ اس میں باپ کا بھی حصہ ہوتا ہے اور ماں کا بھی، لیکن اللہ تعالیٰ ان اسباب اور وسائل و ذرائع کا محتاج نہیں ہے، وہ جیسے چاہے پیدا کرتا ہے۔

﴿اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝۴۷﴾ ''وہ تو جب کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

آیت ۴۸ ﴿وَيُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰٮةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ۝۴۸﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس کو سکھائے گا کتاب اور حکمت بھی اور تورات اور انجیل بھی۔''

یہاں پر چار چیزوں کا ذکر آیا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو تعلیم دی: کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل۔ ان چار چیزوں کے مابین جو تین ''وٗ'' آئے ہیں ان میں سے دو واوِ عطف ہیں، جبکہ درمیانی ''وٗ'' واوِ تفسیر ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ''اللہ ان کو سکھائے گا کتاب اور حکمت یعنی تورات اور انجیل''۔ اس لیے کہ تورات میں صرف احکام تھے، حکمت نہیں تھی اور انجیل میں صرف حکمت ہے، احکام نہیں ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کو سمجھ لینے سے یہ گتھی حل ہوتی ہے اور اسے سمجھے بغیر لوگوں کے ذہنوں میں اُلجھنیں رہتی ہیں۔

آیت ۴۹ ﴿وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ﴾ ''اور اُس کو رسول بنا کر بھیجے گا بنی اسرائیل کی طرف''

اب یہ جو دو بیک وقت آنے والی (contemporary) اصطلاحات ہیں ان کو نوٹ کر لیجیے۔ حضرت یحییٰؑ کے بارے میں تمام توصیفی کلمات کے بعد آخری بات یہ فرمائی: ﴿نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۳۹﴾ ''نبی ہوں گے صالحین میں سے''۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا: ﴿وَرَسُوۡلًا اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ﴾ یعنی بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئیں گے۔ نبی اور رسول میں یہ فرق نوٹ کر لیجیے کہ حضرت یحییٰؑ صرف نبی تھے اس لیے وہ قتل بھی کر دیے گئے، جبکہ حضرت عیسیٰؑ رسول تھے اور رسول قتل نہیں ہو سکتے، اس لیے انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ یہ بہت اہم مضمون ہے۔ مطالعۂ قرآن حکیم کے دوران اس کے اور بھی حوالے آئیں گے۔

﴿اَنِّىۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ۙ﴾ ''(چنانچہ حضرت مسیحؑ نے بنی اسرائیل کو دعوت دی) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں''

ابھی تک گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ساری خوشخبریاں دی گئیں۔ اب یوں سمجھئے کہ قصہ مختصر، ان کی ولادت ہوئی، وہ پلے بڑھے، یہ ساری تاریخ بیچ میں سے حذف کر کے نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ اب حضرت مسیحؑ نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا۔ آپؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔

﴿اَنِّیۡ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَھَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ﴾ ’’کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی مانند صورت بناتا ہوں‘‘

﴿فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ﴾ ’’پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ بن جاتا ہے اڑتا ہوا پرندہ اللہ کے حکم سے۔‘‘

یہاں آپ نوٹ کرتے جایئے کہ ہر معجزے کے بعد ’’بِاِذۡنِ اللّٰہِ‘‘ فرمایا۔ یعنی یہ میرا کوئی دعویٰ نہیں ہے‘ میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ کے حکم سے ہے۔

﴿وَ اُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ﴾ ’’اور میں شفا دے دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو بھی اور کوڑھی کو بھی‘ اور میں مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اللہ کے حکم سے۔‘‘

﴿وَ اُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَ مَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ﴾ ’’اور میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔‘‘

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۹﴾﴾ ’’یقیناً اُن تمام چیزوں میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔‘‘

حضرت مسیحؑ نے اپنی رسالت کی صداقت اور دلیل کے طور پر یہ تمام معجزات پیش فرمائے۔

آیت ۵۰ ﴿وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ﴾ ’’اور میں تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں اس کی جو میرے سامنے موجود ہے تورات میں سے‘‘

﴿وَ لِاُحِلَّ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ﴾ ’’اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ میں حلال ٹھہرا دوں تم پر ان میں سے بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔‘‘

یہ اصل میں ’’سبت‘‘ کے حکم کے بارے میں اشارہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض مذہبی مزاج کے لوگوں میں بڑی سختی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دین کے احکام میں غلو کرتے چلے جاتے ہیں‘ اسی طرح سبت کے حکم میں یہودیوں نے اس حد تک غلو کر لیا تھا کہ اس روز کسی مریض کے لیے دعا کرنا کہ اللہ اسے شفا دے دے‘ یہ بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ بھی دنیا کا کام ہے۔ چنانچہ وہ اس معاملے میں ایک انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے آ کر اس کی وضاحت کی کہ اس طرح کی چیزیں سبت کے تقاضوں میں شامل نہیں ہیں۔

﴿وَ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۟﴾ ’’اور میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔‘‘

﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۵۰﴾﴾ ’’پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔‘‘

آیت ۵۱ ﴿اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ﴾ ’’یقیناً اللہ ہی میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے‘ پس اُسی کی بندگی کرو۔‘‘

﴿ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۵۱﴾﴾ ’’یہی سیدھا راستہ ہے۔‘‘

یہی الفاظ سورۂ مریم (آیت ۳۶) میں بھی وارد ہوئے ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡہُمُ الۡکُفۡرَ﴾ ’’پس جب عیسٰیؑ نے ان کی طرف سے کفر کو بھانپ لیا‘‘

﴿قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ﴾ ’’تو انہوں نے پکار لگائی کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟‘‘

یہاں پھر درمیانی عرصے کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو دعوت دیتے ہوئے حضرت مسیحؑ کو کئی سال بیت چکے تھے۔ اس دعوت سے جب علماءِ یہود کی مسندوں کو خطرہ لاحق ہو گیا اور ان کی چودھراہٹیں خطرے میں پڑ گئیں تو انہوں نے حضرت مسیحؑ کی شدید مخالفت کی۔ اُس وقت تک یہودیوں پر ان کے علماء کا اثر و رسوخ بہت زیادہ تھا۔ جب آپؑ نے ان کی طرف سے کفر کی شدت کو محسوس کیا کہ اب یہ ضد اور مخالفت پر تل گئے ہیں۔ تو آپؑ نے ایک پکار لگائی‘ ایک ندا دی‘ ایک دعوتِ عام دی کہ کون ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار رہیں؟ یعنی اب جو کشاکش ہونے والی ہے‘ جو تصادم ہونے والا ہے اس میں ایک ’’حزب اللہ‘‘ بنے گی اور ایک ’’حزب الشیطان‘‘ ہو گی۔ اب کون ہے جو میرا مددگار ہو اللہ کی راہ میں اس جدوجہد اور کشاکش میں؟ دین کا کام کرنے کے لیے یہی اصل اساس ہے۔ اسی بنیاد پر کوئی شخص اٹھے کہ میں دین کا کام کرنا چاہتا ہوں‘ کون ہے کہ جو میرا ساتھ دے؟ یہ جماعت سازی کا ایک بالکل طبعی طریقہ ہوتا ہے۔ ایک داعی اٹھتا ہے اور اُس داعی پر اعتماد کرنے والے‘ اُس سے اتفاق کرنے والے لوگ اس کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ ذاتی اعتبار سے اُس کے ساتھی نہیں ہوتے‘ اس کی حکومت اور سرداری قائم کرنے کے لیے نہیں‘ بلکہ اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبہ کے لیے اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

﴿قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ﴾ ’’کہا حواریوں نے کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!‘‘

’’حواری‘‘ کے اصل معنی دھوبی کے ہیں جو کپڑے کو دھو کر صاف کر دیتا ہے۔ یہ لفظ پھر آگے بڑھ کر اپنے اخلاق اور کردار کو صاف کرنے والوں کے لیے استعمال ہونے لگا۔ حضرت مسیحؑ کی تبلیغ زیادہ تر گلیلی جھیل کے کناروں پر ہوتی تھی‘ جو سمندر کی طرح بہت بڑی جھیل ہے۔ آپؑ کبھی وہاں کپڑے دھونے والے دھوبیوں میں تبلیغ کرتے تھے اور کبھی مچھلیاں پکڑنے والے مچھیروں کو دعوت دیتے تھے۔ آپؑ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اے مچھلیوں کا شکار کرنے والو! آؤ‘ میں تمہیں انسانوں کا شکار کرنا سکھاؤں‘‘۔ آپؑ نے دھوبیوں میں تبلیغ کی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ ہم آپ کی جدوجہد میں اللہ کے مددگار بننے کو تیار ہیں۔ یہ آپؑ کے اوّلین ساتھی تھے جو ’’حواری‘‘ کہلاتے تھے۔ اس طرح حواری کا لفظ ساتھی کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

﴿اٰمَنَّا بِاللّٰہِ﴾ ''ہم ایمان لائے اللہ پر۔''
﴿وَاشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور آپؑ بھی گواہ رہیے گا کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں''۔

آیت ۵۳ ﴿رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ﴾ ''اے ربّ ہمارے! ہم ایمان لے آئے اُس پر جو تو نے نازل فرمایا''
﴿وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ﴾ ''اور ہم اتباع کر رہے ہیں تیرے رسول کا''
﴿فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''پس تو ہمارا نام گواہوں میں لکھ لے۔''

یہی لفظ ''گواہ'' اب عیسائیوں کے ایک خاص فرقے کی طرف سے (Jehova's Witnesses) اختیار کیا گیا ہے۔ لفظ یھوہ (Jehova) عبرانی میں خدا کے لیے آتا ہے۔ یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو ''خدا کے گواہ'' کہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا ؕ﴾ (اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو''۔ تو یہ لفظ ''شاہد'' (گواہ) قدیم ہے اور اسلامی حکمت اور اسلام کی مصطلحات میں اس کی ایک حیثیت ہے۔

آیت ۵۴ ﴿وَمَکَرُوۡا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ﴾ ''اب انہوں نے بھی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی۔''

یہود کے علماء اور فریسی حضرت مسیحؑ کے خلاف مختلف چالیں چل رہے تھے کہ کسی طرح یہ قانون کی گرفت میں آجائیں اور ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے آنجنابؑ کو مرتد اور واجب القتل قرار دے دیا تھا' لیکن ملک پر سیاسی اقتدار چونکہ رومیوں کا تھا لہٰذا رومی گورنر کی توثیق (sanction) کے بغیر کسی کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔ ملک کا بادشاہ اگرچہ ایک یہودی تھا لیکن اس کی حیثیت کٹھ پتلی بادشاہ کی تھی' جیسے انگریزی حکومت کے تحت مصر کے شاہ فاروق ہوتے تھے۔ یہود کی مذہبی عدالتیں موجود تھیں جہاں ان کے علماء' مفتی اور فریسی بیٹھ کر فیصلے کرتے تھے' اور اگر وہ سزائے موت کا فیصلہ دے دیتے تھے تو اس فیصلے کی تنفیذ (execution) رومی گورنر کے ذریعے ہوتی تھی۔ اس صورت حال میں علماءِ یہود کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ حضرت مسیحؑ کو رومی قانون کی زد میں لانے کے لیے اپنی سی چالیں چل رہے تھے۔ وہ آنجنابؑ سے اس طرح کے الٹے سیدھے سوالات کرتے کہ آپؑ کے جوابات سے یہ ثابت کیا جاسکے کہ یہ شخص رومی حکومت کا باغی ہے۔

یہود کی ان چالوں کا توڑ کرنے کے لیے اللہ نے اپنی چال چلی۔ اب اللہ کی چال کیا تھی؟ اس کی تفصیل قرآن یا حدیث میں نہیں ہے' بلکہ ''انجیل برنباس'' میں ہے جو پوپ کی لائبریری سے برآمد ہوئی تھی۔ حضرت مسیحؑ کے حواریوں میں سے ایک حواری یہودا کو یہود نے رشوت دے کر اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ آپؑ کی مخبری کر کے گرفتار کرائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی غدار حواری کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بدل دی اور وہ خود گرفتار ہو کر سولی چڑھ گیا۔ حضرت مسیحؑ پر وہ ہاتھ ڈال ہی نہیں سکے۔ حضرت مسیحؑ ایک باغ میں روپوش تھے اور باغ کے اندر بنی ہوئی ایک کوٹھڑی میں رات کے وقت عبادت میں مشغول تھے' جبکہ

آپؑ کے بارہ حواری باہر موجود تھے۔ اُس وقت وہ شخص وہاں سے چپکے سے سٹک گیا اور جا کر سپاہیوں کو لے آیا تا کہ آپؑ کو گرفتار کرا سکے۔ یہ رومی سپاہی تھے اور قندیلیں لے کر آئے تھے۔ اُس نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ میں اندر جاؤں گا، جس کو میں کہوں ''اے ہمارے استاذ'' بس اسی کو پکڑ لینا، وہی مسیحؑ ہیں۔ اس لیے کہ رومیوں کو کیا پتا تھا کہ مسیحؑ کون ہیں؟ یہ شخص جیسے ہی کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا اُسی وقت کوٹھڑی کی چھت پھٹی اور چار فرشتے نازل ہوئے، جو حضرت مسیحؑ کو لے کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شکل تبدیل کر دی اور حضرت مسیحؑ والی شکل بنا دی۔ اب یہ گھبرا کر باہر نکلا تو دوسرے حواریوں نے اُس سے کہا ''اے ہمارے استاد!'' یہ سنتے ہی سپاہیوں نے اسے قابو کر لیا اور اصل میں یہی شخص سولی چڑھا ہے، نہ کہ حضرت مسیحؑ۔ یہ ساری تفاصیل انجیل برنباس میں موجود ہیں۔ یہ شہادت درحقیقت نصاریٰ ہی کے گھر سے ہمیں ملی ہے اور قرآن کا جو بیان ہے اس میں یہ پوری طرح فٹ بیٹھتی ہے کہ ''انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں اور اللہ نے اپنی چال چلی''۔

﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہترین چال چلنے والا ہے۔''

آیات ۵۵ تا ۶۳

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾﴾

آیت ۵۵ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ﴾ ''یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ اب میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں''

لفظ ''مُتَوَفِّيْكَ'' کو قادیانیوں نے اپنے اس غلط عقیدے کے لیے بہت بڑی بنیاد بنایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی وفات ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ وَفٰی کے معنی ہیں پورا کرنا۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے وعدہ وفا کرو۔ اسی سے

باب تفعیل میں وَفّٰی . یُوَفِّیْ . تَوْفِیَةً کا مطلب ہے کسی کو پورا دینا۔ جیسا کہ آیت ۲۵ میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَکَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ۟ وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اُس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں! اور ہر جان کو پورا پورا بدلہ اس کے اعمال کا دے دیا جائے گا اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی''۔ باب تفعّل میں تَوَفّٰی. یَتَوَفّٰی کا معنی ہوگا کسی کو پورا پورا لے لینا۔ اور یہ لفظ گویا بتمام وکمال منطبق ہوتا ہے حضرت مسیحؑ پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ ان کے جسم اور جان سمیت دُنیا سے لے گیا۔ ہم جب کہتے ہیں کہ کوئی شخص وفات پا گیا تو یہ استعارتاً کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کا جسم تو یہیں رہ گیا صرف جان گئی ہے۔ اور یہی لفظ قرآن میں نیند کے لیے بھی آیا ہے: ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا ۚ﴾ (الزمر:۴۲) ''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا اُس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے''۔ اس لیے کہ نیند میں بھی انسان سے خودشعوری نکل جاتی ہے' اگرچہ وہ زندہ ہوتا ہے۔ روح کا تعلق خودشعوری کے ساتھ ہے۔ پھر جب انسان مرتا ہے تو روح اور جان دونوں چلی جاتی ہیں اور صرف جسم رہ جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان دونوں حالتوں (نینداور موت) کے لیے تـوفّـی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور سب سے زیادہ مکمل تَـوَفّـی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو ان کے جسم' جان اور روح تینوں سمیت' جوں کا توں' زندہ سلامت لے گیا۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کا یہ عقیدہ مسلمانوں کا ہے' اور جہاں تک لفظ ''تَوَفّی'' کا تعلق ہے اُس میں قطعاً کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں ہے جس سے کوئی شخص آپؑ کی موت کی دلیل پکڑ سکے' سوائے اس کے کہ ان لوگوں کو بہکانا آسان ہے جنہیں عربی زبان کی گرامر سے واقفیت نہیں ہے اور وہ ایک ہی وفات جانتے ہیں' جبکہ از روئے قرآن تین قسم کی ''وفات'' ثابت ہوتی ہے' جس کی میں نے وضاحت کی ہے۔ آیت زیر مطالعہ کے متذکرہ بالا ٹکڑے کا ترجمہ پھر کر لیجیے: ''یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں''۔

﴿وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ ''اور تمہیں پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے (تمہارے ساتھ) کفر کیا ہے''

﴿وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ﴾ ''اور غالب کرنے والا ہوں ان لوگوں کو جو تمہاری پیروی کریں گے قیامت تک ان لوگوں پر جو تمہارا انکار کر رہے ہیں۔''

یہود جنہوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا اُس وقت سے لے کر موجودہ زمانے تک حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں سے مار کھاتے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ ۳۰ء یا ۳۳ء میں آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے اور اس کے بعد سے یہود پر عیسائیوں کے ہاتھوں مسلسل عذاب کے کوڑے برستے رہے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے چالیس برس بعد ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ہیکل سلیمانی مسمار ہوا اور یروشلم میں ایک لاکھ بیس ہزار یا ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودی ایک دن میں قتل کیے گئے۔ گویا دو ہزار برس ہونے کو ہیں کہ ان کا کعبہ گرا پڑا ہے۔ اس کی صرف ایک دیوار (دیوارِ گریہ) باقی ہے جس پر جا کر یہ رو دھو لیتے ہیں۔

ہیکل سلیمانی اوّلاً بخت نصر نے چھٹی صدی قبل مسیح میں مسمار کیا تھا اور پورے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اُس

نے لاکھوں یہودی تہ تیغ کر دیے تھے اور لاکھوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا۔ یہ ان کا اسارت (Captivity) کا دور کہلاتا ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں یہ فلسطین واپس آئے تھے اور ''معبد ثانی'' تعمیر کیا تھا' جو ۷۰ء میں منہدم کر دیا گیا اور انہیں فلسطین سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ یہ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ کوئی روس' کوئی ہندوستان' کوئی مصر اور کوئی یورپ چلا گیا۔ اس طرح یہ پوری دنیا میں پھیل گئے۔ یہ ان کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب عیسائیوں نے ایک معاہدے کے تحت یروشلم مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کھلا شہر (open city) قرار دے دیا کہ یہاں مسلمان' عیسائی اور یہودی سب آ سکتے ہیں۔ اس طرح ان کی یروشلم میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ البتہ عیسائیوں نے اس معاہدے میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے یا جائیداد خریدنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے خلافت عثمانیہ کے دور تک اس معاہدے پر عمل درآمد ہوتا رہا اور یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہودیوں نے عثمانی خلفاء کو بڑی سے بڑی رشوتوں کی پیشکش کی' لیکن انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے سازشیں کیں اور خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کروا دیا۔ اس لیے کہ انہیں یہ نظر آتا تھا کہ اس خلافت کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں ہو گا کہ ہم کسی طرح بھی فلسطین میں دوبارہ آباد ہو سکیں۔ انہوں نے ۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر بالفور (Balfor) کے ذریعے ''بالفور ڈیکلریشن'' منظور کرایا' جس میں ان کو یہ حق دیا گیا کہ وہ فلسطین میں آ کر جائیداد بھی خرید سکتے ہیں اور آباد بھی ہو سکتے ہیں۔ اس ڈیکلریشن کی منظوری کے ۳۱ برس بعد اسرائیل کی ریاست وجود میں آ گئی۔ یہ تاریخ ذہن میں رہنی چاہیے۔

اب ایک طرح سے محسوس ہوتا ہے کہ یہودی دنیا بھر میں سیاست اور اقتدار پر چھائے ہوئے ہیں' تعداد میں ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہونے کے باوجود اس وقت دنیا کی معیشت کا بڑا حصہ ان کے کنٹرول میں ہے۔ لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ عیسائیوں کی پشت پناہی کی وجہ سے ہے۔ اگر عیسائی ان کی مدد نہ کریں تو عرب ایک دن میں ان کے ٹکڑے اڑا کر رکھ دیں۔ اِس وقت پوری امریکی حکومت ان کی پشت پر ہے' بلکہ White Anglo Saxon Protestants یعنی امریکہ اور برطانیہ تو گویا ان کے زرخرید ہیں۔ دوسرے عیسائی ممالک بھی ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ بہرحال اب بھی صورت حال یہ ہے کہ اوپر تو عیسائی ہی ہیں اور یہ معنوی طور پر سازشی انداز میں نیچے سے انہیں کنٹرول کر رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ فِیۡمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہو گا اور میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے مابین ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کر رہے تھے''۔

آیت ۵۶ ﴿فَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۫﴾ ''تو وہ لوگ جو کفر کی روش اختیار کریں گے میں انہیں عذاب دوں گا بہت سخت عذاب دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی''۔

﴿وَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مددگار''۔

آیت ۵۷ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے''
﴿فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ﴾ ''تو وہ ان کو ان کا پورا اجر دے گا۔''
دیکھئے یہاں پھر وفّی یُوَفِّی آیا ہے۔یعنی پورا پورا دے دینا۔
﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۞﴾ ''اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۵۸ ﴿ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۞﴾ ''یہ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیاتِ الٰہیہ اور پُر حکمت یاد دہانی میں سے۔''
یہاں بھی گویا پس منظر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ کی آیات اور ذکرِ حکیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

آیت ۵۹ ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ﴾ ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے۔''
﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞﴾ ''اُس کو مٹی سے بنایا پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔''
قرآن مجید کی یہ آیت ان لوگوں کے حق میں دلیل ہے جو حضرت آدمؑ کی خصوصی تخلیق (special creation) کے قائل ہیں۔ان کے نزدیک حضرت آدمؑ کا چناؤ ارتقاء (evolution) کے نتیجے میں کسی نوع (species) کے وجود میں آنے کے بعد اس کے ایک فرد کی حیثیت سے نہیں ہوا بلکہ براہِ راست مٹی سے تخلیق کیے گئے۔تخلیق آدمؑ کے ضمن میں یہ دونوں نظریے ملتے ہیں اور دونوں کے بارے میں دلائل بھی موجود ہیں۔ابھی یہ کوئی طے شدہ حقائق نہیں ہیں۔ہم غور و فکر کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کے کس مقام پر کس نظریے کے لیے کوئی تائید یا توثیق ملتی ہے۔یہاں فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک تو عیسٰیؑ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آدمؑ کی۔اسے مٹی سے بنایا اور کہا ہو جا تو وہ ہو گیا''۔تو اب اگر آدمؑ کا معاملہ خصوصی تخلیق کا ہے کہ بغیر باپ کے اور بغیر ماں کے پیدا ہو گئے تو کیا وہ ''الٰہ'' بن گئے؟ ان کا خالق تو اللہ ہے۔اسی طرح حضرت عیسٰیؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو خدا کیسے بن گئے؟ ان کی والدہ کو حمل ہوا ہے' نو مہینے ماں کے پیٹ میں رہے ہیں' پھر ان کی پیدائش ہوئی ہے۔تو تخلیق میں ان کا معاملہ اعجاز کے اعتبار سے حضرت آدمؑ سے تو کم ہی رہا ہے۔اور اس سے کم تر معاملہ حضرت یحییٰؑ کا ہے کہ انتہائی بڑھاپے کو پہنچے ہوئے حضرت زکریاؑ اور ان کی اہلیہ جو ساری عمر بانجھ رہیں' اللہ نے ان کو اولاد دے دی۔تو یہ سارے معجزات ہیں' اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔اس میں کسی کی الوہیت کی دلیل نہیں نکلتی۔

آیت ۶۰ ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۞﴾ ''یہ حق ہے آپؐ کے ربّ کی طرف سے' تو ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے۔''
یعنی حضرت مسیحؑ کے بارے میں اصل حقیقت یہی ہے جو قرآن نے واضح کر دی ہے' باقی سب نصاریٰ کی افسانہ طرازی ہے۔اور یہ جو فرمایا: ﴿فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۞﴾ اس میں خطاب بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر روئے سخن مخاطبین سے

ہے۔

آیت ۶۱ ﴿فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ''تو (اے نبیﷺ) جو بھی اس معاملے میں آپؐ سے حجت بازی کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آ چکا ہے''

آپؐ کے پاس تو ''العلم'' آ چکا ہے' آپؐ جو بات کہہ رہے ہیں علٰی وجہ البصیرۃ کہہ رہے ہیں۔ اس ساری وضاحت کے بعد بھی اگر نصاریٰ آپؐ سے حجت بازی کر رہے ہیں اور بحث و مناظرہ سے کنارہ کش ہونے کو تیار نہیں ہیں تو ان کو آخری چیلنج دے دیجیے کہ یہ آپؐ کے ساتھ ''مباہلہ'' کر لیں۔ نجران سے نصاریٰ کا جو ۷۰ افراد پر مشتمل وفد ابو حارثہ اور ابن علقمہ جیسے بڑے بڑے پادریوں کی سرکردگی میں مدینہ آیا تھا' اس سے دعوت و تبلیغ اور تذکیر و تفہیم کا معاملہ کئی دن تک چلتا رہا اور پھر آخر میں رسول اللہﷺ سے کہا گیا کہ اگر یہ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہیں ہوتے تو انہیں مباہلے کی دعوت دے دیجیے۔

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ﴾ ''پس آپ ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ' ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلاؤ اپنے بیٹوں کو''

﴿وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ﴾ ''اور ہم (بلا لیتے ہیں) اپنی عورتوں کو اور تم (بلاؤ) اپنی عورتوں کو''

﴿وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ قف﴾ ''اور ہم بھی آ جاتے ہیں اور تم بھی آ جاؤ!''

﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ''پھر ہم سب مل کر دعا کریں اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔''

ہم سب جمع ہو کر اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں اور کہیں کہ اے اللہ! جو ہم میں سے جھوٹا ہو' اس پر لعنت کر دے۔ یہ مباہلہ ہے۔ اور یہ مباہلہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ احقاقِ حق ہو چکے' بات پوری واضح کر دی جائے۔ آپ کو یقین ہو کہ میرا مخاطب بات پوری طرح سمجھ گیا ہے' صرف ضد پر اڑا ہوا ہے۔ اس وقت پھر یہ مباہلہ آخری شے ہوتی ہے تاکہ حق کا حق ہونا ظاہر ہو جائے۔ اگر تو مخالف کو اپنے موقف کی صداقت کا یقین ہے تو وہ مباہلہ کا چیلنج قبول کر لے گا' اور اگر اس کے دل میں چور ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق بات تو یہی ہے جو واضح ہو چکی ہے تو پھر وہ مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مباہلہ کی دعوت سن کر وفد نجران نے مہلت مانگی کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ مجلس مشاورت میں ان کے بڑوں نے ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے کہا: ''اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمدؐ نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیحؑ کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں۔ پس ایک نبی سے مباہلہ و ملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذابِ الٰہی سے نہ بچے اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو جائیں' کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

آیت ۶۲ ﴿اِنَّ ھٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ﴾ ''یقیناً یہی بالکل صحیح سرگزشت ہے۔''
﴿وَمَا مِنْ اِلٰـهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔''
﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۶۲﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی زبردست اور کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۶۳﴾ ''پھر اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مفسدوں کو۔''

یہاں آ کر اس سورۂ مبارکہ کے نصف اول کا پہلا اور دوسرا حصہ مکمل ہو گیا' جو ۳۲+۳۱=۶۳ آیات پر مشتمل ہے۔

آیات ۶۴ تا ۷۱

﴿قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۶۴ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۶۵ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۶۶ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۶۷ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۶۸ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۶۹ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۷۰ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۷۱﴾

سورۂ آل عمران کے نصف اوّل کا تیسرا حصہ ۳۸ آیات (۶۴ تا ۱۰۱) پر مشتمل ہے اور یہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے تیسرے حصے (رکوع ۱۵ تا ۱۸) سے بہت مشابہ ہے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر' بیت اللہ کا ذکر' اہل کتاب کو دعوتِ ایمان اور تحویل قبلہ کا حکم ہے۔ کم وبیش وہی کیفیت یہاں ملتی ہے۔ فرمایا:

آیت ۶۴ ﴿قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان بالکل برابر ہے''

یہاں ''اہل کتاب'' کے صیغۂ خطاب میں یہود و نصاریٰ دونوں کو جمع کر لیا گیا' جبکہ سورۃ البقرۃ میں ''یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ''

کے صیغۂ خطاب میں زیادہ تر گفتگو یہود سے تھی۔ یہاں ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا اور گویا صرف نصرانیوں سے خطاب تھا‘ اب اہل کتاب دونوں کے دونوں مخاطب ہیں کہ ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں مشترک اور متفق علیہ ہے۔ وہ کیا ہے؟

﴿اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ﴾ ’’کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں‘‘

﴿وَلَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا﴾ ’’اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں‘‘

﴿وَّلَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ﴾ ’’اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا ربّ ٹھہرائے۔‘‘

یہود و نصاریٰ نے اپنے اَحبار و رُہبان کا یہ اختیار تسلیم کر لیا تھا کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام ٹھہرا دیں۔ یہ گویا ان کو ربّ مان لینے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں فرمایا گیا: ﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَہُمۡ وَ رُہۡبَانَہُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ (آیت ۳۱)۔ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے عیسائی تھے) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قرآن کہتا ہے: ’’انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا اپنا ربّ بنا لیا‘‘۔ حالانکہ ہم نے تو انہیں ربّ کا درجہ نہیں دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّھُمْ لَمْ یَکُوْنُوْا یَعْبُدُوْنَھُمْ وَلٰکِنَّھُمْ اِذَا اَحَلُّوْا لَھُمْ شَیْئًا اسْتَحَلُّوْہُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَیْھِمْ شَیْئًا حَرَّمُوْہُ))(۱)

’’وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے‘ لیکن جب وہ ان کے لیے کسی شے کو حلال قرار دیتے تو وہ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی شے کو حرام قرار دے دیتے تو وہ اسے حرام مان لیتے۔‘‘

چنانچہ حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ کا ہے‘ اور جو کوئی اس حق کو اختیار کرتا ہے وہ گویا ربّ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اب یہ ساری قانون سازی جو شریعت کے خلاف کی جا رہی ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے ان لوگوں کی جانب سے خدائی کا دعویٰ ہے جو ان قانون ساز اداروں میں بیٹھے ہوئے ہیں‘ اور جو وہاں پہنچنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں اور اس کے لیے کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اگر تو پہلے سے یہ طے ہو جائے کہ کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی تو پھر آپ جایئے اور وہاں جا کر قرآن و سنت کے دائرے کے اندر اندر قانون سازی کیجیے۔ لیکن اگر یہ تحدید نہیں ہے اور محض اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی ہو رہی ہے تو یہ شرک ہے۔

اہل کتاب سے کہا گیا کہ توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک عقیدہ ہے۔ اس طرح انہیں غور و فکر کی دعوت دی گئی کہ وہ موازنہ کریں کہ اس قدرِ مشترک کے معیار پر اسلام پورا اترتا ہے یا یہودیت اور نصرانیت؟

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡہَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾﴾ ’’پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو (اے مسلمانو!) تم کہو آپ لوگ گواہ رہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں۔‘‘

ہم نے تو اللہ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور ہم متذکرہ بالا تینوں باتوں پر قائم رہیں گے۔ آپ کو اگر یہ پسند نہیں تو آپ کی مرضی!

آیت ۶۵ ﴿یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىةُ وَالۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ﴾ ''اے کتاب والو! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نہیں نازل کی گئیں مگر اُس کے بعد؟''

یہ بات تم بھی جانتے اور مانتے ہو کہ تورات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی اور انجیل بھی۔ یہودیت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی پیداوار ہے اور نصرانیت بھی۔ وہ تو مسلمان تھے' اللہ کے فرماں بردار تھے' یہودی یا نصرانی تو نہیں تھے!

﴿اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾﴾ ''تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۶۶ ﴿هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِیۡمَا لَکُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ﴾ ''دیکھو تم لوگ اب تک جو بھی بحث مباحثہ کرتے رہے ہو وہ ان چیزوں کے بارے میں ہے جن کا تمہیں کچھ علم ہے''

﴿فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡمَا لَیۡسَ لَکُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ﴾ ''تو اب تم ایسی چیزوں کے ضمن میں حجت بازی کیوں کرتے ہو جن کے بارے میں تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں؟''

ان چیزوں کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں' کوئی علمی بنیاد نہیں۔

﴿وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾﴾ ''اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

آیت ۶۷ ﴿مَا کَانَ اِبۡرٰهِیۡمُ یَهُوۡدِیًّا وَّلَا نَصۡرَانِیًّا﴾ ''(تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی''

﴿وَّلٰکِنۡ کَانَ حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ﴾ ''بلکہ وہ تو بالکل یکسو ہو کر اللہ کے فرماں بردار تھے۔''

﴿وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔''

نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں جو تین طبقات موجود تھے' یعنی مشرکینِ عرب' یہودی اور نصرانی' وہ تینوں اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرتے تھے۔ مشرکینِ عرب حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے ہونے کی نسبت سے کہتے تھے کہ ہمارا رشتہ ابراہیمؑ سے ہے۔ اسی طرح یہودی اور نصرانی بھی ملت ابراہیمیؑ ہونے کے دعوے دار تھے۔ لیکن قرآن نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے' نہ نصرانی تھے اور نہ ہی مشرکین میں سے تھے' بلکہ مسلمان تھے۔

آیت ۶۸ ﴿اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ﴾ ''یقیناً ابراہیمؑ سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والے

لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی‘‘

﴿وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط﴾ ’’اور اب یہ نبی (حضرت محمدﷺ) اور جو ان پر ایمان لائے (اس نسبت کے زیادہ حقدار ہیں)۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٦٨﴾ ’’اور اللہ ان مؤمنوں کا ساتھی ہے۔‘‘

وہ اہل ایمان کا حامی و مددگار ہے‘ پشت پناہ ہے‘ حمایتی ہے۔

آیت ٦٩ ﴿وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ط﴾ ’’اہل کتاب کا ایک گروہ آرزومند ہے کہ (اے مسلمانو!) تمہیں کسی طرح گمراہ کر دیں۔‘‘

﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٦٩﴾ ’’اور وہ نہیں گمراہ کر سکیں گے مگر اپنے آپ کو‘ لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔‘‘

آیت ٧٠ ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝٧٠﴾ ’’اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہو جبکہ تم خود گواہ ہو؟‘‘

تم قرآن اور صاحب قرآنﷺ کی حقانیت کے قائل ہو‘ ان کو پہچان چکے ہو‘ دل میں جان چکے ہو!

آیت ٧١ ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٧١﴾ ’’اے اہل کتاب! تم کیوں حق کے اوپر باطل کا ملمع چڑھاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو جانتے بوجھتے؟‘‘

سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا تھا: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٤٢﴾ ’’يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ‘‘ کے صیغۂ خطاب کے ساتھ ان آیات میں اُسی طرح کا داعیانہ انداز ہے جو سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع میں ہے۔

آیات ٧٢ تا ٨٠

﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٧٢ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ لا اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ج يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝٧٣ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝٧٤ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ج وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ
وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ
اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ
الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا
رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

آیت ۷۲ ﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ﴾ ’’اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ ان اہل ایمان پر جو چیز نازل کی گئی ہے‘ اس پر ایمان لاؤ صبح کے وقت اور اس کا انکار کر دو دِن کے آخر میں‘‘

﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾ ’’شاید (اس تدبیر سے) ان میں سے بھی کچھ پھر جائیں۔‘‘

یہاں یہود کی ایک بہت بڑی سازش کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کے ایک گروہ نے محمد رسول اللہﷺ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے مسلمانوں کے خلاف تیار کی تھی۔ اس سازش کا پس منظر یہ تھا کہ دنیا کے سامنے یہ بات آ چکی تھی کہ جو کوئی ایک مرتبہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا تھا وہ واپس نہیں آتا تھا‘ چاہے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جائے‘ بھوکا پیاسا رکھا جائے‘ حتیٰ کہ جان سے مار دیا جائے۔ اس طرح اسلام کی ایک دھاک بیٹھ گئی تھی کہ اس کے اندر کوئی ایسی کشش‘ ایسی حقانیت اور ایسی مٹھاس ہے کہ آدمی ایک مرتبہ اسلام قبول کر لینے کے بعد بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہو جاتا ہے‘ لیکن اسلام سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہوتا۔ اسلام کی یہ جو ساکھ بن گئی تھی اس کو توڑنے کا طریقہ انہوں نے یہ سوچا کہ ایسا کرو صبح کے وقت اعلان کرو کہ ہم ایمان لے آئے۔ سارا دن محمد (ﷺ) کی صحبت میں رہو اور شام کو کہہ دو ہم نے دیکھ لیا‘ یہاں کچھ نہیں ہے‘ یہ دُور کے ڈھول سہانے ہیں‘ ہم تو اپنے کفر میں واپس جا رہے ہیں‘ ہمیں یہاں سے کچھ نہیں ملا۔ اس سے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تو سمجھیں گے کہ انہوں نے سازش کی ہوگی‘ لیکن یقیناً کچھ لوگ یہ بھی سمجھیں گے کہ بھئی بڑے متقی لوگ تھے‘ متلاشیانِ حق تھے‘ بڑے جذبے اور بڑی شان کے ساتھ انہوں نے کلمہ پڑھا تھا اور ایمان قبول کیا تھا‘ پھر سارا دن رسول اللہﷺ کی محفل میں بیٹھے رہے ہیں‘ آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ تو دیکھا ہی ہوگا جو واپس پلٹ گئے۔ اس انداز سے عام لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنا بہت آسان کام ہے۔ چنانچہ انہوں نے منافقانہ شرارت کی یہ سازش تیار کی۔ اسلام میں قتل مرتد کی سزا کا تعلق اسی سے جڑتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اس طرح کی سازشوں کا راستہ روکنے کے لیے یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لانے

کے بعد پھر کفر میں جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا' کیونکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی (ideological) ریاست ہے' ایمان اور اسلام ہی تو اس کی بنیادیں ہیں۔ چنانچہ اس کی بنیادوں کو کمزور کرنے اور اس کی جڑوں کو کھودنے والی جو چیز بھی ہو سکتی ہے اس کا سدباب پوری قوت سے کرنا چاہیے۔

آیت ۷۳ ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ ط﴾ ''اور دیکھو کسی کی بات نہ ماننا مگر اُسی کی جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔''

یعنی اس سازشی گروہ کو یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر ہم جا کر چند گھنٹے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گزاریں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم میں سے واقعی کسی کو انشراحِ صدر ہو جائے اور وہ دل سے ایمان لے آئے۔ لہٰذا وہ طے کر کے گئے کہ دیکھو' ان پر ایمان نہیں لانا ہے' صرف ایمان کا اعلان کرنا ہے۔ قرآن مجید میں یہ شعوری نفاق کی مثال ہے۔ یعنی جو وقت انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کرنے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ گزارا اس میں وہ قانوناً تو مسلمان تھے' اگر اس دوران کوئی ان میں سے مر جاتا تو اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جاتی' لیکن خود انہیں معلوم تھا کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ یہ شعوری نفاق ہے' جبکہ ایک غیر شعوری نفاق ہے کہ اندر ایمان ختم ہو چکا ہوتا ہے مگر انسان سمجھتا ہے کہ میں تو مؤمن ہوں' حالانکہ اس کا کردار اور عمل منافقانہ ہے اور اس کے اندر سے ایمان کی پونجی ختم ہو چکی ہے' جیسے دیمک کسی شہتیر کو چٹ کر چکی ہوتی ہے لیکن اس کے اوپر ایک پردہ (veneer) بہرحال برقرار رہتا ہے۔ شعوری نفاق اور غیر شعوری نفاق کے اس فرق کو سمجھ لینا چاہیے۔

﴿قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ لا﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے''

آگے یہود کے سازشی ٹولے کے قول کا تسلسل ہے کہ دیکھو ایمان مت لانا!

﴿اَنْ یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ﴾ ''مبادا کسی کو وہ شے دے دی جائے جو تمہیں دی گئی تھی''

یعنی یہ رسالت و نبوت اور مذہبی پیشوائی تو ہماری میراث تھی' ہم اگر ان پر ایمان لے آئیں گے تو وہ چیز ہم سے ان کو منتقل ہو جائے گی۔ لہٰذا ماننا تو ہرگز نہیں ہے' لیکن کسی طرح سے ان کی ہوا اکھیڑنے کے لیے ہمیں یہ کام کرنا ہے۔

﴿اَوْ یُحَآجُّوْکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ ط﴾ ''یا تمہارے خلاف حجت قائم کریں تمہارے پروردگار کے حضور۔''

﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ج﴾ ''کہہ دیجیے کہ فضل تو کل کا کل اللہ کے ہاتھ میں ہے''

﴿یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔''

اُس نے دو ہزار برس تک تمہیں ایک منصب پر فائز رکھا' اب تم اس منصب کے نااہل ثابت ہو چکے ہو' لہٰذا تمہیں معزول کر دیا گیا ہے' اور اب ایک نئی اُمت (اُمتِ محمد ﷺ) کو اس مقام پر فائز کر دیا گیا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾﴾ ''اور اللہ بہت وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۴ ﴿یَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ”وہ مختص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتا ہے۔“

﴿وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۴﴾﴾ ”اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔“

اگلی آیت میں حکمتِ دعوت کے اعتبار سے بہت اہم نکتہ موجود ہے کہ بُرے سے بُرے گروہ کے اندر بھی کہیں نہ کہیں کوئی اچھے افراد لازماً ہوتے ہیں۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کا تذکرہ بھی کرتا رہے کہ ان میں اچھے لوگ بھی ہیں' تاکہ ایسے لوگوں کے دلوں کے اندر نرمی پیدا ہو۔ اسی طرح فرد کا معاملہ ہے کہ برے سے برے آدمی کے اندر کوئی اچھائی بھی موجود ہوتی ہے۔ آپ اگر اُسے حق کی دعوت دے رہے ہیں تو اس میں جو اچھائی ہے اس کو مانیے' تاکہ اسے معلوم ہو کہ اسے مجھ سے کوئی دشمنی نہیں ہے' میری جو بات واقعی اچھی ہے اس کو یہ تسلیم کر رہا ہے' لیکن جو بات غلط ہے اس کو ردّ کر رہا ہے۔ اس طرح اس کے دل میں کشادگی پیدا ہوگی اور وہ آپ کی بات سننے پر آمادہ ہوگا۔ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿وَمِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡہُ بِقِنۡطَارٍ یُّؤَدِّہٖۤ اِلَیۡکَ ۚ﴾ ”اور اہلِ کتاب میں سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس امانت رکھوا دو ڈھیروں مال تو وہ تمہیں پورا پورا واپس لوٹا دیں گے۔“

یعنی ان میں امانت دار لوگ بھی موجود ہیں۔

﴿وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡہُ بِدِیۡنَارٍ لَّا یُؤَدِّہٖۤ اِلَیۡکَ﴾ ”اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے“

﴿اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَیۡہِ قَآئِمًا ؕ﴾ ”مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو۔“

اگر تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ اور اس کو ادائیگی پر مجبور کر دو تب تو تمہاری امانت واپس کر دے گا' ورنہ نہیں دے گا۔ ان میں سے اکثر کا کردار تو یہی ہے' لیکن اہل کتاب میں سے جو تھوڑے بہت دیانت دار تھے ان کی اچھائی کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ بالفعل اس قسم کے کردار کے حامل لوگ عیسائیوں میں تو موجود تھے' یہودیوں میں نہ ہونے کے برابر تھے' لیکن ”اہل کتاب“ کے عنوان سے ان کا ذکر مشترک طور پر کر دیا گیا۔ آگے خاص طور پر یہود کا تذکرہ ہے کہ ان میں یہ بددیانتی' بے ایمانی اور خیانت کیوں آ گئی ہے۔

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡا لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ ۚ﴾ ”یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان اُمیین کے معاملے میں ہم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔“

یہودیوں کا یہ عقیدہ تورات میں نہیں ہے' لیکن ان کی اصل مذہبی کتاب کا درجہ تورات کی بجائے تالمود کو حاصل ہے۔ یوں سمجھئے کہ تورات تو ان کے لیے ”اُمّ الکتاب“ ہے' جبکہ ان کی ساری شریعت' قوانین وضوابط اور عبادات کی ساری تفاصیل تالمود میں ہیں۔ اور تالمود میں یہ بات موجود ہے کہ یہودی کے لیے یہودی سے جھوٹ بولنا حرام ہے' لیکن غیر یہودی سے جیسے

چاہو جھوٹ بولو۔ یہودی کے لیے کسی یہودی کا مال ہڑپ کرنا حرام اورنا جائز ہے' لیکن غیر یہودی کا مال جس طرح چاہو' دھوکہ 'فریب اور بددیانتی سے ہڑپ کرو۔ ہم پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ان کے نزدیک انسانیت کا شرف صرف یہودیوں کو حاصل ہے اور غیر یہودی انسان ہیں ہی نہیں' یہ اصل میں انسان نما حیوان (Goyems & Gentiles) ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانا ہمارا حق ہے' جیسا کہ گھوڑے کو تانگے میں جوتنا اور بیل کو ہل کے اندر جوت لینا انسان کا حق ہے۔ یہودی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان انسان نما حیوانوں سے ہم جس طرح چاہیں لوٹ کھسوٹ کا معاملہ کریں اور جس طرح چاہیں ان پر ظلم وستم کریں' اس پر ہماری کوئی پکڑ نہیں ہو گی' کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔ امریکہ میں اس پر ایک مووی بھی بنائی گئی ہے : "The Other Side of Israel" یہ دستاویزی فلم وہاں کے عیسائیوں نے بنائی ہے اور اس میں ایک شخص نے ایک یہودی کتب خانے میں جا کر وہاں ان کی کتابیں نکال نکال کر ان کے حوالے سے یہودیوں کے نظریات کو واضح کیا ہے اور یہودیت کا اصل چہرہ دنیا کو دکھایا ہے۔(اب اسی عنوان سے کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔)

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی)۔''

آیت ۷۶ ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ ''کیوں نہیں! جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کرے گا اور تقویٰ کی روش اختیار کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ کو اہل تقویٰ پسند ہیں۔''

آیت ۷۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو فروخت کرتے ہیں حقیر سی قیمت پر''

یعنی جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ہماری بات میں کچھ شک کر رہے ہیں تو خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں''

﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا''

﴿وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن''

﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠﴾ ''اور نہ ان کو پاک کرے گا''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یہ مضمون بھی تقریباً پورا سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۴) میں آ چکا ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ﴾ ''اور ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبان کو توڑتا مروڑتا ہے کتاب کو پڑھتے ہوئے' تاکہ تم سمجھو کہ (جو کچھ وہ پڑھ

رہے ہیں) وہ کتاب میں سے ہے‘ حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔‘‘

علماءِ یہود الفاظ کو ذرا سا اِدھر سے اُدھر مروڑ کر اور معنی پیدا کر لیتے تھے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ یہود سے کہا گیا ’’حِطَّةٌ‘‘ کہو تو ’’حِنطَةٌ‘‘ کہنے لگے۔ یعنی بجائے اس کے کہ ’’اے اللہ ہمارے گناہ جھاڑ دے‘‘ انہوں نے کہنا شروع کر دیا ’’ہمیں گیہوں دے‘‘۔ انہیں تلقین کی گئی کہ تم کہو: ’’سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا‘‘ مگر انہوں نے کہا: ’’سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا‘‘۔ اسی طرح کا معاملہ وہ تورات کو پڑھتے ہوئے بھی کرتے تھے۔ جب وہ دیکھتے کہ جو سائل فتویٰ مانگنے آیا ہے اس کی پسند کچھ اور ہے جبکہ تورات کا حکم کچھ اور ہے تو وہ الفاظ کو توڑ مروڑ کر پڑھ دیتے کہ دیکھو یہ کتاب کے اندر موجود ہے‘ اور اس طرح سائل کو خوش کر کے اس سے کچھ رقم حاصل کر لیتے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔‘‘

ہم یہ مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۷۹) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾﴾ ’’اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں جانتے بوجھتے۔‘‘

آیت ۷۹ ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ ’’کسی انسان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب‘ حکمت اور نبوت عطا فرمائے‘‘

﴿ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ’’پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر‘‘

یہ اب نصرانیوں کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجے‘ پھر عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا‘ انہیں کتاب دی‘ حکمت دی‘ نبوت دی‘ معجزات دیے۔ اور اس کا تو کوئی امکان نہیں کہ وہؑ کہتے کہ مجھے اللہ کے سوا اپنا معبود بنالو!

﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾﴾ ’’بلکہ (وہ تو یہی دعوت دے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ اس وجہ سے کہ تم لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم خود بھی اس کو پڑھتے ہو۔‘‘

کتابِ الٰہی کی تعلیم و تعلّم کا یہی تقاضا ہے۔ دین کا سیکھنا‘ سکھانا‘ قرآن کا پڑھنا پڑھانا اور حدیث و فقہ کا درس و تدریس اس لیے ہونا چاہیے کہ لوگوں کو اللہ والے بنایا جائے‘ نہ یہ کہ اپنے بندے بنا کر اور ان سے نذرانے وصول کر کے ان کا استحصال کیا جائے۔

آیت ۸۰ ﴿وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ﴾ ’’اور نہ کبھی وہ تمہیں اس بات کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں کو اور انبیاء کو ربّ بنالو۔‘‘

مشرکین مکہ نے فرشتوں کو ربّ بنایا اور ان کے نام پر لات‘ منات اور عزیٰ جیسی مورتیاں بنالیں‘ جبکہ نصاریٰ نے اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا ربّ بنالیا۔

﴿اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾﴾ ”تو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلم ہو چکے ہو؟“

اللہ کا وہ بندہ جسے اللہ نے کتاب‘ حکمت اور نبوت عطا کی ہو‘ کیا تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے جبکہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو؟

آیات ۸۱ تا ۹۱

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا
اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْہًا
وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ
وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہِمْ ص لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ
مِّنْہُمْ ز وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ج وَہُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ
مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿٨٥﴾ کَیْفَ یَہْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِہِمْ وَشَہِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَ
ہُمُ الْبَیِّنٰتُ ط وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٨٦﴾ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمْ اَنَّ عَلَیْہِمْ لَعْنَۃَ اللّٰہِ
وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ج لَا یُخَفَّفُ عَنْہُمُ الْعَذَابُ وَلَا ہُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾
اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا قف فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿٨٩﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ
اِیْمَانِہِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُہُمْ ج وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
وَمَاتُوْا وَہُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِہِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَہَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ ط اُولٰٓئِکَ لَہُمْ
عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَہُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿٩١﴾﴾

آیت ۸۱ ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ﴾ ”اور یاد کرو جبکہ اللہ نے تمام انبیاء سے ایک عہد لیا تھا کہ“

﴿لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ

وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط﴾ ''جو کچھ بھی میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں' پھر تمہارے پاس آئے کوئی اور رسول جو تصدیق کرتا ہوا اُس کی جو تمہارے پاس (پہلے سے) موجود ہے تو تمہیں لازماً اُس پر ایمان لانا ہوگا اور اُس کی مدد کرنی ہوگی۔''

اس لیے کہ انبیاء ورُسل کا ایک طویل سلسلہ چل رہا تھا' اور ہر نبی نے آئندہ آنے والے نبیؑ کی پیشین گوئی کی ہے اور اپنی اُمت کو اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ اور یہ بھی ختم نبوت کے بارے میں بہت بڑی دلیل ہے کہ ایسی کسی شے کا ذکر قرآن یا حدیث میں نہیں ہے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے ایسا کوئی عہد لیا گیا ہو یا آپؐ نے اپنی اُمت کو کسی بعد میں آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو' بلکہ اس کے برعکس قرآن میں صراحت کے ساتھ آنحضور ﷺ کو خاتم النبیّن فرمایا گیا ہے اور متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت دے کر گئے ہیں اور دیگر انبیاء کی کتابوں میں بھی بشارتیں موجود ہیں۔ انجیل برناباس کا تو کوئی صفحہ خالی نہیں ہے جس میں آنحضور ﷺ کی بشارت نہ ہو' لیکن باقی انجیلوں میں سے یہ بشارتیں نکال دی گئی ہیں۔

﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط﴾ ''اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا ہے اور اس پر میری ڈالی ہوئی ذمہ داری قبول کر لی ہے؟''

﴿قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط﴾ ''انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا۔''

انبیاء ورسل سے یہ عہد عالمِ ارواح میں لیا گیا۔ جس طرح تمام ارواحِ انسانیہ سے ''عہدِ الست'' لیا گیا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی﴾ اسی طرح جنہیں نبوت سے سرفراز ہونا تھا ان کی ارواح سے اللہ تعالیٰ نے یہ اضافی عہد لیا کہ میں تمہیں نبی بنا کر بھیجوں گا' تم اپنی اُمت کو یہ ہدایت کر کے جانا کہ تمہارے بعد جو نبی بھی آئے اُس پر ایمان لانا اور اس کی مدد اور نصرت کرنا۔

﴿قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا اب تم بھی گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔''

آیت ۸۲ ﴿فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ ''تو جس نے بھی منہ موڑ لیا اس کے بعد تو یقیناً وہی لوگ سرکش (اور نابکار) ہیں۔''

آیت ۸۳ ﴿اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ﴾ ''تو کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟''

﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾﴾ ''جبکہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے' چاہے خوشی سے اور چاہے مجبوراً' اور اُسی کی طرف ان سب کو لوٹا دیا جائے گا۔''

آیت ۸۴ ﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا﴾ ’’کہیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہم پر‘‘
یاد رہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۶ میں تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔
﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ ’’اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اوران کی اولاد پر‘‘
﴿وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ’’اور جو بھی موسٰیؑ، عیسٰیؑ اور تمام انبیاءؑ کو دیا گیا ان کے ربّ کی طرف سے۔‘‘
﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۸۴﴾ ’’ہم ان میں سے کسی ایک کے مابین بھی کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔‘‘

آیت ۸۵ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ﴾ ’’اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘
﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۸۵﴾ ’’اور پھر آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو کر رہے گا۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ﴾ ’’کیسے ہدایت دے گا اللہ ان لوگوں کو جو ایمان کے بعد کافر ہو گئے؟‘‘
یعنی ان کے دل ایمان لے آئے تھے، ان پر حقیقت منکشف ہو گئی تھی، لیکن دُنیوی مصلحتیں آڑے آ گئیں اور زبان سے انکار کر دیا۔ جیسے سورۃ النمل میں ہم پڑھیں گے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ﴾ (آیت ۱۴) ’’انہوں نے ظلم اور تکبر کے مارے ان معجزات کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کے قائل ہو چکے تھے‘‘۔
﴿وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ﴾ ’’اور انہوں نے گواہی دی کہ یہ رسول حق ہیں‘‘
اہل کتاب جب آپس میں باتیں کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ واقعتاً نبی آخر الزمان ہیں جو ہماری کتابوں میں بیان کردہ پیشینگوئیوں کا مصداق ہیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ علقمہ کے دو بیٹے ابوحارثہ اور کرز جب نجران سے مدینہ منورہ چلے آ رہے تھے تو راستے میں کرز کے گھوڑے کو کہیں ٹھوکر لگی تو اس نے کہا: ’’تَعِسَ الْاَبْعَدُ‘‘ (ہلاک ہو جائے وہ دور والا یعنی جس کی طرف ہم جا رہے ہیں)۔ اس کا اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔ اس پر اس کے بڑے بھائی ابوحارثہ نے کہا ’’بَلْ تَعِسَتْ اُمُّکَ‘‘ (بلکہ تیری ماں ہلاک ہو جائے!) اس نے کہا میرے بھائی! تمہیں میری بات اس قدر بری کیوں لگی؟ ابوحارثہ نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً وہ وہی نبی اُمی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا: جب آپ یہ سب جانتے ہیں تو ان پر

ایمان کیوں نہیں لے آتے؟ ابوحارثہ کہنے لگا: ان بادشاہوں نے ہمیں بڑا مقام ومرتبہ عطا کر رکھا ہے‘ اگر ہم ایمان لے آئے تو وہ ہم سے یہ سب کچھ چھین لیں گے۔ یہ لوگ سلطنتِ روما کے تحت تھے اور انہیں مصر کی حکومت کی طرف سے بڑی مراعات حاصل تھیں‘ انہیں مال ودولت اور عزت ووجاہت حاصل تھی۔ ابھی یہ لوگ محمدِ عربی ﷺ سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے تو یہ حال تھا‘ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں کئی روز گزارنے کے بعد مباہلہ سے راہِ فرار اختیار کر کے واپس جاتے ہوئے انہیں کس قدر یقین حاصل ہو گیا ہوگا کہ یہی وہ نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کے وہ منتظر تھے۔ ان کے دل گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول برحق (ﷺ) ہیں۔

﴿وَّجَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ﴾ ”اور ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں بھی آ چکی ہیں۔“

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۸۶﴾ ”اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

آیت ۸۷ ﴿اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمۡ اَنَّ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ۝۸۷﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی‘ فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔“

آیت ۸۸ ﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ﴾ ”اسی (لعنت) میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

﴿لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ۝۸۸﴾ ”ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو کوئی مہلت ملے گی۔“

یہ الفاظ بھی سورۃ البقرۃ (آیات ۱۶۱۔۱۶۲) میں آچکے ہیں۔

آیت ۸۹ ﴿اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَاَصۡلَحُوۡا ۟ قف﴾ ”سوائے ان کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں“

یعنی سچے دل سے ایمان لا کر عمل صالح کی روش پر گامزن ہو جائیں۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۸۹﴾ ”تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا‘ رحم فرمانے والا ہے۔“

توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہے۔

آیت ۹۰ ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا﴾ ”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد‘ پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے“

یعنی حق کو پہچان لینے کے بعد‘ چاہے زبان سے مانا ہو یا نہ مانا ہو‘ پھر اگر وہ کفر کرتے ہیں یا زبان سے ماننے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں‘ اور پھر وہ اپنے کفر میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

﴿لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُهُمۡ ۚ﴾ ”ان کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوگی۔“

﴿وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الضَّآلُّوۡنَ ۝۹۰﴾ ”اور وہ تو یقیناً گمراہوں میں سے ہیں۔“

آیت ۹۱ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَھُمۡ کُفَّارٌ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اسی حال میں کہ وہ کافر تھے‘‘

﴿فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِھِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰی بِہٖ ؕ﴾ ’’تو ان میں سے کسی سے زمین کی مقدار کے برابر سونا بھی فدیے میں قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ پیش کر سکے۔‘‘

ظاہر ہے کہ یہ محال ہے، ناممکن ہے، لیکن یہ بات سمجھانے کے لیے کہ وہاں پر کوئی فدیہ نہیں ہے فرمایا کہ اگر کوئی زمین کے حجم کے برابر سونا دے کر بھی چھوٹنا چاہے گا تو نہیں چھوٹ سکے گا۔ یہ وہی بات ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۴۸ اور آیت ۱۲۳ میں فرمائی گئی کہ اُس دن کسی سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔

﴿اُولٰٓئِکَ لَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے دردناک عذاب ہے‘‘

﴿وَّمَا لَھُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۹۱﴾﴾ ’’اور نہیں ہوں گے ان کے لیے کوئی مدد کرنے والے۔‘‘

آیات ۹۲ تا ۱۰۱

﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾ کُلُّ
الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِہٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ
التَّوۡرٰٮۃُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮۃِ فَاتۡلُوۡھَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ
بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰھِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا کَانَ
مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾ فِیۡہِ
اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ
اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۷﴾ قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ
٭ۖ وَاللّٰہُ شَھِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾ قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ
تَبۡغُوۡنَھَا عِوَجًا وَّاَنۡتُمۡ شُھَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۹﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ
تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یَرُدُّوۡکُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَکَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ
وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَفِیۡکُمۡ رَسُوۡلُہٗ ؕ وَمَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ
مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾

آیت ۹۲ ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ ''تم ہرگز نہیں پہنچ سکتے نیکی کے مقام کو جب تک کہ خرچ نہ کرو اس میں سے جو تمہیں پسند ہے۔''

آیۃ البر (البقرۃ:۱۷۷) کے ضمن میں اس آیت کا حوالہ بھی آیا تھا کہ نیکی کے مظاہر میں سے سب سے بڑی اور سب سے مقدم شے انسانی ہمدردی ہے' اور انسانی ہمدردی میں اپنا وہ مال خرچ کرنا مطلوب ہے جو خود اپنے آپ کو محبوب ہو۔ ایسا مال جو ردّی ہو' دل سے اُتر گیا ہو' بوسیدہ ہو گیا ہو وہ کسی کو دے کر سمجھا جائے کہ ہم نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماردی ہے تو یہ بجائے خود حماقت ہے۔

﴿وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾﴾ ''اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔''

آیت ۹۳ ﴿کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ ''کھانے کی ساری چیزیں (جو شریعتِ محمدیؐ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں''

﴿اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِیۡلُ عَلٰی نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ﴾ ''سوائے ان چیزوں کے جنہیں اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے حرام ٹھہرا لیا تھا اپنی جان پر' اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو۔''

یہودی شریعتِ محمدیؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ اس میں بعض ایسی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں جو شریعتِ موسویؑ میں حرام تھیں۔ مثلاً ان کے ہاں اونٹ کا گوشت حرام تھا' لیکن شریعتِ محمدیؐ میں یہ حرام نہیں ہے۔ اگر یہ بھی آسمانی شریعت ہے تو یہ تغیر کیسے ہو گیا؟ یہاں اس کی حقیقت بتائی جا رہی ہے کہ تورات کے نزول سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام نے طبعی کراہت یا کسی مرض کے باعث بعض چیزیں اپنے لیے ممنوع قرار دے لی تھیں جن میں اونٹ کا گوشت بھی شامل تھا۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو ازواج کی دلجوئی کی خاطر شہد نہ کھانے کی قسم کھا لی تھی' جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِکَ ؕ﴾ (التحریم:۱) حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے بعد میں ان چیزوں کو حرام سمجھ لیا' اور یہ چیز ان کے ہاں رواج کے طور پر چلی آ رہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان چیزوں کی حرمت تورات میں نازل نہیں ہوئی۔ کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو اسلام نے حلال کی ہیں وہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں' سوائے اُن چیزوں کے کہ جنہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی ذاتی ناپسند کے باعث اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا' اور یہ بات تورات کے نزول سے بہت پہلے کی ہے۔ اس لیے کہ حضرت یعقوبؑ میں اور نزولِ تورات میں چار پانچ سو سال کا فصل ہے۔

﴿قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے) کہیے لاؤ تورات اور اس کو پڑھو اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو۔''

تورات کے اندر تو کہیں بھی اونٹ کے گوشت کی حرمت مذکور نہیں ہے۔

آیت ۹۴ ﴿فَمَنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾﴾ ''پس جو لوگ اس کے بعد بھی اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے رہیں تو یہی لوگ ظالم ہیں۔''

آیت ۹۵ ﴿قُلۡ صَدَقَ اللّٰہُ ۟ ﴾ ''کہہ دیجیے اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے''

﴿فَاتَّبِعُوۡا مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ﴾ ''پس پیروی کرو ملّتِ ابراہیم کی جو یکسو تھے (یا یکسو ہو کر!)''

''حَنِیۡفًا'' ابراہیم کا حال ہے۔ اگر اسے ''اِتَّبِعُوۡا'' کا حال (بمعنی حَنِیۡفِیِّیۡنَ) مانا جائے تو دوسرا ترجمہ ہوگا۔ یعنی یکسو ہو کر' بعد کی تمام تقسیمات سے بلند تر ہو کر' ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو!

﴿وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۵﴾﴾ ''اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔''

آیت ۹۶ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ﴾ ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا (اللہ کی عبادت کے لیے) وہی ہے جو مکہ میں ہے''

''بَکَّۃ'' اور ''مَکَّۃ'' درحقیقت ایک ہی لفظ کے لیے دو تلفظ (pronunciations) ہیں۔

﴿مُبٰرَکًا وَّہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''برکت والا ہے اور ہدایت کا مرکز ہے تمام جہان والوں کے لیے۔''

آیت ۹۷ ﴿فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۚ﴾ ''اس میں بڑی واضح نشانیاں ہیں' جیسے مقامِ ابراہیمؑ۔''

سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل کے آخری چار رکوعوں (۱۵'۱۶'۱۷'۱۸) میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا ذکر ہے' پھر باقی ساری گفتگو ہے''۔ یہاں سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل کے تیسرے حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خانہ کعبہ کا تذکرہ آخر میں آیا ہے۔ گویا مضامین وہی ہیں' ترتیب بدل گئی ہے۔

﴿وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ﴾ ''اور جو بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے امن میں آ جاتا ہے۔''

جاہلیت کے بدترین دور میں بھی بیت اللہ امن کا گہوارہ تھا۔ پورے عرب کے اندر خونریزی ہوتی تھی' لیکن حرمِ کعبہ میں اگر کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تھا تو اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ حرم کی یہ روایات ہمیشہ سے رہی ہیں اور آج تک یہ اللہ کے فضل و کرم سے دار الامن ہے کہ وہاں پر امن ہی امن ہے۔

﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ﴾ ''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ حج کریں اُس کے گھر کا' جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی۔''

﴿وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۷﴾﴾ ''اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے۔''

نوٹ کیجیے کہ یہاں لفظ ''کَفَرَ'' آیا ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ گویا کفر کرتا ہے۔

اگلی آیت میں اہلِ کتاب کو بڑے تیکھے اور جھنجوڑنے کے سے انداز میں مخاطب کیا جارہا ہے' جیسے کسی پر نگاہیں گاڑ کر اس سے بات کی جائے۔

آیت ۹۸ ﴿قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ق﴾ ''کہہ دیجیے اے اہلِ کتاب! تم کیوں اللہ کی آیات کا انکار کررہے ہو؟''

﴿وَاللّٰہُ شَھِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾﴾ ''جبکہ جو کچھ تم کررہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۹۹ ﴿قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ﴾ ''کہہ دیجیے اے کتاب والو! تم کیوں روکتے ہو اللہ کے راستے سے اُس کو جو ایمان لے آتا ہے''

﴿تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا﴾ ''تم اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہو''

تم چاہتے ہو کہ جو اہل ایمان ہیں وہ بھی ٹیڑھے راستے پر چلیں۔ چنانچہ تم سازشیں کرتے ہو کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تا کہ اہلِ ایمان کے دلوں میں بھی وسوسے اور دغدغے پیدا ہو جائیں۔

﴿وَّاَنْتُمْ شُھَدَآءُ ط﴾ ''حالانکہ تم خود گواہ ہو!''

تم راہِ راست کو پہچانتے ہو اور جو کچھ کررہے ہو جانتے بوجھتے کررہے ہو۔

﴿وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾ ''اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کررہے ہو۔''

لیکن ان تمام سازشوں کے جواب میں اہل ایمان سے فرمایا گیا ہے:

آیت ۱۰۰ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان اہلِ کتاب کے کسی گروہ کی بات مان لوگے تو یہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی حالت میں لوٹا کرلے جائیں گے۔''

آیت ۱۰۱ ﴿وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ ط﴾ ''اور (ذرا سوچو تو سہی) یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم پھر کفر کرنے لگو جبکہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جارہی ہیں اور تمہارے اندر اُس کا رسول موجود ہے۔''

تمہارے درمیان محمد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تمہاری راہنمائی کے لیے موجود ہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدینہ میں علماءِ یہود کا کتنا اثر تھا۔اوس اور خزرج کے لوگ ان سے مرعوب

تھے کیونکہ یہ اَن پڑھ لوگ تھے‘ ان کے پاس کوئی کتاب‘ کوئی شریعت اور کوئی قانون نہیں تھا‘ جبکہ یہود صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت تھے‘ ان کے ہاں علماء تھے۔ لہٰذا اوس اور خزرج کے جو لوگ اسلام لے آئے تھے ان کے بارے میں اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں یہود کی ریشہ دوانیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس قسم کے خطرے سے بچنے کی تدبیر بھی بتا دی گئی:

﴿وَمَنۡ یَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ہُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ ’’اور جو کوئی اللہ سے چمٹ جائے اس کو تو ہدایت ہو گئی صراطِ مستقیم کی طرف۔‘‘

جو کوئی اللہ کی پناہ میں آ جائے‘ اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لے اُسے تو ضرور صراطِ مستقیم کی ہدایت ملے گی اور وہ ضلالت و گمراہی کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گا۔ جیسے شیر خوار بچے کو کوئی خطرہ محسوس ہو تو وہ دوڑ کر آئے گا اور اپنی ماں کے ساتھ چمٹ جائے گا۔ اب وہ یہ سمجھے گا کہ میں مضبوط قلعہ میں آ گیا ہوں‘ اب مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ نہیں جانتا کہ ماں بے چاری تمام خطرات سے اس کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اسے کیا پتا کہ کب کوئی درندہ صفت انسان اسے ماں کی گود سے کھینچ کر اُچھالے اور کسی بلم یا نیزے کی اَنی میں پرو دے۔ بہرحال بچہ تو یہی سمجھتا ہے کہ اب میں ماں کی گود میں آ گیا ہوں تو محفوظ پناہ میں آ گیا ہوں۔ اللہ کا دامن واقعتاً محفوظ پناہ گاہ ہے‘ اور جو کوئی اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے وہ گمراہی کی ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جادۂ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!!

آیات ۱۰۲ تا ۱۰۹

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪ وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَکُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۰۵﴾ یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ ۟ اَکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ فَفِیۡ رَحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰہُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَی

اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۱۰۹﴾

اب سورۂ آل عمران کا نصفِ ثانی شروع ہو رہا ہے‘ جس کا پہلا حصہ دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے یہ مشابہت بھی نوٹ کر لی ہوگی کہ سورۃ البقرۃ کے نصفِ اوّل میں بھی ایک مرتبہ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ سے خطاب تھا: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ؕ﴾ اسی طرح سورۂ آل عمران کے نصفِ اوّل میں بھی ایک آیت اوپر آ چکی ہے: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا فَرِیۡقًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یَرُدُّوۡکُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ لیکن مسلمانوں سے اصل خطاب گیارہویں رکوع سے شروع ہو رہا ہے اور یہاں پر اصل میں اُمت کو ایک سہ نکاتی لائحہ عمل دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اُمت اب قیامت تک قائم رہنے والی ہے‘ اور اس میں زوال بھی آئے گا اور اللہ تعالیٰ اولوالعزم اور باہمت لوگوں کو بھی پیدا کرے گا‘ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ مجددین اُمت ہر صدی کے اندر اٹھتے رہے۔ لیکن جب بھی تجدیدِ دین کا کوئی کام ہو‘ دین کو ازسرِنو تر و تازہ کرنے کی کوشش ہو‘ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد ہو تو اُس کا ایک لائحہ عمل ہو گا۔ وہ لائحہ عمل سورۂ آل عمران کی ان تین آیات (۱۰۲‘ ۱۰۳‘ ۱۰۴) میں نہایت جامعیت کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ یہ بھی تین آیات ہیں جیسے سورۃ العصر کی تین آیات ہیں‘ جو نہایت جامع ہیں۔ ان آیات کے مضامین پر میری ایک کتاب بھی موجود ہے ”اُمتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل“ اور اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس لائحہ عمل کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہے تو سب سے پہلے افراد کی شخصیت سازی‘ کردار سازی کرنا ہو گی۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۱۰۲ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ ”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے“

﴿وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ”اور تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں۔“

قرآن مجید میں تقویٰ کی تلقین کے لیے یہ سب سے گاڑھی آیت ہے۔ اس پر صحابہؓ گھبرا گئے کہ یارسول اللہ ﷺ! اللہ کے تقویٰ کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟ پھر جب سورۃ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ (آیت ۱۶) ”اپنی امکانی حد تک اللہ کا تقویٰ اختیار کرو“ تب ان کی جان میں جان آئی۔ تقویٰ کے حکم کے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ”مت مرنا مگر حالت فرمانبرداری میں“۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی پتہ نہیں کس لمحے موت آ جائے‘ لہٰذا تمہارا کوئی لمحہ نافرمانی میں نہ گزرے‘ مبادا موت کا ہاتھ اسی وقت آ کر تمہیں دبوچ لے۔ اگر پہلے اس طرح کی شخصیتیں نہ بنی ہوں تو اجتماعی اصلاح کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے پہلے افراد کی کردار سازی پر زور دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایک اجتماعیت اختیار کرو۔

آیت ۱۰۳ ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪﴾ ”اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔“

یاد رہے کہ اس سے پہلے آیت ۱۰۱ ان الفاظ پر ختم ہوئی ہے: ﴿وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ ”اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے چمٹ جائے (اللہ کی حفاظت میں آ جائے) اس کو تو ہدایت ہوگئی صراطِ مستقیم کی طرف“۔ سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی یہ لفظ آیا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ﴾ ”اور اللہ سے چمٹ جاؤ!“ اب اللہ کی حفاظت میں کیسے آیا جائے؟ اللہ سے کیسے چمٹیں؟ اس کے لیے فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ﴾ کہ اللہ کی رسی سے چمٹ جاؤ‘ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور یہ اللہ کی رسّی کونسی ہے؟ متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ”قرآن“ ہے۔ ایک طرف انسان میں تقویٰ پیدا ہو‘ اور دوسری طرف اس میں علم آنا چاہیے‘ قرآن کا فہم پیدا ہونا چاہیے‘ قرآن کے نظریات کو سمجھنا چاہیے‘ قرآن کی حکمت کو سمجھنا چاہیے۔ انسانوں میں اجتماعیت جانوروں کے گلوں کی طرح نہیں ہوسکتی کہ بھیڑ بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ ہے اور ایک چرواہا ایک لکڑی لے کر سب کو ہانک رہا ہے۔ انسانوں کو جمع کرنا ہے تو ان کے ذہن ایک جیسے بنانے ہوں گے‘ ان کی سوچ ایک بنانی ہوگی۔ یہ حیوانِ عاقل ہیں‘ باشعور لوگ ہیں۔ ان کی سوچ ایک ہو‘ نظریات ایک ہوں‘ مقاصد ایک ہوں‘ ہم آہنگی ہو‘ نقطۂ نظر ایک ہو تبھی تو یہ جمع ہوں گے۔ اس کے لیے وہ چیز چاہیے جو اُن میں یک رنگئ خیال‘ یک رنگئ نظر‘ یک جہتی اور مقاصد کی ہم آہنگی پیدا کر دے‘ اور وہ قرآن ہے‘ جو ”حبل اللہ“ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں قرآن حکیم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: ((وَهُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ)) [۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ((کِتَابُ اللّٰہِ‘ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ)) [۲] ”اللہ کی کتاب (کو تھامے رکھنا)‘ یہی وہ مضبوط رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے“۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ((اَبْشِرُوْا اَبْشِرُوْا ...... فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ‘ طَرْفُهٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرْفُهٗ بِاَیْدِیْکُمْ)) [۳] ”خوش ہو جاؤ‘ خوشیاں مناؤ...... یہ قرآن ایک واسطہ ہے‘ جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سِرا تمہارے ہاتھ میں ہے“۔ چنانچہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ بھی قرآن ہے‘ اور مسلمانوں کو آپس میں جوڑ کر رکھنے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری دعوت وتحریک کا منبع و سرچشمہ اور مبنیٰ و مدار قرآن ہے۔ اس کا عنوان ہی ”دعوت رجوع الی القرآن“ ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی الحمدللہ اسی کام میں کھپائی ہے اور اسی کے ذریعہ سے انجمن ہائے خدام القرآن اور قرآن اکیڈمیز کا سلسلہ قائم ہوا۔ ان اکیڈمیز میں ”ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس“ برسہا برس سے جاری ہے۔ اس کورس میں جدید تعلیم یافتہ لوگ داخلہ لیتے ہیں‘ جو ایم اے/ایم ایس سی ہوتے ہیں‘ بعض پی ایچ ڈی کر چکے ہوتے ہیں‘ ڈاکٹر اور انجینئر بھی آتے ہیں۔ وہ ایک سال لگا کر عربی سیکھتے ہیں تاکہ قرآن کو سمجھ سکیں۔ ظاہر ہے جب قرآن مجید کے ساتھ آپ کی وابستگی ہوگی تو پھر آپ دین کے اس رُخ پر آگے چلیں گے۔ تو یہ دوسرا نکتہ ہوا کہ اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً﴾ ”اور ذرا یاد کرو اللہ کا جو انعام تم پر ہوا جبکہ تم ایک

دوسرے کے دشمن تھے‘‘

﴿فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ﴾ ’’تو اللہ نے تمہارے دلوں کے اندر اُلفت پیدا کر دی‘‘

﴿فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ﴾ ’’پس تم اللہ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔‘‘

یہاں اوّلین مخاطب انصار ہیں۔ ان کے جو دو قبیلے تھے اوس اور خزرج وہ آپس میں لڑتے آ رہے تھے۔ سو برس سے خاندانی دشمنیاں چلی آ رہی تھیں اور قتل کے بعد قتل کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن جب ایمان آ گیا‘ اسلام آ گیا‘ اللہ کی کتاب آ گئی‘ محمد رسول اللہ ﷺ آ گئے تو اب وہ شیر و شکر ہو گئے‘ ان کے جھگڑے ختم ہو گئے۔ اسی طرح پورے عرب کے اندر غارت گری ہوتی تھی‘ لیکن اب اللہ نے اسے دارالامن بنا دیا۔

﴿وَ کُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ’’اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے‘‘ (بس اس میں گرنے ہی والے تھے)

﴿فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا ؕ﴾ ’’تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔‘‘

﴿کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ’’اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات واضح کر رہا ہے تاکہ تم راہ پاؤ (اور صحیح راہ پر قائم رہو)۔‘‘

اُمت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کے یہ دو نکتے بیان ہو گئے۔ سب سے پہلے افراد کے کردار کی تعمیر‘ انہیں تقویٰ اور فرمانبرداری جیسے اوصاف سے متصف کرنا —— اور پھر ان کو ایک جمعیت‘ تنظیم یا جماعت کی صورت میں منظّم کرنا‘ اور اس تنظیم کا معنوی محور قرآن مجید ہونا چاہیے‘ جو حبل اللہ ہے۔ بقول علامہ اقبال: ع اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست! اس کو مضبوطی سے تھامو کہ یہ حبل اللہ ہے! اس جماعت سازی کا فطری طریقہ بھی ہم اسی سورت کی آیت ۵۲ کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ داعی بن کر کھڑا ہو اور ﴿مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ﴾ کی آواز لگائے کہ میں تو اس راستے پر چل رہا ہوں‘ اب کون ہے جو میرے ساتھ اس راستے پر آتا ہے اور اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنتا ہے؟ ایسی جمعیت جب وجود میں آئے گی تو وہ کیا کرے گی؟ اس ضمن میں یہ تیسری آیت اہم ترین ہے:

آیت ۱۰۴ ﴿وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ﴾ ’’اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے‘ نیکی کا حکم دیتی رہے اور بدی سے روکتی رہے۔‘‘

اس جماعت کے کرنے کے تین کام بتائے گئے ہیں‘ جن میں اوّلین دعوت الی الخیر ہے‘ اور واضح رہے کہ سب سے بڑا خیر یہ قرآن ہے۔

﴿وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ’’اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔‘‘

یہاں لفظ ''مِنۡكُمۡ'' بڑا معنی خیز ہے کہ تم میں سے ایک ایسی اُمت وجود میں آنی چاہیے۔ گویا ایک تو بڑی اُمت ہے اُمت مسلمہ‘ وہ تو ایک سو پچاس کروڑ نفوس پر مشتمل ہے‘ جو خوابِ غفلت میں مدہوش ہیں‘ اپنے منصب کو بھولے ہوئے ہیں‘ دین سے دور ہیں۔ لہٰذا اس اُمت کے اندر ایک چھوٹی اُمت یعنی ایک جماعت وجود میں آئے جو ''جاگو اور جگاؤ'' کا فریضہ سرانجام دے۔ اللہ نے تمہیں جاگنے کی صلاحیت دے دی ہے‘ اب اوروں کو جگاؤ اور اس کے لیے طاقت فراہم کرو‘ ایک منظّم جماعت بناؤ! فرمایا کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ وہ بڑی اُمت جو کروڑوں افراد پر مشتمل ہے اور یہ کام نہیں کرتی وہ اگر فلاح اور نجات کی اُمید رکھتی ہے تو یہ ایک اُمید موہوم ہے۔ فلاح پانے والے صرف یہ لوگ ہوں گے جو تین کام کریں گے: (i) دعوت الی الخیر (ii) امر بالمعروف (iii) نہی عن المنکر۔ میں نے ''منہج انقلابِ نبویؐ'' کے مراحل و مدارج کے ضمن میں بھی یہ بات واضح کی ہے کہ اسلامی انقلاب کے لیے آخری اقدام بھی ''نہی عن المنکر بالید'' ہوگا۔ اس لیے کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نہی عن المنکر کے تین مراتب بیان کیے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنۡ رَاٰی مِنۡكُمۡ مُنۡكَرًا فَلۡيُغَيِّرۡهُ بِيَدِهٖ، فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِهٖ، وَذٰلِكَ اَضۡعَفُ الۡاِيۡمَانِ))[1]

''تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے اس کا فرض ہے کہ اسے زورِ بازو سے روک دے۔ پس اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے۔ پھر اگر اس کی بھی ہمت نہیں ہے تو دل میں برائی سے نفرت ضرور رکھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔

اگر دل میں نفرت بھی ختم ہوگئی ہے تو سمجھ لو کہ متاعِ ایمان رخصت ہوگئی ہے۔ بقول اقبال: ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

ہاں‘ دل میں نفرت ہے تو اگلا قدم اٹھاؤ۔ زبان سے کہنا شروع کرو کہ بھائی یہ چیز غلط ہے‘ اللہ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے‘ یہ کام مت کرو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی ایک طاقت بناتے جاؤ۔ ایک جماعت بناؤ‘ قوت مجتمع کرو۔ جب وہ طاقت جمع ہو جائے تو پھر کھڑے ہو جاؤ کہ اب ہم یہ غلط کام نہیں کرنے دیں گے۔ پھر وہ ہوگا ''نہی عن المنکر بالید'' یعنی طاقت کے ساتھ برائی کو روک دینا۔ اور یہ ہوگا انقلاب کا آخری مرحلہ۔

تو ان تین آیات کے اندر عظیم ہدایت ہے‘ انقلاب کا پورا لائحہ عمل موجود ہے‘ بلکہ اسی میں منہج انقلابِ نبویؐ کا جو آخری اقدامی عمل ہے وہ بھی پوشیدہ ہے۔

آیت ۱۰۵ ﴿وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۢۡ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ﴾ ''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف پیدا کر لیے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آ گئی

تھیں۔"

﴿وَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۵﴾﴾ "اور ان ہی لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔"

آیت ۱۰۶ ﴿یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ ۚ﴾ "(قیامت کے دن) جس دن بعض چہرے بڑے روشن اور تابناک ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔"

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ﴾ "تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے پوچھا جائے گا)"

﴿اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ﴾ "کیا تم اپنے ایمان کے بعد کفر میں لوٹ گئے تھے؟"

ہدایت کے آنے کے بعد تم لوگ تفرقے میں پڑ گئے تھے اور حبل اللہ کو چھوڑ دیا تھا۔

﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ "تو اب عذاب کا مزہ چکھو اُس کفر کے باعث جو تم کرتے رہے تھے۔"

آیت ۱۰۷ ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ۭ﴾ "اور جن کے چہرے روشن اور تابناک ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔"

﴿ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ "وہ اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔"

آیت ۱۰۸ ﴿تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ۭ﴾ "یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں حق کے ساتھ۔"

﴿وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ "اور اللہ تعالیٰ تو جہان والوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں' خود غلط راستے پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی سزا انہیں دنیا اور آخرت میں بھگتنی پڑتی ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ﴾ "اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔"

﴿وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾﴾ "اور بالآخر سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔"

قرآن حکیم میں اہم مباحث کے بعد اکثر اس طرح کی آیات آتی ہیں۔ یہ گویا concluding remarks ہوتے ہیں۔

آیات ۱۱۰ تا ۱۲۰

﴿کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۭ وَلَوْ

اٰمَنَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ‌ؕ مِنۡهُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَكۡثَرُهُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنۡ يَّضُرُّوۡكُمۡ اِلَّاۤ
اَذًى‌ؕ وَاِنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ يُوَلُّوۡكُمُ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا
ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ‌ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ‌ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيۡسُوۡا سَوَآءً‌ ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآٮِٕمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ
وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ
وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ‌ؕ وَاُولٰٓٮِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ‌ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـــًٔا‌ ؕ
وَاُولٰٓٮِٕكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ
رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ‌ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰـكِنۡ
اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰۤـاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ
وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ‌ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ‌ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَـكُمُ
الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ‌ۚ
وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ‌ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ‌ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا‌ ؕ
وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـــًٔا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾

آیت ۱۱۰ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے''

یہاں اُمت مسلمہ کی غرضِ تأسیس بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی یہ پوری اُمت مسلمہ اس مقصد کے لیے بنائی گئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُمت مسلمہ اپنا مقصد حیات بھول جائے۔ ایسی صورت میں اُمت میں سے جو بھی جاگ جائیں وہ دوسروں کو جگا کر ''اُمت کے اندر ایک اُمت'' (Ummah within Ummah) بنائیں اور مذکورہ بالا تین کام کریں۔ لیکن حقیقت میں تو مجموعی طور پر اس اُمت مسلمہ کا فرضِ منصبی ہی یہی ہے۔

قبل ازیں ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اُمت مسلمہ کا فرضِ منصبی بایں الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ سورۂ آل عمران کی آیت زیر مطالعہ اسی کے ہم وزن اور ہم پلہ آیت ہے۔ فرمایا: ''تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے''۔ دنیا کی دیگر قومیں اپنے لیے

زندہ رہتی ہیں۔ ان کے پیش نظر اپنی ترقی‘ اپنی بہتری‘ اپنی بہبود اور دنیا میں اپنی عزت وعظمت ہوتی ہے‘ لیکن تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے:ے

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!

مسلمان کی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانا اور لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنا ہے۔ تمہیں جینا ہے ان کے لیے‘ وہ جیتے ہیں اپنے لیے۔ تمہیں نکالا گیا ہے‘ برپا کیا گیا ہے لوگوں کے لیے۔

﴿تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ’’تم حکم کرتے ہو نیکی کا‘‘

﴿وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ’’اور تم روکتے ہو بدی سے‘‘

﴿ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ ’’اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔‘‘

نبی اکرم ﷺ کے دور میں پوری اُمت مسلمہ کی یہ کیفیت تھی۔ اور وہ جو پہلے بتایا گیا ہے کہ ایک جماعت وجود میں آئے (آیت ۱۰۴) وہ اُس وقت کے لیے ہے جب اُمت اپنے مقصدِ وجود کو بھول گئی ہو۔ تو ظاہر بات ہے جن کو ہوش آجائے وہ لوگوں کو جگائیں اور ایک جمعیت فراہم کریں۔

﴿وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ﴾ ’’اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔‘‘

﴿مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ’’ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں‘‘

اس سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اُس وقت تک یہودیوں یا نصرانیوں میں سے ایمان لا چکے تھے‘ اور وہ بھی جن کے اندر بالقوہ (potentially) ایمان موجود تھا اور اللہ کو معلوم تھا کہ وہ کچھ عرصہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۱۰﴾ ’’لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔‘‘

وہی معاملہ جو آج اُمت مسلمہ کا ہو چکا ہے۔ آج اُمت کی اکثریت کا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

آیت ۱۱۱ ﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ﴾ ’’(اے مسلمانو!) یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے سوائے تھوڑی سی کوفت کے۔‘‘

یہ تمہارے لیے تھوڑی سی زبان درازی اور کوفت کا سبب تو بنتے رہیں گے‘ لیکن یہ بالفعل تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

﴿ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ﴾ ’’اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا دیں گے۔‘‘

ان میں جرأت نہیں ہے‘ یہ بزدل ہیں‘ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''
یہ ایسے بے بس ہوں گے کہ ان کو کہیں سے مدد بھی نہیں مل سکے گی۔

آیت ۱۱۲ ﴿ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا﴾ ''ان کے اوپر ذلت تھوپ دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں''

﴿اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ ''سوائے یہ کہ (انہیں کسی وقت) اللہ کا کوئی سہارا حاصل ہو جائے یا لوگوں کی طرف سے کوئی سہارا مل جائے''

جیسے آج پوری عیسائی دنیا ان کا سہارا بنی ہوئی ہے۔ اسرائیل اپنے بل پر نہیں' بلکہ پوری عیسائی دنیا کی پشت پناہی پر قائم ہے۔ خلیج کی جنگ میں اتحادی افواج کے کمانڈر انچیف نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ ساری جنگ ہم نے اسرائیل کے تحفظ کے لیے لڑی ہے۔ گویا اس قدر خونریزی سے صرف اسرائیل کا تحفظ پیش نظر تھا۔

﴿وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ ''اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے''

﴿وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡمَسۡکَنَۃُ ؕ﴾ ''اور ان کے اوپر کم ہمتی مسلط کر دی گئی۔''

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے''

﴿وَ یَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ؕ﴾ ''اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے۔''

﴿ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور حدود سے تجاوز کرتے رہے۔''

یاد رہے کہ یہ آیت تھوڑے سے لفظی فرق کے ساتھ سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکی ہے۔ (آیت ۶۱)

آیت ۱۱۳ ﴿لَیۡسُوۡا سَوَآءً ؕ﴾ ''یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔''

ان میں اچھے بھی ہیں' برے بھی ہیں۔

﴿مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یَّتۡلُوۡنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیۡلِ وَ ہُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (سیدھے راستے پر) قائم ہیں' رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خاص طور پر عیسائی راہبوں کی ایک کثیر تعداد اِس کردار کی حامل تھی۔ ان ہی میں سے ایک بحیرہ راہب تھا جس نے بچپن میں آنحضور ﷺ کو پہچان لیا تھا۔ یہود میں بھی اِکا دُکا لوگ اس طرح کے باقی ہوں گے' لیکن اکثر و بیشتر یہود میں سے یہ کردار ختم ہو چکا تھا' البتہ عیسائیوں میں ایسے لوگ بکثرت موجود تھے۔

آیت ۱۱۴ ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخر پر''

﴿وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں''

﴿وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ﴾ ''اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور یقیناً یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ ؕ﴾ ''جو خیر بھی یہ کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''اور اللہ ایسے متقی لوگوں سے خوب واقف ہے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا ؕ﴾ ''(اس کے برعکس) جو لوگ کفر پر اَڑ گئے ان کے کام نہیں آسکیں گے نہ ان کے اموال نہ ان کی اولاد اللہ سے بچانے میں کچھ بھی۔''

﴿وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ﴾ ''یہی لوگ جہنمی ہیں۔''

﴿هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ ''دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے''

قریش مکہ اہل ایمان کے خلاف جو جنگی تیاریاں کر رہے تھے تو اس کے لیے مال خرچ کرتے تھے۔ فوج تیار کرنی ہے تو اس کے لیے اونٹ اور دیگر سواریوں کی ضرورت ہے' سامانِ حرب وضرب کی ضرورت ہے' تو ظاہر ہے اس کے لیے مال تو خرچ ہوگا۔ یہ اس انفاقِ مال کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں یا تو دین کی مخالفت کے لیے یا اپنے جی کو ذرا جھوٹی تسلی دینے کے لیے کرتے ہیں کہ ہم کچھ صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں' چاہے ہمارا کردار کتنا ہی گر گیا ہو۔ تو ان کے انفاق کی مثال ایسی ہے:

﴿كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ﴾ ''کہ جیسے ایک زوردار آندھی جس میں پالا ہو''

﴿اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ﴾ ''وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو آپڑے جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو' پھر وہ اس (کھیتی) کو تباہ و برباد اور تہس نہس کر کے رکھ دے۔''

یعنی ان کی یہ نیکیاں' یہ انفاق' یہ جدوجہد اور دوڑ دھوپ سب کی سب بالکل ضائع ہو جانے والی ہے۔

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''اور ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا' بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھا رہے ہیں۔''

آیت ۱۱۸ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے سوا کسی کو اپنا راز دار نہ بناؤ''

یعنی جس شخص کے بارے میں اطمینان ہو کہ صاحب ایمان ہے' مسلمان ہے' اس کے علاوہ کسی اور شخص کو اپنا بھیدی اور محرمِ راز نہ بناؤ۔ یہودی ایک عرصے سے مدینہ میں رہتے تھے اور اوس و خزرج کے لوگوں کی ان سے دوستیاں تھیں' پرانے تعلقات اور روابط تھے۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات سادہ لوح مسلمان اپنی سادگی میں راز کی باتیں بھی انہیں بتا دیتے تھے۔ اس سے انہیں روکا گیا۔

﴿لَا یَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا﴾ ''وہ تمہارے لیے کسی خرابی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔''

﴿وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ﴾ ''انہیں پسند ہے وہ چیز جو تمہیں تکلیف اور مشقت میں ڈالے۔''

﴿قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ﴾ ''ان کی دشمنی ان کے منہ سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔''

ان کا کلام ایسا زہر آلود ہوتا ہے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی ٹپکی پڑتی ہے۔ یہ اپنی زبانوں سے آتش برساتے ہیں۔

﴿وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ﴾ ''اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔''

جو کچھ ان کی زبانوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ تو پھر بھی کم ہے' ان کے دلوں کے اندر دشمنی اور حسد کی جو آگ بھڑک رہی ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

﴿قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''ہم نے تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے اگر تم عقل سے کام لو''۔

یعنی اپنے طرزِ عمل پر غور کرو اور اس سے باز آ جاؤ!

آیت ۱۱۹ ﴿هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ﴾ ''یہ تم ہی ہو کہ ان کو دوست رکھتے ہو''

یہ تمہاری شرافت اور سادہ لوحی ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور پرانے تعلقات اور دوستیوں کو نبھانا چاہتے ہو۔

﴿وَلَا یُحِبُّوۡنَكُمۡ﴾ ''لیکن (جان لو کہ) وہ تو تم سے محبت نہیں کرتے''

وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔

﴿وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ﴾ ''حالانکہ (تمہاری شان یہ ہے کہ) تم پوری کتاب کو مانتے ہو۔''

تم تورات کو بھی مانتے ہو' انجیل کو بھی مانتے ہو۔ سورۃ النساء میں الفاظ آئے ہیں: ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ ...... ﴾ (آیت ۴۴) ''کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا......'' چنانچہ تمام آسمانی کتابیں اللہ

تعالیٰ کی اس قدیم کتاب ''اُمُّ الکِتاب ''ہی کے حصے ہیں۔اسی ''اُمُّ الکتاب ''میں سے پہلے تورات آئی' پھر انجیل آئی اور پھر یہ قرآن مجید آیا ہے' جو ہدایت کاملہ پر مشتمل ہے۔تو تم تو پوری کی پوری کتاب کو مانتے ہو۔

﴿وَاِذَا لَقُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب یہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی مؤمن ہیں۔''

﴿وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَیۡکُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَیۡظِ﴾ ''اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں تو اب تم پر غصہ کی وجہ سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔''

جب وہ دیکھتے ہیں کہ اب ان کی کچھ پیش نہیں جارہی اور اسلام کا معاملہ اور آگے سے آگے بڑھتا جارہا ہے تو غصے میں پیچ وتاب کھاتے ہیں اور اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

﴿قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَیۡظِکُمۡ﴾ ''ان سے کہو مر جاؤ اپنے اس غم وغصہ میں۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ سینوں کے اندر مضمر ہے اس سے بھی واقف ہے۔''

آیت ۱۲۰ ﴿اِنۡ تَمۡسَسۡکُمۡ حَسَنَۃٌ تَسُؤۡہُمۡ﴾ ''(اے مسلمانو!) اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچ جائے تو ان کو بری لگتی ہے۔''

اگر تمہیں کوئی کامیابی حاصل ہو جائے' کہیں فتح نصیب ہو جائے تو ان کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔

﴿وَاِنۡ تُصِبۡکُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّفۡرَحُوۡا بِہَا﴾ ''اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں۔''

اگر تمہیں کوئی گزند پہنچ جائے' کہیں عارضی طور پر شکست ہو جائے' جیسے اُحد میں ہو گئی تھی' تو بڑے خوش ہوتے ہیں' شادیانے بجاتے ہیں۔

﴿وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُہُمۡ شَیۡئًا﴾ ''لیکن اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رہو تو ان کی یہ ساری چالیں تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔''

سورۃ البقرۃ میں صبر اور صلوٰۃ سے مدد لینے کی تلقین کی گئی تھی' یہاں صلوٰۃ کی جگہ لفظ تقویٰ آ گیا ہے کہ اگر تم یہ کرتے رہو گے تو پھر بالآخر ان کی ساری سازشیں ناکام ہوں گی۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''جو کچھ یہ کر رہے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے دائرے سے اور اس کی کھینچی ہوئی حد سے آگے نہیں نکل سکتے۔ یہ اس کے اندر اندر اُچھل کود کر رہے ہیں اور سازشیں کر رہے ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں یہ ضمانت دے رہا ہے کہ یہ تمہیں کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

آیات ۱۲۱ تا ۱۲۹

﴿وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذۡ هَمَّتۡ
طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ
بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ
يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ
فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى
لَكُمۡ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ
يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ
مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۹﴾﴾

یہاں سے سورۂ آل عمران کے نصفِ ثانی کے دوسرے حصے کا آغاز ہو رہا ہے‘ جو چھ رکوعات پر محیط ہے۔ یہ چھ رکوع مسلسل غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل ہیں۔ غزوۂ اُحد شوال ۳ ھ میں پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے رمضان ۲ ھ میں غزوۂ بدر پیش آ چکا تھا‘ جس کا تذکرہ ہم سورۃ الانفال میں پڑھیں گے۔ اس لیے کہ ترتیب مصحف نہ تو ترتیب زمانی کے اعتبار سے ہے اور نہ ہی ترتیبِ نزولی کے مطابق۔ غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت زبردست فتح دی تھی اور کفارِ مکہ کو بڑی زک پہنچی تھی۔ ان کے ستر (۷۰) سربرآوردہ لوگ مارے گئے تھے‘ جن میں قریش کے تقریباً سارے بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ اہل مکہ کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور ان کے انتقامی جذبات لاوے کی طرح کھول رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال کے اندر اندر انہوں نے پوری تیاری کی اور تمام ساز و سامان جو وہ جمع کر سکتے تھے جمع کر لیا۔ ابوجہل غزوۂ بدر میں مارا جا چکا تھا اور اب قریش کے سب سے بڑے سردار ابوسفیان تھے۔ (ابوسفیان چونکہ بعد میں ایمان لے آئے تھے اور صحابیت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے تھے لہٰذا ہم ان کا نام احترام سے لیتے ہیں۔) ابوسفیان تین ہزار جنگجوؤں کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ اہل مکہ اپنی فتح یقینی بنانے کے لیے اس دفعہ اپنے بچوں اور خاص طور پر خواتین کو بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ ان کی غیرت بیدار رہے کہ اگر کہیں میدان سے ہمارے قدم اکھڑ گئے تو ہماری عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائیں گی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بھی لشکر کے ہمراہ تھی۔ (وہ بھی بعد میں فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آئی تھیں۔) غزوۂ بدر میں ہندہ کا باپ‘ بھائی اور چچا مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکے تھے‘ لہٰذا اس کے سینے کے اندر بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مکہ کا شاید ہی کوئی گھر بچا ہو جس کا کوئی فرد غزوۂ بدر میں مارا نہ گیا ہو۔

اس موقع پر نبی اکرمﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مشاورت منعقد فرمائی کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے‘ جبکہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کرنے آ رہا ہے۔ رسول اللہﷺ کا اپنا رجحان اس طرف تھا کہ اس صورت حال میں ہم اگر مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کریں تو بہتر رہے گا۔ عجیب اتفاق ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن وہ لوگ جو بدر کے بعد ایمان لائے تھے اور وہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو پائے تھے ان میں سے خاص طور پر نوجوانوں کی طرف سے خصوصی جوش وخروش کا مظاہرہ ہو رہا تھا کہ ہمیں میدان میں نکل کر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے‘ ہمیں تو شہادت درکار ہے‘ ہمیں آخر موت سے کیا ڈر ہے؟ ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

چنانچہ رسول اللہﷺ نے اُن کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ فرمادیا کہ دشمن کا کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے گا۔ نبی اکرمﷺ نے ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ سے جبل اُحد کی جانب کوچ فرمایا‘ لیکن راستے ہی میں عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا اور ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں جوکھوں میں کیوں ڈالیں؟ تین سو منافقین کے چلے جانے کے بعد اسلامی لشکر میں صرف سات سو افراد باقی رہ گئے تھے‘ جن میں کمزور ایمان والے بھی تھے۔ چنانچہ دامن اُحد میں پہنچ کر مدینہ کے دو خاندانوں بنو حارثہ اور بنوسلمہ کے قدم بھی تھوڑی دیر کے لیے ڈگمگائے اور انہوں نے واپس لوٹنا چاہا‘ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حوصلہ دیا اور ان کے قدم جما دیے۔

اس کے بعد جنگ ہوئی تو اللہ کی طرف سے مدد آئی۔ اللہ نے لشکر اسلام کو فتح دے دی اور مشرکین کے قدم اکھڑ گئے۔ نبی اکرمﷺ نے اُحد پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھا تھا اور اس کے دامن میں صف بندی کی تھی۔ سامنے دشمن کا لشکر تھا۔ پہاڑ میں ایک درّہ تھا اور حضورﷺ کو اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ وہاں سے ہم پر حملہ ہو جائے اور ہم دو طرف سے چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ جائیں۔ لہٰذا آپﷺ نے اس درّہ پر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی امارت میں پچاس تیرانداز تعینات فرما دیے تھے اور انہیں تاکید فرمائی تھی یہاں سے مت ہلنا۔ چاہے تم دیکھو کہ ہم سب مارے گئے ہیں اور ہمارا گوشت چیلیں اور کوّے نوچ رہے ہیں تب بھی یہ جگہ مت چھوڑنا! لیکن جب مسلمانوں کو فتح ہو گئی تو درّے پر مامور حضرات میں اختلافِ رائے ہو گیا۔ ان میں سے اکثر نے کہا کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں جو اتنی تاکید فرمائی تھی وہ تو شکست کی صورت میں تھی‘ اب تو فتح ہو گئی ہے‘ لہٰذا اب ہمیں بھی چل کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں باقی سب لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ وہاں کے لوکل کمانڈر تھے‘ وہ انہیں منع کرتے رہے کہ یہاں سے ہرگز مت ہٹو‘ رسول اللہﷺ کا حکم یاد رکھو۔ لیکن وہ تو حضورﷺ کے حکم کی تاویل کر چکے تھے۔ ان میں سے ۳۵ افراد درّہ چھوڑ کر چلے گئے اور صرف ۱۵ باقی رہ گئے۔

خالد بن ولید (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) مشرکین کی گھڑسوار فوج (cavalry) کے کمانڈر تھے۔ ان کی

عقابی نگاہ نے دیکھ لیا کہ وہ درہ خالی ہے۔ ان کی پیدل فوج (infantry) شکست کھا چکی تھی اور بھگدڑ مچ چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے دو سو گھڑ سواروں کے دستے کے ساتھ اُحد کا چکر کاٹ کر پشت سے اس درے کے راستے مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ درّے پر صرف پندرہ تیر انداز باقی تھے‘ ان کے لیے دو سو گھڑ سواروں کی یلغار کو روکنا ممکن نہیں تھا اور وہ مزاحمت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس اچانک حملے سے یکلخت جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی زخمی ہو گئے۔ خود کی کڑیاں آپؐ کے رخسار میں گھس گئیں اور دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ خون اتنا بہا کہ آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی‘ اور یہ بھی مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ لیکن پھر جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو پکارا تو لوگ ہمت کر کے جمع ہوئے۔ تب آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس وقت پہاڑ پر چڑھ کر بچاؤ کر لیا جائے‘ اور آپ تمام مسلمانوں کو لے کر کوہِ اُحد پر چڑھ گئے۔ اس موقع پر ابوسفیان اور خالد بن ولید کے مابین اختلافِ رائے ہو گیا۔ خالد بن ولید کا کہنا تھا کہ ہمیں ان کے پیچھے پہاڑ پر چڑھنا چاہیے اور انہیں ختم کر کے ہی دم لینا چاہیے۔ لیکن ابوسفیان بڑے حقیقت پسند اور زیرک شخص تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں‘ مسلمان اونچائی پر ہیں‘ وہ اوپر سے پتھر پھینکیں گے اور تیر برسائیں گے تو ہمارے لیے شدید جانی نقصان کا اندیشہ ہے۔ ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے‘ یہی بہت ہے۔ چنانچہ مشرکین وہاں سے چلے گئے۔ مطالعۂ آیات سے قبل غزوۂ احد کے سلسلۂ واقعات کا یہ اجمالی خاکہ ذہن میں رہنا چاہیے۔

آیت ۱۲۱ ﴿وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَھۡلِکَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) یاد کیجیے جبکہ صبح کو آپؐ اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں میں مامور کر رہے تھے۔‘‘

غزوۂ اُحد کی صبح آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے برآمد ہوئے تھے اور جنگ کے میدان میں صف بندی کر رہے تھے‘ وہاں مورچے معین کر رہے تھے اور ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مامور کر رہے تھے۔

﴿وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲۱﴾﴾ ’’جبکہ اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۲۲ ﴿اِذۡ ہَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡکُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ﴾ ’’جبکہ تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے‘‘

انہوں نے کچھ کمزوری دکھائی‘ حوصلہ چھوڑنے لگے اور ان کے پاؤں لڑکھڑائے۔

﴿وَاللّٰہُ وَلِیُّہُمَا ؕ﴾ ’’حالانکہ اللہ ان کا پشت پناہ تھا۔‘‘

﴿وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ ’’اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو۔‘‘

جنگ کے آغاز سے پہلے انصار کے دو گھرانوں بنوحارثہ اور بنوسلمہ کے قدم وقتی طور پر ڈگمگا گئے تھے‘ بربنائے طبع بشری ان کے حوصلے پست ہونے لگے تھے اور انہوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ثبات عطا فرمایا اور ان کے قدموں کو جما دیا۔ پھر ان کا ذکر قرآن میں کر دیا گیا۔ اور وہ اس پر فخر کرتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ﴿مِنۡکُمۡ﴾ اور ﴿وَاللّٰہُ وَلِیُّہُمَا ؕ﴾ کے الفاظ میں کیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ تین سو منافقین جو میدانِ

جنگ سے چلے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ گویا وہ اس لائق بھی نہیں ہیں کہ ان کا براہِ راست ذکر کیا جائے۔ البتہ آخر میں ان کا ذکر بالواسطہ طور پر (indirectly) آئے گا۔

آیت ۱۲۳ ﴿وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّـةٌ‌ ۚ﴾ ''اور اللہ نے تو تمہاری مدد بدر میں بھی کی تھی جبکہ تم بہت کمزور تھے۔''

غزوۂ بدر میں ایک ہزار مشرکین کے مقابلے میں اہل ایمان صرف تین سو تیرہ تھے' جبکہ سب کے پاس تلواریں بھی نہیں تھیں۔ کل آٹھ تلواریں تھیں۔ کفارِ مکہ ایک سو گھوڑوں کا رسالہ لے کر آئے تھے اور ادھر صرف دو گھوڑے تھے۔ اُدھر سات سو اونٹ تھے اور اِدھر ستر اونٹ تھے۔ اس سب کے باوجود اللہ نے تمہاری مدد کی تھی اور تمہیں اپنے سے طاقتور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تھا۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝۱۲۳﴾ ''تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم اللہ کا (صحیح معنی میں) شکر ادا کر سکو۔''

آیت ۱۲۴ ﴿اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ۝۱۲۴﴾
''(اے نبیؐ!) جب آپ کہہ رہے تھے اہل ایمان سے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے جو آسمان سے اُترنے والے ہوں گے؟''

یعنی اے مسلمانو! اگر مقابلے میں تین ہزار کا لشکر آ گیا ہے تو کیا غم ہے۔ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کو تین ہزار فرشتے بھیجے گا جو آسمان سے اُتریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اس خوشخبری کو' جو ایک طرح سے استدعا بھی ہو سکتی تھی' فوری طور پر شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور اس کی منظوری کا اعلان فرما دیا۔

آیت ۱۲۵ ﴿بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا﴾ ''کیوں نہیں (اے مسلمانو!) اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی روش پر رہو گے اور اگر وہ فوری طور پر تم پر حملہ آور ہو جائیں''

﴿يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ۝۱۲۵﴾ ''تو تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے سے جو نشان زدہ گھوڑوں پر آئیں گے۔''

آیت ۱۲۶ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى لَـكُمۡ﴾ ''اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر تمہارے لیے بشارت''

﴿وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ‌ؕ﴾ ''اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔''

﴿وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۝۱۲۶﴾ ''ورنہ مدد تو ہوتی ہی اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔''

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کے طور پر تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے تمہیں بتا دیا گیا ہے' ورنہ اللہ فرشتوں کو بھیجے بغیر بھی تمہاری مدد کرسکتا ہے' وہ ''کُن فیکون'' کی شان رکھتا ہے۔ تمہیں یہ بشارت تمہاری طبع بشری کے حوالے سے دی گئی ہے کہ اگر تین ہزار کی تعداد میں دشمن سامنے ہوا تو تمہاری مدد کو تین ہزار فرشتے اتر آئیں گے' اور اگر وہ فوری طور پر حملہ آور ہو گئے تو ہم پانچ ہزار فرشتے بھیج دیں گے۔

آیت ۱۲۷ ﴿لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ ''(اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تا کہ کافروں کا ایک بازو کاٹ دے''

﴿اَوْ یَکْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ''یا انہیں ذلیل کر دے کہ وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ جائیں۔''

یہ بات ذہن میں رہے کہ یہاں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرہ زمانی ترتیب سے نہیں ہے۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا اپنے گھر سے نکل کر میدانِ جنگ میں مورچہ بندی کا ذکر ہوا۔ پھر اس سے پہلے کا ذکر ہو رہا ہے جب خبریں پہنچی ہوں گی کہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی خوشخبری دی ہوگی۔ اب اس جنگ کے دوران مسلمانوں سے جو کچھ خطائیں اور غلطیاں ہوئیں ان کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ خود آنحضور ﷺ سے بھی خطا کا ایک معاملہ ہوا' اس پر بھی گرفت ہے' بلکہ سب سے پہلے اسی معاملے کو لیا جا رہا ہے۔ جب آپ ﷺ شدید زخمی ہو گئے اور آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی' پھر جب ہوش آیا تو آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے:

((کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِیِّهِمْ بِالدَّمِ وَهُوَ یَدْعُوْهُمْ اِلَی اللّٰهِ))(۱)

''یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگ دیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہا تھا!''

تلوار کا وار آنحضور ﷺ کے رُخسار کی ہڈی پر پڑا تھا اور اس سے آپ کے دو دانت بھی شہید ہو گئے تھے۔ زخم سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا جس سے آپ ﷺ کا پورا چہرۂ مبارک لہولہان ہو گیا تھا۔ خون اتنی مقدار میں بہہ گیا تھا کہ آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ ہوش میں آئے تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ ......﴾ اے نبیؐ اس معاملے میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے' آپ کا کام دعوت دینا اور تبلیغ کرنا ہے۔ لوگوں کی ہدایت اور ضلالت کے فیصلے ہم کرتے ہیں۔ اور دیکھئے اللہ نے کیا شان دکھائی؟ جس شخص کی وجہ سے مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی' یعنی خالد بن ولید' اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے اسے ''سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰهِ'' (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) کا خطاب دلوا دیا۔

آیت ۱۲۸ ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ﴾ ''(اے نبیؐ) اس معاملے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں''

﴿اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ﴾ ''اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے''

یہ اللہ کے اختیار میں ہے‘ وہ چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا‘ وہ ایمان لے آئیں گے‘ یا اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا۔

﴿فَاِنَّـھُمۡ ظٰلِمُوۡنَ﴿۱۲۸﴾﴾ ’’اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔‘‘

ان کے ظالم ہونے میں کوئی شبہ نہیں‘ لہٰذا وہ سزا کے حق دار تو ہو چکے ہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے اللہ انہیں ہدایت دے دے۔ دیکھئے‘ یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ چند سال پہلے طائف میں رسول اللہﷺ سے جس طرح بدسلوکی کا مظاہرہ کیا گیا وہ آپ ؐکی زندگی کا شدید ترین دن تھا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ یہ ملک الجبال حاضر ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے‘ آپ ؐفرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ٹکرادوں جن کے مابین وادی کے اندر یہ شہر طائف آباد ہے‘ تاکہ یہ سب پس جائیں‘ ان کا سرمہ بن جائے۔ آپﷺ نے فرمایا کہ نہیں‘ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت دے دے۔ لیکن یہ وقت کچھ ایسا تھا کہ بربنائے طبع بشری زبان مبارک سے وہ جملہ نکل گیا۔ اس لیے کہ: ؎

وَالْـعَبْـدُ عَبْـدٌ وَاِنْ تَـرَقّٰـی وَالـرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَـنَـزَّلُ

’’بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنا ہی بلند ہو جائے‘ اور ربّ‘ ربّ ہی ہے چاہے کتنا ہی نزول فرمالے!‘‘

آیت ۱۲۹ ﴿وَلِـلّٰـهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ’’اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔‘‘

﴿یَـغۡـفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُـعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ’’وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴿۱۲۹﴾﴾ ’’اور اللہ غفور و رحیم ہے۔‘‘

آیات ۱۳۰ تا ۱۴۳

﴿یٰۤـاَیُّـھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَاتَّـقُـوا اللّٰهَ لَعَلَّـکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّـکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوۡۤا
اِلٰی مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِي
السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِیۡنَ
اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَھُمۡ ذَکَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ ۪ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا

اللّٰهُ ۣ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ
فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣٧﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى
وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ
قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾

آیت ۱۳۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠﴾ ’’اے اہل ایمان! سود مت کھاؤ دُگنا چوگنا بڑھتا ہوا‘‘

یہاں پر سود مرکب (compound interest) کا ذکر آیا ہے جو بڑھتا چڑھتا رہتا ہے۔ واضح رہے کہ شراب اور جوئے کی طرح سود کی حرمت کے احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے ایک مکی سورۃ ٗ سورۃ الروم میں انفاق فی سبیل اللہ اور سود کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر سود کی قباحت اور شناعت کو واضح کر دیا گیا: ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾﴾ جیسے کہ شراب اور جوئے کی خرابی کو سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں بیان کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد آیت زیر مطالعہ میں دوسرے قدم کے طور پر مہاجنی سود (usury) سے روک دیا گیا۔ ہمارے ہاں آج کل بھی ایسے سود خور موجود ہیں جو بہت زیادہ شرح سود پر لوگوں کو قرض دیتے ہیں اور ان کا خون چوس جاتے ہیں۔ تو یہاں اس سود کی مذمت آئی ہے۔ سود کے بارے میں آخری اور حتمی حکم ۹ ھ میں نازل ہوا‘ لیکن ترتیب مصحف میں وہ سورۃ البقرۃ میں ہے۔ وہ پورا رکوع (نمبر ۳۸) ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ وہاں پر سود کو دوٹوک انداز میں حرام قرار دے دیا گیا اور سود خوری سے باز نہ آنے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا الٹی میٹم دے دیا گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد کے حالات وواقعات کے درمیان سود خوری کی مذمت کیوں بیان ہوئی؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ درے پر مامور پچاس تیر اندازوں میں سے پینتیس اپنی جگہ چھوڑ کر جو چلے گئے تھے تو ان کے تحت الشعور میں مالِ غنیمت کی کوئی طلب تھی‘ جو نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اس حوالے سے سود خوری کی مذمت بیان کی گئی کہ یہ بھی انسان کے اندر مال و دولت سے ایسی محبت پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کے کردار میں بڑے بڑے خلا پیدا ہو سکتے ہیں۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٣٠﴾﴾ ’’اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

آیت ۱۳۱ ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾﴾ ''اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

آیت ۱۳۲ ﴿وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ''اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۱۳۳ ﴿وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ﴾ ''اور مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت کے حصول کے لیے اور اُس جنت کو حاصل کرنے کے لیے جس کا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین جتنا ہے''

﴿اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ ''وہ تیار کی گئی ہے (اور سنواری گئی ہے) اہل تقویٰ کے لیے۔''

آیت ۱۳۴ ﴿الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ ''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں کشادگی میں بھی اور تنگی میں بھی''

یہاں بھی تقابل ملاحظہ کیجیے کہ سود کے مقابلے میں انفاق کا ذکر ہوا ہے۔

﴿وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾ ''اور وہ اپنے غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے ہیں۔''

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسے محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

یہ درجۂ احسان ہے' جو اسلام اور ایمان کے بعد کا درجہ ہے۔

آیت ۱۳۵ ﴿وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ﴾ ''اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی ان سے کسی بے حیائی کا ارتکاب ہو جائے یا اپنے اوپر کوئی اور ظلم کر بیٹھیں تو فوراً انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے''

﴿فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪﴾ ''پس وہ اس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔''

یہ مضمون سورۃ النساء میں آئے گا کہ کسی مسلمان شخص سے اگر کوئی خطا ہو جائے اور وہ فوراً توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا ہے کہ اس کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔

﴿وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪﴾ ''اور کون ہے جو معاف کر سکے گناہوں کو سوائے اللہ کے؟''

﴿وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾﴾ ''اور وہ اپنے اس غلط فعل پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔''

یعنی ایسا نہیں کہ گناہ پر گناہ کرتے چلے جا رہے ہیں کہ موت آنے پر توبہ کر لیں گے۔ اُس وقت کی توبہ توبہ نہیں ہے۔ ایک

مسلمان سے اگر جذبات کی رو میں بہہ کر یا بھول چوک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور وہ ہوش آنے پر اللہ کے حضور گڑگڑائے' عزم مصمم کرے کہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا' اور پوری پشیمانی کے ساتھ صمیم قلب سے اللہ کی جناب میں توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

آیت ۱۳۶ ﴿اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ﴾ ''یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کا بدلہ ہے ان کے رب کی طرف سے مغفرت''

﴿وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ط﴾ ''اور وہ باغات کہ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾﴾ ''اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۳۷ ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ لا﴾ ''تم سے پہلے بھی بہت سے حالات و واقعات گزر چکے ہیں''

﴿فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ ''تو زمین میں گھومو پھرو''

﴿فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۱۳۷﴾﴾ ''اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

قریش کے تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے تو راستے میں قومِ ثمود کا مسکن بھی آتا تھا اور وہ بستیاں بھی آتی تھیں جن میں کبھی حضرت لوط علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی۔ ان کے کھنڈرات سے عبرت حاصل کرو کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا۔

آیت ۱۳۸ ﴿ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ''یہ وضاحت ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے متقین کے حق میں۔''

آیت ۱۳۹ ﴿وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ ''اور نہ کمزور پڑو اور نہ غم کھاؤ''

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ ''اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔''

یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ تم ہی غالب و سربلند ہو گے' آخری فتح تمہاری ہوگی' بشرطیکہ تم مؤمن ہوئے۔ یہ آیت ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے کہ آج دنیا میں جو ہم ذلیل ہیں' غالب و سربلند نہیں ہیں' تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہ کہ ہمارے اندر ایمان نہیں ہے' ہم حقیقی ایمان سے محروم ہیں۔ ہم جس ایمان کے مدعی ہیں وہ محض ایک موروثی عقیدہ ہے' یقین قلبی اور conviction والا ایمان نہیں ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ اُمت کے اندر حقیقی ایمان موجود ہو اور پھر بھی وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو۔

آیت ۱۴۰ ﴿اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ ط﴾ ''اگر تمہیں اب چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمن کو بھی ایسا ہی چرکا اس سے پہلے لگ چکا ہے۔''

اہل ایمان کو غزوۂ اُحد میں اتنی بڑی چوٹ پہنچی تھی کہ ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور مصعب

بن عمیرؓ بھی۔ انصار کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کا کوئی فرد شہید نہ ہوا ہو۔ رسول اللہﷺ اور مسلمان جب مدینہ واپس آئے تو ہر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ اُس وقت تک میت پر بین کرنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ عورتیں مرثیے کہہ رہی تھیں' بین کرر ہی تھیں' ماتم کر رہی تھیں۔ اس حالت میں خود آنحضورﷺ کی زبانِ مبارک سے الفاظ نکل گئے: لٰـکِنَّ حَمْزَۃَ لَا بَوَاکِیَ لَـهٗ!⁽¹⁾ ''ہائے حمزہ کے لیے تو کوئی رونے والیاں بھی نہیں ہیں!'' کیونکہ مدینہ میں حضرت حمزہؓ کی کوئی رشتہ دار خواتین نہیں تھیں۔ حمزہؓ تو مہاجر تھے۔ انصار کے گھرانوں کی خواتین اپنے اپنے مقتولوں پر آنسو بہا رہی تھیں اور بین کر رہی تھیں۔ پھر انصار نے اپنے گھروں سے جا کر خواتین کو حضرت حمزہؓ کی ہمشیرہ حضرت صفیہؓ کے گھر بھیجا کہ وہاں جا کر تعزیت کریں۔ بہرحال دکھ تو محمدؐ رسول اللہﷺ کو بھی پہنچا ہے۔ آخر آپؐ کے سینے کے اندر ایک حساّس دل تھا' پتھر کا کوئی ٹکڑا تو نہیں تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی دلجوئی کے لیے فرما رہا ہے کہ اتنے غمگین نہ ہو' اتنے ملول نہ ہو' اتنے دل گرفتہ نہ ہو۔ اس وقت اگر تمہیں کوئی چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمن کو اس جیسا چرکا اس سے پہلے لگ چکا ہے۔ ایک سال پہلے ان کے بھی ستر افراد مارے گئے تھے۔

﴿وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ﴾ ''یہ تو دن ہیں جن کو ہم لوگوں میں الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔''
یہ زمانے کے نشیب وفراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ کسی قوم کو ہم ایک سی کیفیت میں نہیں رکھتے۔

﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ لے کہ کون حقیقتاً مؤمن ہیں''
اگر امتحان اور آزمائش نہ آئے' تکلیف نہ آئے' قربانی نہ دینی پڑے' کوئی زک نہ پہنچے تو کیسے پتا چلے کہ حقیقی مؤمن کون ہے؟ امتحان و آزمائش سے تو پتا چلتا ہے کہ کون ثابت قدم رہا۔ اللہ تعالیٰ جاننا چاہتا ہے' دیکھنا چاہتا ہے' ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کس نے اپنا سب کچھ لگا دیا؟ کس نے صبر کیا؟

﴿وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ﴾ ''اور وہ چاہتا ہے کہ تم میں سے کچھ کو مقامِ شہادت عطا کرے۔''
انہیں اپنی گواہی کے لیے قبول کر لے۔

﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ ''اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''
اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ نے کفار کی مدد کی ہے اور ان کو پسند کیا ہے (معاذ اللہ!)

آیت ۱۴۱ ﴿وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''اور یہ اس لیے ہوا ہے کہ اللہ اہل ایمان کو بالکل پاک صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔''

مسلمانوں میں سے خاص طور پر انصارِ مدینہ کی آزمائش مطلوب ہے جو ابھی ایمان لائے ہیں' ان میں کچھ پختہ ایمان والے ہیں' کچھ کمزور ایمان والے ہیں اور کچھ منافق بھی ہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ وہ پورے طریقے سے پختہ ہو جائیں' اور اگر کوئی کچا ہی رہتا ہے تو وہ اہل ایمان سے کٹ جائے' تاکہ بحیثیتِ مجموعی جماعتی قوت کو کوئی ضعف نہ پہنچے۔ تو یہ جو تمہارے اندر ہر

طرح کے لوگ گڈ مڈ ہو گئے ہیں کہ کچھ مؤمن صادق ہیں‘ پختہ ایمان والے ہیں‘ کچھ کمزور ایمان والے ہیں اور کچھ منافق بھی ہیں‘ تو اللہ تعالیٰ نے یہ تمحیص کی ہے کہ سب کو چھانٹ کر الگ کر دیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھیوں کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا‘ ورنہ ان کی اصلیت تم پر کیسے ظاہر ہوتی؟ ’’بحث وتمحیص‘‘ ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ بحث کا معنی ہے کریدنا اور تمحیص الگ الگ کرنا۔

آیت ۱۴۲ ﴿اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ﴾ ’’کیا تم نے سمجھا تھا کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے‘‘
﴿وَ لَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ جٰہَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَ یَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ ’’حالانکہ ابھی تو اللہ نے دیکھا ہی نہیں ہے تم میں سے کون واقعتاً (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والے ہیں اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔‘‘
گویا ع ’’ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!‘‘ ابھی تو تمہارے لیے اس راستے میں کڑی سے کڑی منزلیں آنے والی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مضمون ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں پڑھ آئے ہیں۔ نوٹ کیجیے کہ زیر مطالعہ آیت کا نمبر ۱۴۲ ہے‘ یعنی ہندسوں کی صرف ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

آیت ۱۴۳ ﴿وَ لَقَدۡ کُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡہُ ۪﴾ ’’اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے اس سے پہلے کہ اُس سے ملاقات ہوتی۔‘‘
﴿فَقَدۡ رَاَیۡتُمُوۡہُ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾﴾ ’’سو اب تم نے اسے دیکھ لیا ہے اپنی آنکھوں سے۔‘‘
یہاں روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو نئے نئے ایمان لائے تھے اور ان میں سے خاص طور پر نوجوانوں نے کہا تھا کہ ہمیں تو شہادت چاہیے اور ہم تو کھلے میدان میں جا کر مقابلہ کریں گے۔ ان کے جذبات پر تھوڑا سا تبصرہ ہو رہا ہے کہ اُس وقت تو جوشِ قتال اور ذوقِ شہادت کا اظہار ہو رہا تھا‘ اب تم نے موت دیکھ لی ہے نا! تو یہ ہے موت جسے انسان اتنی آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرتا۔

آیات ۱۴۴ تا ۱۴۸

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَ سَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَا کَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ مَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ۚ وَ مَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَۃِ نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ؕ وَ سَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾ وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَہٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ ۚ فَمَا وَہَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ مَا ضَعُفُوۡا وَ مَا اسۡتَکَانُوۡا ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ مَا کَانَ قَوۡلَہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ اِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ

﴿الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾﴾

آیت ۱۴۴ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ﴾ ''محمد(ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔''
غزوۂ اُحد کے دوران جب یہ افواہ اڑ گئی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو بعض لوگ بہت دل گرفتہ ہو گئے کہ اب کس لیے جنگ کرنی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اُن میں سے تھے۔ آپ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر تلوار پھینک دی اور دل برداشتہ ہو کر بیٹھ گئے کہ اب ہم نے جنگ کر کے کیا لینا ہے! یہاں اس طرزِ عمل پر گرفت ہو رہی ہے کہ تمہارا یہ رویہ غلط تھا۔ محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں' وہ معبود تو نہیں ہیں۔ تم ان کے لیے جہاد نہیں کر رہے' بلکہ اللہ کے لیے کر رہے ہو' اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اپنے جان و مال قربان کر رہے ہو۔ محمد ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں۔

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔''

﴿اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ﴾ ''تو کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟''

کیا اس صورت میں تم اُلٹے پاؤں راہِ حق سے پھر جاؤ گے؟ کیا یہی تمہارے دین اور ایمان کی حقیقت ہے؟

﴿وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ﴾ ''اور جو کوئی بھی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔''

﴿وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾﴾ ''ہاں اللہ بدلہ دے گا شکر کرنے والوں کو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ جذباتی انسان تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر حوصلہ چھوڑ گئے۔ آپ ؓ کی تقریباً یہی کیفیت پھر حضور ﷺ کے انتقال پر ہو گئی تھی۔ آپ ؓ تلوار سونت کر بیٹھ گئے تھے کہ جو کہے گا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اُس کا سر اُڑا دوں گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ''ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر'' اُس وقت مدینہ کے مضافات میں تھے۔ آپ ؓ آتے ہی سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر چادر تھی' آپ ؓ نے چادر ہٹائی اور جھک کر آنحضور ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور رو دیے۔ پھر کہا: اے اللہ کے رسول' میرے ماں باپ آپ ؐ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ ؐ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ یعنی اب دوبارہ آپ ؐ پر موت وارد نہیں ہو گی' اب تو آپ ؐ کو حیاتِ جاودانی حاصل ہو چکی ہے۔ حضرت ابو بکر ؓ باہر آئے اور لوگوں سے خطاب شروع کیا تو حضرت عمر ؓ بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر ؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ' وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ''جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے' اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا اُسے معلوم ہو کہ اللہ تو زندہ ہے' جسے موت نہیں آئے گی''۔ اس کے بعد آپ ؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ

﴿الشّٰکِرِیۡنَ﴿۱۴۴﴾﴾ حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ آیت سن کر لوگوں کو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہو۔[1]

آیت ۱۴۵ ﴿وَمَا کَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ﴾ ''اور کسی جان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مر سکے مگر اللہ کے حکم سے''

﴿کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ﴾ ''(ہر ایک کی موت کا) وقت مقرر لکھا ہوا ہے۔''

''اجل معین کے ساتھ ہر ایک کا وقت طے ہے۔لہٰذا انسان کی بہترین محافظ خود موت ہے۔آپ کی موت کا جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے کوئی آپ کے لیے موت نہیں لا سکتا۔

﴿وَمَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ۚ﴾ ''جو کوئی دنیا کا اجر وثواب چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دے دیتے ہیں''۔

﴿وَمَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَۃِ نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ؕ﴾ ''اور جو واقعتاً آخرت کا اجر چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیں گے۔''

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۰۰۔۲۰۲ میں حج کے سلسلے میں آ چکا ہے۔

﴿وَسَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ﴿۱۴۵﴾﴾ ''اور شکر کرنے والوں کو ہم بھر پور جزا دیں گے۔''

آیت ۱۴۶ ﴿وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَہٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ ۚ﴾ ''کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔''

اے مسلمانو! تمہارے ساتھ جو یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ پہلا تو نہیں ہے۔اللہ کے بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں جن کی معیت میں بہت سارے اللہ والوں نے' اللہ کے ماننے اور چاہنے والوں نے' اللہ کے دیوانوں اور متوالوں نے' اللہ کے غلاموں اور عاشقوں نے اللہ کے دشمنوں سے جنگیں کی ہیں۔''رِبِّیۡ'' اور ''ربّائی'' کا لفظ آج بھی یہودیوں کے ہاں استعمال ہوتا ہے۔

﴿فَمَا وَہَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾ ''تو اللہ کی راہ میں جو بھی تکلیفیں ان پر آئیں اس پر انہوں نے ہمت نہیں ہاری''

﴿وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَکَانُوۡا ؕ﴾ ''اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ ہی (باطل کے آگے) سرنگوں ہوئے۔''

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ﴿۱۴۶﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی صابروں سے محبت ہے۔''

تو اے مسلمانو! ان کا کردار اپناؤ اور دل گرفتہ نہ ہو۔

آیت ۱۴۷ ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا﴾ ''اور اُن کا تو ہر مرحلے پر یہی قول ہوتا تھا کہ وہ دعا کرتے تھے کہ اے ربّ ہمارے! بخش دے ہمیں ہمارے گناہ اور اگر ہم سے اپنے کسی معاملے میں حد سے تجاوز ہو گیا ہو تو اسے معاف فرما دے''

﴿وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾﴾ ''اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں۔''

حضرت طالوت کے ساتھیوں کی بھی یہی دعا تھی اور سورۃ البقرۃ کے اختتام پر آنے والی دعا کے الفاظ بھی یہی تھے: ﴿فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾۔

آیت ۱۴۸ ﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ﴾ ''تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب بھی عطا فرمایا اور آخرت کے ثواب کا بھی بہت ہی عمدہ حصہ عطا کیا۔''

انہیں دنیا کی سربلندی بھی دی' فتوحات سے بھی نوازا اور آخرت کا بہترین اجر بھی عطا فرمایا۔

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ایسے ہی محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

آیات ۱۴۹ تا ۱۵۵

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ
اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا
لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ
تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ
مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ
اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ

الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا
قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِیَ
اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ
عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

آیت ۱۴۹ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ﴾ ’’اے اہل ایمان! اگر تم ان لوگوں کا کہنا مانو گے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل واپس لے جائیں گے‘‘

﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ’’پھر تم بالکل نامراد ہو کے رہ جاؤ گے۔‘‘

آیت ۱۵۰ ﴿بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ﴾ ’’حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تو اللہ ہے۔‘‘
تمہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ تمہارا مولیٰ‘ مددگار‘ پشت پناہ‘ ساتھی اور حمایتی اللہ ہے۔

﴿وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾﴾ ’’اور وہی ہے جو سب سے اچھا مددگار ہے۔‘‘

آیت ۱۵۱ ﴿سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ ’’ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے‘‘

﴿بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ﴾ ’’اس سبب سے کہ انہوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جن کے حق میں اُس نے کوئی سند نہیں اُتاری۔‘‘

﴿وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ ’’اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے‘ اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ان ظالموں کے لیے۔‘‘

اس آیت میں دراصل توجیہہ بیان ہو رہی ہے کہ غزوۂ اُحد میں مشرکین واپس کیوں چلے گئے‘ جب کہ ان کو اس درجے کھلی فتح حاصل ہو چکی تھی اور مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہاڑ کے اوپر چڑھ کر پناہ لے لی تھی۔ خالد بن ولید کہہ رہے تھے کہ ہمیں ان کا تعاقب کرنا چاہیے اور اس معاملے کو ختم کر دینا چاہیے۔ لیکن ابوسفیان کے دل میں اللہ نے اُس وقت ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ لشکر کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ ورنہ واقعتاً اُس وقت صورتِ حال بہت مخدوش ہو چکی تھی۔

آیت ۱۵۲ ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ﴾ ’’اور اللہ نے تو تم سے (تائید و نصرت کا) جو

وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا جبکہ تم ان کو تہ تیغ کر رہے تھے اللہ کے حکم سے۔''

غزوۂ اُحد میں جو عارضی شکست ہوگئی تھی اور مسلمانوں کو زک پہنچی تھی' جس سے ان کے دل زخمی تھے اس کے ضمن میں اب یہ آیت ایک قولِ فیصل کے انداز میں آئی ہے کہ دیکھو مسلمانو! تم ہم سے کوئی شکایت نہیں کر سکتے' اللہ نے تم سے تائید و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا تھا جبکہ تم انہیں اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے' گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ تمہیں فتح حاصل ہوگئی تھی اور ہمارا وعدہ پورا ہو چکا تھا۔

﴿حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے پڑ گئے اور امر میں تم نے جھگڑا کیا''

فَشِلْتُمْ کا ترجمہ بعض مترجمین نے کچھ اور بھی کیا ہے' لیکن میرے نزدیک یہاں نظم (ڈسپلن) کو ڈھیلا کرنا مراد ہے۔ اسلامی نظمِ جماعت میں سمع و طاعت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' اور ظاہر ہے کہ سمع و طاعت میں ایک ہی شخص کی اطاعت مقصود نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی فرض تھی اور آپ ﷺ اگر کسی کو امیر مقرر کرتے تو اس کی اطاعت بھی فرض تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ' وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ ' وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ ' وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ)) (۱)

''جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی' اور جس نے میرے نامزد کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔''

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تو انہوں نے تاویل کر لی تھی کہ حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم سب بھی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں اور تم دیکھو کہ چیلیں اور کوے ہمارا گوشت کھا رہے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا' تو یہ شکست کی صورت میں تھا' لیکن اب تو فتح ہوگئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جان بوجھ کر اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے مقامی امیر (لوکل کمانڈر) کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔ میرے نزدیک یہاں ''عَصَیْتُمْ'' سے یہی حکم عدولی مراد ہے۔ اسلامی نظمِ جماعت میں اوپر سے لے کر نیچے تک' سپہ سالار سے لے کر لوکل کمانڈر تک' درجہ بدرجہ نظامِ سمع و طاعت کی پابندی ضروری ہے۔ فوج کا ایک سپہ سالار ہے' لیکن پھر پوری فوج کے کئی حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک کا ایک امیر ہوتا ہے۔ میسرہ' میمنہ' قلب اور ہراول دستہ وغیرہ' ہر ایک کا ایک کمانڈر ہوتا ہے۔ اب اگر ان کمانڈروں کے احکام سے سرتابی ہوگی تو ایسی فوج کا جو انجام ہوگا وہ معلوم ہے۔ چنانچہ ایک جماعت کے اندر درجہ بدرجہ جو بھی نظامِ سمع و طاعت ہے اُس کی پوری پوری پابندی ضروری ہے۔

﴿وَعَصَیْتُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ مَآ اَرٰٮكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ ''اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم نے وہ چیز دیکھ لی جو تمہیں محبوب ہے۔''

﴿عَصَیۡتُمۡ﴾ کے بارے میں وضاحت ہو چکی ہے کہ اس سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں‘ بلکہ لوکل کمانڈر کی نافرمانی ہے۔ ﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ سے اکثر مفسرین نے مالِ غنیمت مراد لیا ہے‘ کہ درّے پر مامور حضرات مالِ غنیمت کی طلب میں درّہ چھوڑ کر چلے گئے‘ لیکن میرے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون تو غزوۂ بدر کے بعد سورۃ الانفال میں نازل ہو چکا تھا۔ اس کی رو سے چاہے کوئی شخص کچھ جمع کرے یا نہ کرے اسے مالِ غنیمت میں سے برابر کا حصہ ملے گا۔ یہاں ﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىکُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ سے مراد دراصل ''فتح'' ہے اور اس کے لیے ''القرآن یفسّر بعضہ بعضًا'' کی رُو سے سورۃ الصّف کی یہ آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے: ﴿وَ اُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَہَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ﴾ (آیت ۱۳) گویا بندۂ مؤمن کو دنیا میں فتح و نصرت محبوب تو ہوتی ہے‘ لیکن اسے اس کو اپنا مقصود نہیں بنانا۔ اس کا مقصود اللہ کی رضا جوئی اور اپنے فرض کی ادائیگی ہے۔ باقی کامیابی یا ناکامی اللہ کی مرضی اور اس کی حکمت کے تحت ہوتی ہے۔ اللہ کب فتح لانا چاہتا ہے وہ بہتر جانتا ہے۔

﴿مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا﴾ ''تم میں سے وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں''

یعنی وہ خواہش رکھتے ہیں کہ دنیا میں فتح و نصرت اور کامیابی حاصل ہو جائے‘ ہمارا بول بالا ہو جائے‘ ہماری حکومت قائم ہو جائے۔

﴿وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ۚ﴾ ''اور تم میں وہ بھی ہیں جو صرف آخرت کے طالب ہیں''۔

﴿ثُمَّ صَرَفَکُمۡ عَنۡہُمۡ لِیَبۡتَلِیَکُمۡ ۚ﴾ ''پھر اللہ نے تمہارا رُخ پھیر دیا اُن کی طرف سے تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔''

پہلے وہ بھاگ رہے تھے اور تم ان کا تعاقب کر رہے تھے‘ اب معاملہ الٹا ہو گیا کہ تم پسپا ہو گئے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر جائے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ تمہاری یہ پسپائی تمہارے لیے آزمائش تھی۔

﴿وَ لَقَدۡ عَفَا عَنۡکُمۡ ؕ﴾ ''اور اللہ تمہیں معاف کر چکا ہے۔''

تم میں سے جس کسی سے جو بھی خطا ہوئی اللہ نے اسے معاف فرما دیا ہے۔

﴿وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے حق میں بہت فضل والا ہے۔''

آیت ۱۵۳ ﴿اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَ لَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ﴾ ''یاد کرو جب کہ تم (پہاڑ پر) چڑھے چلے جا رہے تھے (جان بچانے کے لیے) اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے''

﴿وَّ الرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ فِیۡۤ اُخۡرٰىکُمۡ﴾ ''اور رسول (ﷺ) تمہیں پکار رہے تھے تمہارے پیچھے سے''

غزوۂ اُحد میں خالد بن ولید کے اچانک حملے سے ایک بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ بعض صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حفاظتی

حصار میں لے لیا تھا اور انہوں نے اپنے جسموں کو ڈھال بن کر آنحضورﷺ کی حفاظت کی ۔ بہت سے لوگ سراسیمہ ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ بعض کوہِ اُحد پر چڑھے جا رہے تھے ۔ اللہ کے رسولﷺ انہیں پکار پکار کر واپس بلا رہے تھے ۔

﴿فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ تم پر غم کے بعد غم مسلسل ڈالتا رہا''

﴿لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ﴾ ''تا کہ (آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق ملے کہ) تم غمگین نہ ہوا کرو اُس پر کہ جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور نہ اُس تکلیف پر کہ جو تم پر آ پڑے ۔''

یعنی ع ''رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج!'' آدمی کو اگر کبھی اتفاقاً ہی رنج و غم کا سامنا کرنا پڑے تو اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے' لیکن جب پے در پے رنج و غم اٹھانے پڑیں تو ان کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے ۔ دامنِ اُحد میں مسلمانوں کو پے در پے تکالیف برداشت کرنا پڑیں ۔ سب سے بڑا رنج جو پیش آیا وہ حضورﷺ کے انتقال کی خبر تھی' جس پر کسی کو اپنے تن بدن کا تو ہوش ہی نہیں رہا کہ خود اس کو کیا زخم لگا ہے ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس وقت کی کیفیت میں ایک تخفیف پیدا کر دی ۔

﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٥٣﴾ ''اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کر رہے تھے ۔''

آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً﴾ ''پھر اس غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم پر اطمینان نازل فرمایا''

﴿نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ﴾ ''یعنی نیند جو تم میں سے ایک گروہ پر طاری ہو گئی''

انسان کو نیند جو آتی ہے یہ اطمینانِ قلب کا مظہر ہوتی ہے کہ جیسے اب اُس نے سب کچھ بھلا دیا ۔ عین حالت جنگ میں ایسی کیفیت اللہ کی رحمت کا مظہر تھی ۔

﴿وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ﴾ ''اور ایک گروہ ایسا تھا کہ جنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی''

﴿يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ﴾ ''وہ اللہ کے بارے میں ناحق جہالت والے گمان کر رہے تھے ۔''

عبداللہ بن اُبی اور اس کے تین سو ساتھی تو میدانِ جنگ کے راستے ہی سے واپس ہو گئے تھے ۔ اس کے بعد بھی اگر مسلمانوں کی جماعت میں کچھ منافقین باقی رہ گئے تھے تو ان کا حال یہ تھا کہ اُس وقت انہیں اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے ۔ ایسی کیفیت میں انہیں اونگھ کیسے آتی ؟ ان کا حال تو یہ تھا کہ ان کے دلوں میں وسوسے آ رہے تھے کہ اللہ نے تو مدد کا وعدہ کیا تھا' لیکن وہ وعدہ پورا نہیں ہوا' اللہ کی بات سچی ثابت نہیں ہوئی ۔ اس طرح ان کے دل و دماغ میں خلافِ حقیقت زمانۂ جاہلیت کے گمان پیدا ہو رہے تھے ۔

﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ﴾ ''وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے لیے بھی اختیار میں کوئی حصہ ہے یا

نہیں؟"

یہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے جنگ سے قبل مشورہ دیا تھا (جیسے حضورﷺ کی اپنی رائے بھی تھی) کہ مدینے کے اندر محصور رہ کر جنگ کی جائے۔ جب ان کے مشورے پر عمل نہیں ہوا تو وہ کہنے لگے کہ ان معاملات میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے یا ساری بات محمد (ﷺ) ہی کی چلے گی؟ یہ بھی جماعتی زندگی کی ایک خرابی ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ میری بات بھی مانی جائے' میری رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔ آخر ہم سب اپنے امیر ہی کی رائے کیوں مانتے چلے جائیں؟ ہمارا بھی کچھ اختیار ہے یا نہیں؟

﴿قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ﴾ "کہہ دیجیے کہ سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔"

﴿یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ ؕ﴾ "(اے نبیؐ) یہ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کر رہے۔"

ان کے دل میں کیا ہے' اب اللہ کھول کر بتا رہا ہے۔

﴿یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ﴾ "یہ (اپنے دل میں) کہتے ہیں کہ اگر اختیار میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔"

اگر ہماری رائے مانی جاتی' ہمارے مشورے پر عمل ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ یعنی ہمارے اتنے لوگ یہاں پر شہید نہ ہوتے۔

﴿قُلۡ لَّوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ﴾ "ان سے کہیے اگر تم سب کے سب اپنے گھروں میں ہوتے"

﴿لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمۡ ۚ﴾ "تب بھی جن لوگوں کا قتل ہونا مقدر تھا وہ اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے۔"

اللہ کی مشیت میں جن کے لیے طے تھا کہ انہیں شہادت کی خلعت فاخرہ پہنائی جائے گی وہ خود بخود اپنے گھروں سے نکل آتے اور کشاں کشاں ان جگہوں پر پہنچ جاتے جہاں انہوں نے خلعت شہادت زیب تن کرنی تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں' تمہاری تدبیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿وَلِیَبۡتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ﴾ "اور یہ (معاملہ جو پیش آیا) اس لیے تھا کہ اللہ اسے آزمالے جو کچھ تمہارے سینوں میں تھا"

﴿وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ﴾ "اور تاکہ وہ بالکل پاک اور خالص کر دے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔"

﴿وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾﴾ "اور اللہ تعالیٰ سینوں کے اندر مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔"

آیت ۱۵۵ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ﴾ "تم میں سے وہ لوگ جو میدانِ جنگ سے چلے گئے

اُس دن جب دو گروہ ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے“

یہ ایسے مخلص حضرات کا تذکرہ ہے جو اچانک حملے کے بعد جنگ کی شدت سے گھبرا کر اپنی جان بچانے کے لیے وقتی طور پر پیٹھ پھیر گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ کوہِ اُحد پر چڑھ گئے تھے اور کچھ اس سے ذرا آگے بڑھ کر میدان ہی سے باہر چلے گئے تھے۔ ان میں بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی آتا ہے۔ دراصل یہ بھگدڑ مچ جانے کے بعد ایسی اضطراری کیفیت تھی کہ اُس میں کسی سے بھی کسی ضعف اور کمزوری کا اظہار ہو جانا بالکل قرین قیاس بات ہے۔

﴿اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا ۚ﴾ ”اصل میں شیطان نے ان کے پاؤں پھسلا دیے تھے ان کے بعض افعال کی وجہ سے۔“

کسی وقت کوئی تقصیر ہو گئی ہو‘ کوئی کوتاہی ہو گئی ہو‘ یا کسی کمزوری کا اظہار ہو گیا ہو‘ یہ مخلص مسلمانوں سے بھی بعید نہیں۔ ایسا معاملہ ہر ایک سے پیش آ سکتا ہے۔ معصوم تو صرف نبی ہوتے ہیں۔ انسانی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ کسی وقت وہ اڑنگا لگا کر اُس شخص کو پھسلا دے‘ خواہ وہ کتنا ہی نیک اور کتنا ہی صاحبِ رُتبہ ہو۔

﴿ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ؕ﴾ ”اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے۔“

یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔ بعض گمراہ فرقے اس بات کو بہت اچھالتے ہیں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کرتے ہیں‘ ان پر تنقید کرتے ہیں کہ یہ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی معافی کا اعلان کر چکا ہے۔ اس کے بعد اب کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اُن پر زبانِ طعن دراز کرے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بردبار ہے۔“

آیات ۱۵۶ تا ۱۸۰

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَقَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ اِذَا ضَرَبُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَوۡ كَانُوۡا غُزًّی لَّوۡ كَانُوۡا عِنۡدَنَا مَا مَاتُوۡا وَمَا قُتِلُوۡا ۚ لِیَجۡعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسۡرَةً فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَی اللّٰهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۪ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ

الْمُتَوَكِّلِيْنَ (۱۵۹) اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ
بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۶۰) وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۱۶۱) اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ
بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۱۶۲) ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ (۱۶۳) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُھُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۶۴) اَوَلَمَّآ
اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۶۵) وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۶۶) وَلِيَعْلَمَ
الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا
لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ ھُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِھِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ (۱۶۷) اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ
فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۶۸) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ (۱۶۹) فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۷۰) يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۷۱) اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ
مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۱۷۲) اَلَّذِيْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (۱۷۳)
فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْھُمْ سُوْۗءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ
عَظِيْمٍ (۱۷۴) اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۷۵)
وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّھُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَھُمْ
حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۷۶) اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
شَـيْـــًٔا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۷۷) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا

نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾

آیت ۱۵۶ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ ’’اے اہل ایمان! تم اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا‘‘

﴿وَقَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ کَانُوْا غُزًّی لَّوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ﴾ ’’اور جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں جبکہ وہ زمین میں سفر پر نکلے ہوئے تھے یا کسی جہاد میں شریک تھے (اور وہاں ان کا انتقال ہو گیا) کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے‘ نہ قتل ہوتے۔‘‘

ہر شخص کی موت کا وقت تو معین ہے۔ وہ اگر تمہاری گود میں بیٹھے ہوں تب بھی موت آ جائے گی۔ چاہے وہ بہت ہی مضبوط پہرے والے قلعوں میں ہوں موت تو وہاں بھی پہنچ جائے گی۔ تو تم اس طرح کی باتیں نہ کرو۔ یہ تو کافروں کے انداز کی باتیں ہیں کہ اگر ہمارے پاس ہوتے اور جنگ میں نہ جاتے تو بچ جاتے۔ یہ ساری باتیں درحقیقت ایمان کے منافی ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ))(۱) ’’کاش کا لفظ شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے‘‘۔ یعنی یہ کہنا کہ کاش ایسے ہو جاتا تو یوں ہو جاتا‘ اس کلمہ ہی سے شیطان کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جو ہوا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا ہونا منظور تھا‘ اس کی حکمتیں اسے معلوم ہیں‘ ہم اس کی حکمت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

﴿لِیَجْعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ حَسْرَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ ؕ﴾ ’’(یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آتی ہے) تاکہ اللہ اس کو اُن کے دلوں میں حسرت کا باعث بنا دے‘‘۔

اس قسم کی باتوں سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسرت کی آگ جلا دیتا ہے۔ یہ بھی گویا ان کے کفر کی سزا ہے۔

﴿وَاللّٰہُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ﴾ ’’اور دیکھو اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾﴾ ’’اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔‘‘

آیت ۱۵۷ ﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ مُتُّمْ﴾ ’’اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا ویسے ہی تمہیں موت آ جائے‘‘

﴿لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾﴾ ”تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مغفرت اور رحمت تمہیں ملے گی وہ کہیں بہتر ہے اُن چیزوں سے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔“

اگر دنیا میں دس پندرہ سال اور جی لیتے تو کیا کچھ جمع کر لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شہادت کی موت دے دی‘ تمہارے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی!

آیت ۱۵۸ ﴿وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾﴾ ”اور چاہے تم مرو یا قتل ہو‘ بہرحال اللہ ہی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔“

چاہے تمہیں اپنے بستروں پر موت آئے اور چاہے تم قتل ہو‘ ہر حال میں تمہیں اللہ کی جناب میں حاضر کر دیا جائے گا۔ تمہاری آخری منزل تو وہی ہے‘ خواہ تم بستر پر پڑے پڑے ہوئے دم توڑ دو یا میدانِ جنگ کے اندر جامِ شہادت نوش کر لو۔

آیت ۱۵۹ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ﴾ ”(اے نبی ﷺ) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔“

اس سورۂ مبارکہ کی یہ آیت بھی بڑی اہم ہے۔ جماعتی زندگی میں جو بھی امیر ہو‘ صاحب امر ہو‘ جس کے پاس ذمہ داریاں ہوں‘ جس کے گرد اس کے ساتھی جمع ہوں‘ اسے یہ خیال رہنا چاہیے کہ آخر وہ بھی انسان ہیں‘ ان کے بھی کوئی جذبات اور احساسات ہیں‘ ان کی عزتِ نفس بھی ہے‘ لہٰذا ان کے ساتھ نرمی کی جانی چاہیے‘ سختی نہیں۔ وہ کوئی ملازم نہیں ہیں‘ بلکہ رضا کار (volunteers) ہیں۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ کوئی تنخواہ یافتہ سپاہی تو نہیں تھے۔ یہ لوگ ایمان کی بنیاد پر جمع ہوئے تھے۔ اب بھی کوئی دینی جماعت وجود میں آتی ہے تو جو لوگ اس میں کام کر رہے ہیں وہ دینی جذبے کے تحت جڑے ہوئے ہیں‘ لہٰذا ان کے امراء کو ان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ یہ اللہ کی رحمت کا مظہر ہے کہ آپؐ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠﴾ ”اور اگر آپؐ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپؐ کے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔“

کوئی کارواں سے ٹوٹا‘ کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ ”پس آپ ان سے درگزر کریں“

چونکہ بعض صحابہؓ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی تھی کہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو بہت بڑا چرکا لگ گیا تھا‘ لہٰذا آنحضور ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ اپنے ان ساتھیوں کے لیے اپنے دل میں میل مت آنے دیجیے۔ ان کی غلطی اور کوتاہی کو اللہ نے معاف کر

دیا ہے تو آپؐ بھی انہیں معاف کر دیں۔ عام حالات میں بھی آپ انہیں معاف کرتے رہا کریں۔

﴿وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ﴾ ''اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں''

ان سے جو بھی خطا ہو جائے اس پر ان کے لیے استغفار کیا کریں۔

﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ‌ۚ﴾ ''اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔''

ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کریں کہ آئندہ ان کی کوئی بات نہیں سننی' بلکہ ان کو بھی مشورے میں شامل رکھیے۔ اس سے بھی باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا امیر ہم سے مشورہ کرتا ہے' ہماری بات کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ یہ بھی درحقیقت اجتماعی زندگی کے لیے بہت ہی ضروری بات ہے۔

﴿فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ؕ﴾ ''پھر جب آپ فیصلہ کرلیں تو اب اللہ پر توکل کریں۔''

مشورے کے بعد جب آپؐ کا دل کسی رائے پر مطمئن ہو جائے اور آپ ایک فیصلہ کرلیں تو اب کسی شخص کی بات کی پرواہ نہ کریں' اب سارا توکل اللہ کی ذات پر ہو۔ غزوۂ اُحد سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے مشورہ کیا تھا' اُس وقت کچھ لوگوں کی رائے وہی تھی جو آنحضور ﷺ کی رائے تھی' یعنی مدینہ میں محصور ہو کر جنگ کی جائے۔ لیکن کچھ حضرات نے کہا ہم تو کھلے میدان میں جنگ کرنا چاہتے ہیں' ہمیں تو شہادت کی موت چاہیے تو حضور ﷺ نے ان کی رعایت کی اور باہر نکلنے کا فیصلہ فرما دیا۔ اس کے فوراً بعد جب آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے سے برآمد ہوئے تو خلافِ معمول آپؐ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اس سے لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ کچھ سخت معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے کہا کہ حضور ﷺ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں' جو آپؐ کی رائے ہے آپ اس کے مطابق فیصلہ کیجیے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں' یہ فیصلہ برقرار رہے گا۔ نبی کو یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار باندھنے کے بعد جنگ کیے بغیر انہیں اتار دے۔ یہ آیت گویا نبی اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کی توثیق میں نازل ہوئی ہے کہ جب آپ ایک فیصلہ کرلیں تو اللہ پر توکل کیجیے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ ۝١٥٩﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۱۶۰ ﴿اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَـكُمۡ‌ۚ﴾ ''(اے مسلمانو! دیکھو) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔''

﴿وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ؕ﴾ ''اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد؟''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝١٦٠﴾ ''اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔''

آیت ۱۶۱ ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِىٍّ اَنۡ يَّغُلَّ‌ؕ﴾ ''اور کسی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے۔''

غَلَّ یَغُلُّ غُلُوْلًا کے معنی ہیں خیانت کرنا اور مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کا چوری کر لینا' جبکہ غَلَّ یَغِلُّ غِلًّا کے معنی دل میں کینہ ہونا کے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ پر منافقوں نے الزام لگایا تھا کہ آپؐ نے مالِ غنیمت میں کوئی خیانت کی ہے (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!) یہ اس الزام کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کسی نبیؑ کی شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے۔ البتہ مولانا اصلاحی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس لفظ کو صرف مالی خیانت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ دراصل منافقین کے اس الزام کی تردید ہے جو انہوں نے اُحد کی شکست کے بعد رسول اللہ ﷺ پر لگایا تھا کہ ہم نے تو اس شخص پر اعتماد کیا' اس کے ہاتھ پر بیعت کی' اپنے نیک و بد کا اس کو مالک بنایا' لیکن یہ اس اعتماد سے بالکل غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہمارے جان و مال کو اپنے ذاتی حوصلوں اور اُمنگوں کے لیے تباہ کر رہے ہیں۔ یہ عرب پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ہماری جانوں کو تختۂ مشق بنایا ہے۔ یہ صریحاً قوم کی بدخواہی اور اس کے ساتھ غداری و بے وفائی ہے۔ قرآن نے ان کے اس الزام کی تردید فرمائی ہے کہ تمہارا یہ الزام بالکل جھوٹ ہے' کوئی نبی اپنی اُمت کے ساتھ کبھی بے وفائی اور بدعہدی نہیں کرتا۔ نبی جو قدم بھی اٹھاتا ہے رضائے الٰہی کی طلب میں اور اس کے احکام کے تحت اٹھاتا ہے۔

﴿وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ج﴾ ''اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز سمیت حاضر ہوگا قیامت کے دن۔''

اللہ تعالیٰ کے قانونِ جزا و سزا سے ایک نبی سے بڑھ کر کون باخبر ہوگا؟

﴿ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾﴾ ''پھر ہر جان کو پورا پورا دے دیا جائے گا جو کچھ اُس نے کمایا ہوگا اور اُن پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔''

نوٹ کیجیے لفظ ''تُوَفّٰی'' یہاں بھی پورا پورا دیے جانے کے معنی میں آیا ہے۔

آیت ۱۶۲ ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰہِ کَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ ''تو کیا بھلا وہ شخص جس نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اُس کی مانند ہو جائے گا جو اللہ کے غضب اور غصے کو کما کر لوٹا؟''

﴿وَمَاْوٰىہُ جَھَنَّمُ ط﴾ ''اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۲﴾﴾ ''اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔''

آیت ۱۶۳ ﴿ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰہِ ط﴾ ''ان کی بھی درجہ بندیاں ہیں اللہ کے ہاں۔''

جیسے نیکوکاروں کے درجے ہیں اسی طرح وہاں بدکاروں کے بھی درجے ہیں۔ سب بدکار برابر نہیں اور سب نیکوکار برابر نہیں۔

﴿وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ ''اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

اب آگے جو آیت آ رہی ہے' یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں دو مرتبہ آ چکا ہے۔ پہلی مرتبہ سورۃ البقرۃ کے پندرہویں رکوع میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا تھا: ﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَکِّیۡهِمۡ ؕ﴾ (آیت ۱۲۹) پھر اٹھارہویں رکوع کے آخر میں یہ الفاظ آئے تھے: ﴿کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَیُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ اب یہ مضمون تیسری مرتبہ یہاں آ رہا ہے:

آیت ۱۶۴ ﴿لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ ''درحقیقت اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے اہل ایمان پر''

﴿اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ﴾ ''جب اُن میں اٹھایا ایک رسولؐ ان ہی میں سے''

یعنی ان کی اپنی قوم میں سے۔

﴿یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ﴾ ''جو تلاوت کر کے انہیں سناتا ہے اس کی آیات''

﴿وَیُزَکِّیۡهِمۡ﴾ ''اور انہیں پاک کرتا ہے''

﴿وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ ۚ﴾ ''اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب و حکمت کی۔''

یہ انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کے چار عناصر ہیں' جنہیں قرآن اسی ترتیب سے بیان کرتا ہے: تلاوتِ آیات' تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں جو ترتیب تھی' اللہ نے اس کو تبدیل کیا ہے۔ اس پر سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۱ کے ذیل میں گفتگو ہو چکی ہے۔

﴿وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۶۴﴾﴾ ''اور یقیناً اس سے پہلے (یعنی رسول ﷺ کی آمد سے قبل) تو وہ لازماً کھلی گمراہی کے اندر مبتلا تھے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَیۡهَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰی هٰذَا ؕ﴾ ''اور کیا جب تم پر ایک مصیبت آئی' جبکہ تم اس سے دگنی مصیبت اُن کو پہنچا چکے ہو تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟''

یعنی یہ کیوں ہو گیا؟ اللہ نے پہلے مدد کی تھی' اب کیوں نہیں کی؟

﴿قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ﴾ ''(اے نبیؐ) کہہ دیجیے یہ تمہارے اپنے نفسوں (کی شرارت کی وجہ) سے ہوا ہے۔''

غلطی تم نے کی تھی' امیر کے حکم کی خلاف ورزی تم نے کی تھی' جس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۶۵﴾﴾ ''یقیناً اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

گویا اسی مضمون کو یہاں دہرا کر لایا گیا ہے جو پیچھے آیت ۱۵۲ میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تو وعدہ اپنا پورا کر چکا تھا اور تم

دشمن پر غالب آ چکے تھے‘ مگر تمہاری اپنی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اللہ چاہتا تو تمہیں کوئی سزا نہ دیتا‘ بغیر سزا دیے معاف کر دیتا‘ لیکن اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ تمہیں سزا دی جائے۔ اس لیے کہ ابھی تو بڑے بڑے مراحل آنے ہیں۔ اگر اسی طرح تم نظم کو توڑتے رہے اور احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے تو پھر تمہاری حیثیت ایک جماعت کی تو نہیں ہوگی‘ پھر تو ایک انبوہ ہوگا‘ ''ہجوم مؤمنین'' ہوگا‘ جبکہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ایک منظّم جماعت‘ لشکر‘ فوج‘ حزب اللہ درکار ہے۔

آیت ۱۶۶ ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور جو بھی مصیبت تم پر آئی ہے اُس دن جب دونوں لشکر آپس میں بھڑ گئے تھے وہ اللہ کے اِذن سے آئی ہے''

اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ تکلیف نہیں آ سکتی تھی۔

﴿وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾﴾ ''اور یہ اس لیے تھی کہ اللہ ظاہر کر دے ایمان والوں کو۔''

یہ ظاہر ہو جائے کہ کون ہیں اصل مؤمن‘ حقیقی مؤمن جو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

آیت ۱۶۷ ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ﴾ ''اور تاکہ ان لوگوں کو بھی ظاہر کر دے جنہوں نے منافقت اختیار کی۔''

''لِیَعْلَمَ'' کا معنی ہے ''تاکہ جان لے''— لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے لہٰذا ایسے مقامات پر ترجمہ کیا جاتا ہے: ''تاکہ اللہ ظاہر کر دے''۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً ظاہر کر دیا کہ کون مؤمن ہے اور کون منافق! عبد اللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر چلا گیا تو سب پر ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ اب آئندہ اہل ایمان ان کی بات پر اعتبار تو نہیں کریں گے‘ ان کی چکنی چپڑی باتیں کان لگا کر تو نہیں سنیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ بالکل واضح ہو جائے کہ Who is who & what is what?۔

﴿وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ﴾ ''اور ان (منافقوں) سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم از کم اپنے شہر کا) دفاع کرو۔''

عبد اللہ بن اُبی جب اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس جا رہا تھا تو اس وقت ان سے کچھ لوگوں نے کہا ہوگا کہ بیوقوفو! کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت تو لشکر سامنے ہے۔ اگر ایک ہزار میں سے تین سو آدمی نکل جائیں گے تو باقی لوگوں کے دلوں میں بھی کچھ نہ کچھ کمزوری پیدا ہوگی۔ اگر تم میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو کم از کم مدینہ کے دفاع کے لیے تو کمربستہ ہو جاؤ۔ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو کیا ہوگا؟ اگر یہاں پر یہ لشکر شکست کھا گیا تو کیا دشمن تمہاری بہو بیٹیوں کو اپنی باندیاں بنا کر نہیں لے جائیں گے؟

﴿قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اگر ہم سمجھتے کہ جنگ ہونی ہے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔''

یعنی یہ تو درحقیقت نورا کشتی ہو رہی ہے' یہ حقیقت میں جنگ ہے ہی نہیں۔ یہ جو مکہ سے محمد (ﷺ) کے ساتھی مہاجرین آئے ہیں اور اب یہ جو مکہ ہی سے لشکر ہم پر چڑھائی کر کے آیا ہے یہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں اور ہمارا ان سے کوئی سروکار نہیں۔

﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ﴾ ''یہ لوگ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے قریب تر تھے۔''

﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ﴾ ''یہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾﴾ ''اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں۔''

آیت ۱۶۸ ﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۗ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور اپنے (شہید ہو جانے والے) بھائیوں کی نسبت کہا کہ اگر وہ بھی ہمارے ساتھ آ گئے ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔''

﴿قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ) ان سے کہیے اچھا اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا کر دکھا دو۔''

کیا تم اپنے آپ سے موت کو ٹال لو گے؟ خود موت سے بچے رہو گے؟ کیا موت تمہیں اپنے گھروں میں نہیں آئے گی؟

آیت ۱۶۹ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ﴾ ''اور ہرگز نہ سمجھنا اُن لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔''

یہی مضمون قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں آ چکا ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾

﴿بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾﴾ ''بلکہ وہ تو زندہ ہیں' اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں۔''

آیت ۱۷۰ ﴿فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ﴾ ''شاداں و فرحاں ہیں اُس پر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے''

﴿وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ﴾ ''اور بشارت حاصل کر رہے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور ابھی اُن سے نہیں ملے''

﴿اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾﴾ ''کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔''

آیت ۱۷۱ ﴿یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ﴾ ”وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی وجہ سے اور اس کے فضل کی بنا پر“

﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۱﴾﴾ ”اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

اب آگے جو آیات آ رہی ہیں ان کے بارے میں تاریخ وسیرت کی کتابوں میں دو قسم کی روایات آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی فوج کے واپس چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بعض ضروری امور نمٹائے اور شہداء کی تدفین کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو اچانک خیال آیا کہ یہ کفار چلے تو گئے ہیں، لیکن ہوسکتا ہے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو کہ اس وقت تو مسلمان اس حالت میں تھے کہ ہم انہیں ختم کر سکتے تھے، لہٰذا وہ کہیں دوبارہ پلٹ کر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو قریش کے تعاقب کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دیا، تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم نے ہمت نہیں ہار دی۔ اس کے باوجود کہ اہل ایمان کے جسم زخموں سے چور چور تھے، اتنا بڑا صدمہ پہنچا تھا، وہ پھر تیار ہو گئے اور حضور ﷺ جان نثاروں کی ایک جماعت کے ساتھ کفار کے تعاقب میں حمراء الاسد تک گئے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر ابوسفیان کو واقعتاً اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ مقام روحاء پر رک کر اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کر کے واپس پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ ادھر سے آنے والے ایک تاجر سے اس نے کہا بھی تھا کہ جا کر مسلمانوں کو بتا دو کہ میں بہت بڑا لشکر لے کر دوبارہ آ رہا ہوں۔ لیکن جب ابوسفیان نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عزم وحوصلہ میں کوئی کمی نہیں آئی ہے اور وہ ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں تو ارادہ بدل لیا اور لشکر کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بیان ہوتا ہے کہ ابوسفیان جاتے ہوئے یہ کہہ گیا تھا کہ اب اگلے سال بدر میں دوبارہ ملاقات ہوگی۔ یعنی ایک سال پہلے بدر میں جنگ ہوئی تھی، اب اُحد میں ہمارا مقابلہ ہو گیا۔ اب اگلے سال پھر ہمارے اور تمہارے درمیان تیسرا مقابلہ بدر میں ہوگا۔ چنانچہ اگلے سال رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر بدر تک گئے۔ یہ مہم ”بدرِ صغریٰ“ کہلاتی ہے۔ ادھر سے ابوسفیان پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آ گیا اور اس مرتبہ بھی کچھ لوگوں کے ذریعہ سے اہل ایمان میں خوف وہراس پھیلانے کی کوشش کی کہ لوگو کیا کر رہے ہو، قریش تو بہت بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں، تم اس کا مقابلہ نہ کر پاؤ گے! تو اس کے جواب میں مسلمانوں نے صبر وتوکل کا مظاہرہ کیا اور وہ کلمات کہے جو آگے آ رہے ہیں۔ تو یہ آیات دونوں واقعات پر منطبق ہوسکتی ہیں۔

آیت ۱۷۲ ﴿اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛؕ﴾ ”جن لوگوں نے لبیک کہی اللہ اور رسول ﷺ کی پکار پر اس کے بعد کہ ان کو چرکا لگ چکا تھا۔“

یہ آیت سابقہ آیات کے تسلسل میں آئی ہے۔ یعنی اس اجرِ عظیم کے مستحق وہ لوگ ٹھہریں گے کہ اُحد کی شکست کا زخم کھانے کے بعد بھی ان کے عزم و ایمان کا یہ حال ہے کہ جونہی اللہ اور رسول کی جانب سے انہیں ایک تازہ مہم کے لیے پکارا گیا وہ فوراً تیار ہو گئے۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾﴾ ”ان میں سے جو بھی محسنین اور متقین ہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“

آیت ۱۷۳ ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہو گئی ہیں' پس ان سے ڈرو!“

﴿فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ ﴾ ”تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا“

﴿وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾﴾ ”اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔“

اُسی کا سہارا سب سے اچھا سہارا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بے خوف ہو کر مقابلے کے لیے نکلے۔

آیت ۱۷۴ ﴿فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ﴾ ”پس وہ لوٹ آئے اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ“

ابوسفیان کو جب پتا چلا کہ محمد ﷺ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں تو اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ سیدھا مکہ مکرمہ کی طرف رخ کر لیا جائے۔ ”بدرِ صغریٰ“ کی مہم میں بھی یہی ہوا کہ جب اس نے سنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو اپنے پورے ساتھیوں کے ساتھ مقابلے پر آ گئے ہیں تو وہ کنی کترا کر اور طرح دے کر نکل گیا اور مقابلے میں نہیں آیا۔

﴿لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ ﴾ ”ان کو کسی قسم کا بھی ضرر نہ پہنچا“

انہیں اس مہم میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں وہ پورے اُترے۔

﴿وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ ﴾ ”اور انہوں نے تو اللہ کی رضا کی پیروی کی۔“

انہیں اللہ کی رضا و خوشنودی پر چلنے کا شرف حاصل ہو گیا۔

﴿وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾﴾ ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔“

آیت ۱۷۵ ﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠﴾ ”(اے مسلمانو!) یہ شیطان ہے جو تمہیں ڈراتا ہے اپنے ساتھیوں سے“

وہ تو چاہتا ہے کہ اپنے ساتھی کفار یعنی حزب الشیطان کا خوف تم پر طاری کر دے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ یعنی شیطان کی اس تخویف کا اثر انہی پر ہوتا ہے جو اس کے ولی ہوتے ہیں' لیکن جو اولیاء

اللہ ہیں ان پر شیطان کی طرف سے اس قسم کی وسوسہ اندازی کا اثر نہیں ہوتا۔

﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ﴾ ''تو تم ان سے نہ ڈرو' مجھ سے ڈرو''

﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۵﴾ ''اگر تم مؤمن صادق ہو۔''

آیت ۱۷۶ ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ غم نہ بنیں جو کفر کے معاملے میں اس قدر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔''

مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکین مسلمانوں کے خلاف ساز باز میں مصروف رہتے۔ کبھی یہودیوں کا کوئی وفد سردارانِ مکہ کے پاس جا کر کہتا کہ تم مسلمانوں پر چڑھائی کرو' ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ کبھی قریش یہودیوں سے رابطہ کرتے۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں بڑی Diplomatic Activity ہو رہی تھی۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی وساطت سے اہل ایمان کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ ان کی سرگرمیوں سے رنجیدہ نہ ہوں' ان کی ساری ریشہ دوانیوں کی حیثیت سیلاب کے اوپر آ جانے والے جھاگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

﴿اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۭ﴾ ''وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے۔''

یہ گویا اللہ کے اس فیصلے کا ظہور ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۷۶﴾ ''اور ان کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ایمان ہاتھ سے دے کر کفر خرید لیا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۷﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۸ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ﴾ ''اور مت سمجھیں یہ کافر کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے''۔

کافروں کو مہلت اس لیے ملتی ہے کہ وہ اپنے کفر میں اور بڑھ جائیں تاکہ اپنے آپ کو برے سے برے عذاب کا مستحق بنا لیں۔ اللہ ان کو ڈھیل ضرور دیتا ہے' لیکن یہ نہ سمجھو کہ یہ ڈھیل ان کے حق میں اچھی ہے۔

﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ﴾ ''ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور اضافہ کر لیں۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۷۸﴾ ''اور ان کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔''

آیت ۱۷۹ ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ﴾ ''اللہ وہ نہیں کہ چھوڑے رکھے مسلمانوں کو اس حالت میں جس پر تم ہو''

﴿حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب سے ممیّز کر دے۔''

یہ آیت بھی فلسفۂ آزمائش کے ضمن میں بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو تکالیف میں کیوں ڈالتا ہے' حالانکہ وہ تو قادرِ مطلق ہے' آنِ واحد میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بات اللہ کی حکمت کے مطابق نہیں ہے کہ وہ تمہیں اسی حال میں چھوڑے رکھے جس پر تم ہو۔ ابھی تمہارے اندر کمزور اور پختہ ایمان والے گڈمڈ ہیں' بلکہ ابھی تو منافق اور مؤمن بھی گڈمڈ ہیں۔ تو جب تک ان عناصر کو الگ الگ نہ کر دیا جائے اور تمہاری اجتماعیت سے یہ تمام ناپاک عناصر نکال نہ دیے جائیں اُس وقت تک تم آئندہ پیش آنے والے مشکل اور کٹھن حالات کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ آگے تمہیں سلطنت روما سے ٹکرانا ہے' تمہیں سلطنت کسریٰ سے ٹکر لینی ہے۔ ابھی تو یہ اندرون ملک عرب تمہاری جنگیں ہو رہی ہیں۔ ان آزمائشوں کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری اجتماعیت کی تطہیر (purge) ہوتی رہے' یہاں تک کہ منافقین اور صادق الایمان لوگ بالکل نکھر کر علیحدہ ہو جائیں۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی خبریں بتائے''

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠﴾ ''لیکن (اس کام کے لیے) اللہ منتخب کر لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔''

وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کے حالات بھی بتاتا ہے۔ رسولوں کو غیب از خود معلوم نہیں ہوتا' اللہ کے بتانے سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان آزمائشوں میں کیا حکمتیں ہیں اور ان میں تمہارے لیے کیا خیر پنہاں ہے' ہر چیز ہر ایک کو نہیں بتائی جائے گی' البتہ یہ چیزیں ہم اپنے رسولوں کو بتا دیتے ہیں۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ﴾ ''پس ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسولوںؑ پر۔''

﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ١٧٩؁﴾ ''اور اگر تم (یہ دو شرطیں پوری کر دو گے) ایمان میں ثابت قدم رہو گے اور تقویٰ پر کاربند رہو گے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۸۰ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ﴾ ''اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کر رہے ہیں اُس مال میں جو اللہ نے انہیں دیا ہے اپنے فضل میں سے کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے۔''

ظاہر بات ہے کہ جب جنگ اُحد کے لیے تیاری ہو رہی ہوگی تو حضورﷺ نے مسلمانوں کو انفاقِ مال کی دعوت دی ہوگی

تاکہ اسبابِ جنگ فراہم کیے جائیں۔ لیکن جن لوگوں نے دولت مند ہونے کے باوجود بخل کیا ان کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے بخل کر کے جو اپنا مال بچا لیا وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے کوئی اچھا کام کیا ہے۔ یہ مال اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا تھا' اس میں بخل سے کام لے کر انہوں نے اچھا نہیں کیا۔

﴿بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ﴾ ''بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔''

﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اسی مال کے طوق بنا کر ان کی گردنوں میں پہنائے جائیں گے جس میں انہوں نے بخل کیا تھا' قیامت کے دن۔''

﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی وراثت بالآخر اللہ ہی کے لیے ہے۔''

دنیا کا مال واسباب آج تمہارے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس چلا جائے گا اور بالآخر سب کچھ اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ آسمانوں اور زمین کی میراث کا حقیقی وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔''

یہاں وہ چھ رکوع مکمل ہو گئے ہیں جو غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل تھے۔ اس سورۂ مبارکہ کے آخری دو رکوع کی نوعیت ''حاصل کلام'' کی ہے۔ یہ گویا concluding رکوع ہیں۔

آیات ۱۸۱ تا ۱۸۹

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا

يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا
تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

آیت ۱۸۱ ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ﴾ ’’اللہ نے سن لیا ہے قول ان لوگوں کا جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔‘‘

یہ بات کہنے والوں میں منافقین بھی شامل ہو سکتے ہیں اور یہودی بھی۔ جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو انفاقِ مال کی ترغیب دیتے تھے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دو تو یہودیوں اور ان کے زیر اثر منافقوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ ہاں اللہ فقیر ہو گیا ہے اور ہم سے قرض مانگ رہا ہے، جبکہ ہم غنی ہیں، ہمارے پاس دولت ہے۔

﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾ ’’ہم لکھ رکھیں گے جو کچھ انہوں نے کہا ہے‘‘

ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی جھلکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فوراً تو گرفت نہیں کرتا لیکن ایک وقت آئے گا جس دن انہیں اپنے اس قول کی پوری سزا مل جائے گی۔ اور صرف یہی نہیں:

﴿وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ﴾ ’’اور ان کے ناحق قتل انبیاء کو بھی (لکھ رکھیں گے)‘‘

اس سے پہلے یہ جو نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں ان کا یہ جرم بھی ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے۔

﴿وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾﴾ ’’اور ہم کہیں گے اب چکھو مزا اس جلا دینے والی آگ کے عذاب کا۔‘‘

آیت ۱۸۲ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ ’’یہ سب کچھ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے‘‘

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾﴾ ’’اور اللہ تو اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے۔‘‘

آیت ۱۸۳ ﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ﴾ ’’جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے ایک عہد لے لیا تھا‘‘

﴿اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ﴾ ’’کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ کھا جائے۔‘‘

یہاں روئے سخن پھر یہود کی طرف ہو گیا ہے۔ نوعِ انسانی جب عہدِ طفولیت میں تھی تو خرقِ عادت چیزیں بہت ہوا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شخص اللہ کی جناب میں کوئی جانور ذبح کر کے پیش کرتا تو آسمان سے ایک آگ اُترتی جو اسے بھسم کر دیتی تھی اور یہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہ قربانی قبول ہو گئی۔ جیسے ہابیل اور قابیل کے قصے میں آیا ہے کہ: ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ﴾ (المائدۃ:۲۷) ’’جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی‘‘۔ یہ پتا کیسے چلا؟ عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہم جو قربانیاں کرتے

ہیں ان کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ کس کی قربانی قبول ہوئی اور کس کی قبول نہیں ہوئی۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔لیکن پہلے ایسی حسّی علامات ہوتی تھیں کہ پتا چل جاتا تھا کہ یہ قربانی اللہ نے قبول کر لی ہے۔ بنی اسرائیل کے ابتدائی دور میں بھی یہ نشانی موجود تھی کہ آسمان سے اُترنے والی آگ کا قربانی کو بھسم کر دینا اس کی قبولیت کی علامت تھی۔ مدینہ کے یہود نے کٹ حجتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے تو اللہ نے یہ عہد لے لیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ یہ معجزہ نہ دکھائے۔تو اگر محمد (ﷺ) واقعی رسولؐ ہیں تو یہ معجزہ دکھائیں۔اس کا جواب دیا جا رہا ہے:

﴿قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آ چکے ہیں واضح معجزوں کے ساتھ''

﴿وَبِالَّذِىۡ قُلۡتُمۡ﴾ ''اور وہ چیز بھی لے کر آئے جس کے لیے تم کہہ رہے ہو''

انہوں نے سوختنی قربانی کا معجزہ بھی دکھایا جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو۔

﴿فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۸۳﴾﴾ ''پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟''

آیت ۱۸۴ ﴿فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ﴾ ''پھر (اے نبیؐ) اگر وہ آپؐ کو جھٹلا دیں''

تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ معاملہ صرف آپؐ ہی کے ساتھ نہیں ہوا۔

﴿فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ﴾ ''تو آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے''

یہ تو اس راستے کا ایک عام تجربہ ہے، جس سے آپؐ کو بھی گزرنا پڑے گا۔

﴿جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۱۸۴﴾﴾ ''جو آئے تھے واضح نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر۔''

آیت ۱۸۵ ﴿كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ﴾ ''ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے''۔

موت تو ایک دن آ کر رہنی ہے۔

﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تو قیامت ہی کے دن دیا جائے گا۔''

﴿فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ﴾ ''تو جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا۔''

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجۡعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمانا!

﴿وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾﴾ ''اور یہ دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا

سامان ہے۔‘‘

آیت ۱۸۶ ﴿لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ﻗﻒ﴾ ’’(مسلمانو! یاد رکھو) تمہیں لازماً آزمایا جائے گا تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔‘‘

یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ کے انیسویں رکوع میں گزر چکا ہے: ﴿وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط﴾ (آیت ۱۵۵) ’’اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں' جانوں اور ثمرات کے نقصان سے‘‘۔ یہاں مجہول کا صیغہ ہے کہ تمہیں لازماً آزمایا جائے گا' تمہاری آزمائش کی جائے گی تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی۔ کان کھول کر سن لو کہ یہ ایمان کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں ہے' یہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے اور بغیر تکلیفیں اٹھائے تمہیں جنت مل جائے گی۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۴) میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ’’کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات و واقعات وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے......‘‘

﴿وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ط﴾ ’’اور تمہیں لازماً سننی پڑیں گی ان لوگوں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا بڑی تکلیف دہ باتیں۔‘‘

یہ سب کچھ سنو اور صبر کرو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ سے ابتدا میں کہا گیا تھا: ﴿وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا ﴿۱۰﴾﴾ (المزمل) ’’اور ان باتوں پر صبر کیجیے جو یہ لوگ کہتے ہیں اور وضعداری کے ساتھ ان سے الگ ہو جائیے‘‘۔ آپ ﷺ کو کیا کچھ نہیں سننا پڑا۔ کسی نے کہہ دیا مجنون ہے' کسی نے کہہ دیا شاعر ہے' کسی نے کہا ساحر ہے' کسی نے کہا مسحور ہے۔ سورۃ الحجر کے آخر میں ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾﴾ ’’(اے نبی ﷺ) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ (مشرکین) جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے آپؐ کا سینہ بھنچتا ہے‘‘۔ ان کی زبانوں سے جو کچھ آپؐ کو سننا پڑ رہا ہے اس سے آپؐ کو تکلیف پہنچتی ہے' لیکن صبر کیجیے! وہی بات مسلمانوں سے کہی جا رہی ہے۔

﴿وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾﴾ ’’اور اگر تم صبر کرتے رہو گے (ثابت قدم رہو گے) اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھو گے تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔‘‘

آیت ۱۸۷ ﴿وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ﴾ ’’اور یاد کرو جبکہ اللہ نے ان لوگوں سے ایک قول و قرار لیا تھا جن کو کتاب دی گئی تھی‘‘

﴿لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکۡتُمُوۡنَهٗ ز﴾ ’’کہ تم لازماً اُسے لوگوں کے سامنے واضح کرو گے اور اسے چھپاؤ گے

نہیں‘‘

﴿فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ ’’تو انہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا‘‘

﴿وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ﴾ ’’اور اس کی بڑی حقیر سی قیمت وصول کر لی۔‘‘

﴿فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝١٨٧﴾ ’’تو بہت ہی بری شے ہے جو وہ (اس کے بدلے میں) حاصل کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۱۸۸ ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾ ’’آپ ان کے بارے میں خیال نہ کریں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں‘‘

اگر کچھ نیکی کر لیتے ہیں‘ کسی کو کچھ دے دیتے ہیں تو اس پر بہت اتراتے ہیں‘ اکڑتے ہیں کہ ہم نے یہ کچھ کر لیا ہے۔

﴿وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ﴾ ’’اور (اس سے بھی بڑھ کر) چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں پر جو انہوں نے کیے ہی نہیں‘‘

آج کل اس کی سب سے بڑی مثال سپاس نامے ہیں‘ جو تقریبات میں مدعو شخصیات کو پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سپاس ناموں میں ان حضرات کے ایسے ایسے کارہائے نمایاں بیان کیے جاتے ہیں جو ان کی پشتوں میں سے بھی کسی نے نہ کیے ہوں۔ اس طرح ان کی خوشامد اور چاپلوسی کی جاتی ہے اور وہ اسے پسند کرتے ہیں۔

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ﴾ ’’تو ان کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔‘‘

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٨٨﴾ ’’اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

آیت ۱۸۹ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ’’اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٨٩﴾ ’’اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

آیات ۱۹۰۔۲۰۰

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝١٩٠ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝١٩١ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى
رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ
اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ
لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ
لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

سورۂ آل عمران کا آخری رکوع قرآن مجید کے عظیم ترین مقامات میں سے ہے۔ اس کی پہلی چھ آیات کے بارے میں روایت آتی ہے کہ جس شب میں یہ نازل ہوئیں تو پوری رات حضورﷺ پر رقت طاری رہی اور آپﷺ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہوئے روتے رہے۔ نمازِ تہجد کے دوران بھی آپؐ پر رقت طاری رہی۔ پھر آپؐ نے بہت طویل سجدہ کیا، اس میں بھی گریہ طاری رہا اور سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپؐ کچھ دیر لیٹے رہے لیکن وہ کیفیت برقرار رہی۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوئے اور آپؐ کو اس کیفیت میں دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ آپﷺ نے فرمایا: ''اے بلال، میں کیوں نہ روؤں کہ آج کی شب میرے ربّ نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں''۔ پھر آپؐ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی (اس روایت کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے) یعنی وہ گریہ اور رقت شکر کے جذبے کے تحت تھی۔

یہ بھی نوٹ کیجیے کہ یہ سورۂ آل عمران کا بیسواں رکوع شروع ہو رہا ہے اور سورۃ البقرۃ کے بیسویں رکوع کی پہلی آیت کے الفاظ یہ تھے: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ اسی ''آیتُ الآیات'' کا خلاصہ یہاں آ گیا ہے:

آیت ۱۹۰ ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں''

﴿لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ ''ہوش مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۴ ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی: ﴿لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ ''اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔ یہاں ان لوگوں کو ''اُولوا الالباب'' کا نام دیا گیا۔ یہ ہدایت کا پہلا قدم ہے کہ کائنات کو دیکھو' مظاہر فطرت کا مشاہدہ کرو۔

کھول آنکھ ' زمیں دیکھ ' فلک دیکھ ' فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

یہ سب آیاتِ الٰہیہ ہیں' ان کو دیکھو اور اللہ کو پہچانو۔ اگلا قدم یہ ہے کہ جب اللہ کو پہچان لیا تو اب اُسے یاد رکھو۔ یعنی ؎

فقر قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جُز بہ ذکر!

آیت ۱۹۱ ﴿الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ﴾ ''جو اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں' کھڑے بھی' بیٹھے بھی اور اپنے پہلوؤں پر بھی''

﴿وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ﴾ ''اور مزید غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں۔''

اس غور و فکر سے وہ ایک دوسرے نتیجے پر پہنچتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ ''اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد تو پیدا نہیں کیا ہے۔''

اور پھر ان کا ذہن اپنی طرف منتقل ہوتا ہے کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ میں کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ کیا میری زندگی بس یہی ہے کہ کھاؤ پیؤ' اولاد پیدا کرو اور دنیا سے رخصت ہو جاؤ؟ معلوم ہوا کہ نہیں' کوئی خلا ہے۔ انسانی اعمال کے نتیجے نکلنے چاہئیں' انسان کو اس کی نیکی اور بدی کا بدلہ ملنا چاہیے' جو اس دنیا میں اکثر و بیشتر نہیں ملتا۔ دنیا میں اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ نیکوکار فاقوں سے رہتے ہیں اور بدکار عیش کرتے ہیں۔ چنانچہ کوئی اور زندگی ہونی چاہیے' کوئی اور دنیا ہونی چاہیے جس میں اچھے برے اعمال کا بھرپور بدلہ مل جائے' مکافاتِ عمل ہو۔ لہٰذا وہ کہہ اٹھتے ہیں:

﴿سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ ''تو پاک ہے (اس سے کہ کوئی عبث کام کرے)' پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا!''

تو نے یقیناً ایک دوسری دنیا تیار کر رکھی ہے‘ جس میں جزاوسزا کے لیے جنت بھی ہے اور جہنم بھی!

آیت ۱۹۲ ﴿رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ ؕ﴾ ’’اے ہمارے ربّ! جس کو تو نے داخل کر دیا آگ میں بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا۔‘‘

﴿وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾﴾ ’’اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔‘‘

آیت ۱۹۳ ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا﴾ ’’اے ہمارے ربّ! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا‘‘

﴿یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ﴾ ’’جو ایمان کی ندا دے رہا تھا کہ ایمان لاؤ اپنے ربّ پر‘ تو ہم ایمان لے آئے۔‘‘

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد ایسے لوگوں کے کانوں میں جونہی کسی نبی یا رسول کی پکار آتی ہے تو فوراً لبیک کہتے ہیں‘ ذرا بھی دیر نہیں لگاتے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کر لی‘ اس لیے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت تک تو وہ خود پہنچ چکے تھے۔ سورۃ الفاتحہ کے مضامین کو ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ اولوا الالباب میں سے ایک شخص جو اپنی سلامتیٔ طبع‘ سلامتیٔ فطرت اور سلامتیٔ عقل کی رہنمائی میں یہاں تک پہنچ گیا کہ اُس نے اللہ کو پہچان لیا‘ آخرت کو پہچان لیا‘ یہ بھی طے کر لیا کہ اُسے اللہ کی بندگی ہی کا راستہ اختیار کرنا ہے‘ لیکن اس کے بعد وہ نبوت و رسالت کی راہنمائی کا محتاج ہے‘ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور دست سوال دراز کرتا ہے: ﴿اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴾ یہاں بھی یہی مضمون ہے کہ اب ایسے شخص کے سامنے اگر کسی نبی کی دعوت آئے گی تو اُس کا ردِّ عمل کیا ہوگا۔ اب آگے ایک عظیم ترین دُعا آ رہی ہے۔ یہ اُس دُعا سے جو سورۃ البقرہ کے آخر میں آئی تھی بعض پہلوؤں سے کہیں زیادہ عظیم تر ہے۔

﴿رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا﴾ ’’اے ہمارے ربّ‘ ہمارے گناہ بخش دے!‘‘

﴿وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا﴾ ’’اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے!‘‘

ہمارے نامۂ اعمال کے دھبے بھی دھو دے اور ہمارے دامن کردار کے جو داغ ہیں وہ بھی صاف کر دے۔

﴿وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾﴾ ’’اور ہمیں وفات دیجیو اپنے نیکوکار (اور وفادار) بندوں کے ساتھ۔‘‘

آیت ۱۹۴ ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ﴾ ’’اے ہمارے رب‘ ہمیں بخش وہ سب کچھ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے‘‘

﴿وَلَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴾ ’’اور ہمیں رسوا نہ کیجیو قیامت کے دن۔‘‘

﴿اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ’’یقیناً تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔‘‘

ہمیں شک ہے تو اس بات میں کہ آیا ہم تیرے ان وعدوں کے مصداق ثابت ہو سکیں گے یا نہیں۔ لہٰذا تو اپنی شانِ

غفاری سے ہماری کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرنا اور ہمیں وہ سب کچھ عطا کر دینا جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ کیا ہے۔

آیت ۱۹۵ ﴿فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ﴾ ''تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی''

یہ ہے دعا کی قبولیت کی انتہا کہ اس دعا کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا اعلان ہو رہا ہے۔

﴿ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى ۚ﴾ ''کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں' خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔''

﴿بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ﴾ ''تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔''

ایک ہی باپ کے نطفے سے بیٹا بھی ہے اور بیٹی بھی' اور ایک ہی ماں کے رحم میں بیٹا بھی پلا ہے اور بیٹی بھی۔

﴿فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ﴾ ''سو جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے''

﴿وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ﴾ ''اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں''

﴿وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا﴾ ''اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دے دیں''

﴿لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ﴾ ''میں لازماً اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دوں گا''

ان کے نامۂ اعمال میں اگر کوئی دھبے ہوں گے تو انہیں دھو دوں گا۔

﴿وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ﴾ ''اور لازماً داخل کروں گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

﴿ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور یہ بدلہ ہوگا اللہ کے پاس سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص خزانۂ فضل سے۔

﴿وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾﴾ ''اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

اب آخری پانچ آیات جو آ رہی ہیں ان کی حیثیت اس سورۂ مبارکہ کے تمام مباحث پر ''خاتمۂ کلام'' کی ہے۔ یاد رہے کہ اس سورت میں اہل کتاب کا عمومی ذکر بھی ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ کا الگ الگ بھی۔ پھر اس میں اہل ایمان کا ذکر بھی ہے اور مشرکین کا بھی۔ اب فرمایا:

آیت ۱۹۶ ﴿لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾﴾ ''(اے نبیؐ) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کافروں کی چلت پھرت شہروں کے اندر۔''

یہ کافر جو اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں' اور اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے

سازشیں کر رہے ہیں، جمعیتیں فراہم کر رہے ہیں، اس سے آپ ؐکسی دھوکے میں نہ آئیں، کسی مغالطے کا شکار نہ ہوں، ان کی طاقت کے بارے میں کہیں آپ ؐ مرعوب نہ ہو جائیں۔

آیت ۱۹۷ ﴿مَتَاعٌ قَلِيلٌ قف﴾ ''یہ تو بس تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے''

یہ تو محض چند روزہ زندگی کے لیے ہم نے انہیں کچھ ساز و سامان دے دیا ہے۔

﴿ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط﴾ ''پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾﴾ ''اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

آیت ۱۹۸ ﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ﴾ ''اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کیا''

﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''ان کے لیے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''

﴿نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط﴾ ''یہ ان کے لیے ابتدائی مہمان نوازی ہوگی اللہ کی طرف سے۔''

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾﴾ ''اور مزید جو اللہ کے پاس ہے وہ کہیں بہتر ہے نیکوکاروں کے لیے۔''

جنت کی اصل نعمتیں تو بیان میں آ ہی نہیں سکتیں۔ ان کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ متفق علیہ حدیث یاد رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى : اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ)) [1]

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے (جنت میں) وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا، اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال ہی گزرا۔''

قرآن و حدیث میں جنت کی جن نعمتوں کا تذکرہ ہے ان کی حیثیت اہل جنت کے لیے نُزُل (ابتدائی مہمان نوازی) کی ہوگی۔

آیت ۱۹۹ ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ ''اور بے شک اہل کتاب میں وہ بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر''

﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ﴾ ''اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو ان کی طرف نازل کیا گیا''

﴿خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لا﴾ ''اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں''

ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے‘ وہ عاجزی اور تواضع اختیار کرتے ہیں۔

﴿لَا یَشۡتَرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ﴾ ’’وہ اللہ کی آیات کو حقیر سی قیمت پر فروخت نہیں کرتے۔‘‘

﴿اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ﴾ ’’ایسے ہی لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾﴾ ’’یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔‘‘

وہ حساب لینے میں دیر نہیں لگاتا۔ آخری آیت پھر بہت جامع ہے:

آیت ۲۰۰ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَ صَابِرُوۡا﴾ ’’اے اہلِ ایمان! صبر کرو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ‘‘

مصابرت بابِ مفاعلہ سے ہے اور اس میں مقابلہ ہوتا ہے۔ ایک تو ہے صبر کرنا‘ ثابت قدم رہنا‘ اور ایک ہے مصابرت یعنی صبر واستقامت میں دشمن سے بڑھ جانا۔ ایک صبر وہ بھی تو کر رہے ہیں۔ تمہیں آج چرکا لگا ہے تو انہیں ایک سال پہلے ایسا ہی چرکا لگا تھا اور ۷۰ مارے گئے تھے۔ وہ ایک سال کے اندر پھر چڑھائی کر کے آ گئے‘ تو تم اپنا دل غمگین کر کے کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ تمہیں تو ان سے بڑھ کر صبر کرنا ہے‘ ان سے بڑھ کر قربانیاں دینی ہیں‘ تبھی تم حقیقت میں اللہ کے وفادار ثابت ہو گے۔

﴿وَ رَابِطُوۡا ۟ قف﴾ ’’اور مربوط رہو۔‘‘

مرابطہ پہرے کو بھی کہتے ہیں اور نظم وضبط (discipline) کی پابندی کرتے ہوئے باہم جڑے رہنے کو بھی۔ غزوۂ اُحد میں شکست کا سبب نظم کا ڈھیلا پن اور سمع وطاعت میں کمی تھی۔ لہٰذا یہاں صبر ومصابرت کے ساتھ ساتھ نظم کی پابندی اور باہم مربوط رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾﴾ ’’اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘

یہ آخری اور اہم ترین چیز ہے۔ یہ سب کچھ کرو گے تو فلاح ملے گی۔ ایسے ہی گھر بیٹھے تم فوز وفلاح سے ہمکنار نہیں ہوسکو گے۔

بارك اللّٰه لی ولكم فی القرآنِ العظيم ۔ ونفعنی واياكم بالآيات والذكر الحكيمoo

سُورۃُ النِّساء

تمہیدی کلمات

قرآن مجید میں مکی اور مدنی سورتوں کے جو گروپ ہیں ان میں سے پہلا گروپ پانچ سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس گروپ میں مکی سورۃ صرف سورۃ الفاتحہ ہے، جو حجم میں بہت چھوٹی مگر معنی و مفہوم اور عظمت و فضیلت میں بہت بڑی ہے۔ اس کے بعد چار سورتیں مدنی ہیں: البقرۃ، النساء، آل عمران اور المائدۃ۔ یہ چار سورتیں دو دو سورتوں کے دو جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ پہلا جوڑا سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کا ہے، اور انہیں خود رسول اللہ ﷺ نے ایک مشترک نام دیا ہے ''الزَّھْرَاوَین''۔ ان دو سورتوں میں جو مناسبتیں اور مشابہتیں ہیں وہ ترجمہ کے دوران تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے آتی رہی ہیں۔ ان میں نسبتِ زوجیت کس اعتبار سے ہے اور یہ ایک دوسرے کی تکمیل کس پہلو سے کرتی ہیں، یہ بات بھی سامنے آ چکی ہے۔

اب دو سورتیں سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ جوڑے کی شکل میں آ رہی ہیں۔ ان دو جوڑوں میں ایک نمایاں فرق (contrast) یہ نظر آئے گا کہ سابقہ دو سورتوں میں پہلے حروفِ مقطعات ہیں اور پھر دونوں میں قرآنِ مجید اور کتبِ سماویہ کی عظمت کا بیان ہے، جبکہ ان دونوں سورتوں میں اس طرح کی کوئی تمہیدی گفتگو نہیں ہے، بلکہ براہِ راست خطاب ہو رہا ہے۔ البتہ نسبتِ زوجیت کے اعتبار سے ان میں یہ فرق ہے کہ سورۃ النساء کے آغاز میں صیغۂ خطاب ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ'' (اے لوگو) ہے، یعنی خطاب عام ہے، اور سورۃ المائدہ کا آغاز ہوتا ہے ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے صیغے سے، یعنی وہاں خطاب خاص طور پر انسانوں میں سے اُن لوگوں سے ہے جو ایمان کے دعوے دار ہیں۔ باقی جس طرح سورۃ البقرۃ اور آل عمران نصفین میں منقسم ہیں اس طرح کا معاملہ ان دونوں سورتوں کا نہیں ہے۔

اپنے اسلوب کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مشابہ ہیں۔ یعنی چند مضامین کی لڑیاں چل رہی ہیں، لیکن ایک رسّی کی طرح آپس میں اس طرح بٹی ہوئی اور گتھی ہوئی ہیں کہ وہ لڑیاں مسلسل نہیں بلکہ کٹوّاں نظر آتی ہیں۔ اگر آپ چار مختلف رنگوں کی لڑیوں کو آپس میں بٹ کر رسّی کی شکل دے دیں تو ان میں سے کوئی سا رنگ بھی مسلسل نظر نہیں آئے گا، بلکہ باری باری چاروں رنگ نظر آتے رہیں گے۔ اب اگر آپ اس رسّی کو کھول دیں گے تو ہر ایک لڑی الگ ہو جائے گی اور چاروں رنگ الگ الگ نظر آئیں گے۔ سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کے مضامین کے بارے میں میں نے بتایا تھا کہ یہ گویا چار لڑیاں ہیں، جن میں دو کا تعلق شریعت سے ہے اور دو کا جہاد فی سبیل اللہ سے۔ شریعت کی دو لڑیوں میں سے ایک عبادات کی اور دوسری معاملات کی ہے، جبکہ جہاد فی سبیل اللہ کی لڑیوں میں سے ایک جہاد بالمال یعنی انفاق فی سبیل اللہ

اور دوسری جہاد بالنفس کی آخری شکل یعنی قتال فی سبیل اللہ ہے۔

یہاں سورۃ النساء میں بھی آپ دیکھیں گے کہ تین لڑیاں اسی طرح آپس میں گتھی ہوئی ہیں اور ان کے رنگ کٹواں نظر آتے ہیں‘ لیکن اگر آپ ان سب کو علیحدہ علیحدہ کر لیں تو ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک الگ مضمون بن جائے گا۔ یہ تین لڑیاں خطاب کے اعتبار سے ہیں۔ چنانچہ ایک لڑی تو وہ ہے جس میں خطاب اہل ایمان سے ہے‘ اور سورۃ البقرۃ کی طرح اس کے ذیل میں وہی چار چیزیں آ رہی ہیں: قتال‘ انفاق‘ احکامِ شریعت اور عبادات۔ دوسری لڑی میں خطاب اہل کتاب سے ہے اور اس میں نصاریٰ اور یہود دونوں شامل ہیں۔ پہلی دو سورتوں میں یہود و نصاریٰ کا معاملہ علیحدہ علیحدہ تھا‘ جبکہ اس سورۃ میں اہل کتاب کے ذیل میں یہ دونوں ملے جلے ہیں۔ تیسری لڑی اس سورۂ مبارکہ کا وہ سب سے بڑا حصہ ہے جو منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے‘ لیکن اکثر و بیشتر لوگ وہاں بات سمجھ نہیں پاتے۔ اس لیے کہ صیغۂ خطاب وہاں بھی ’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ‘‘ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ پورے قرآن میں کہیں بھی ’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا ‘‘ کے الفاظ نہیں آئے۔ صیغۂ خطاب ’’یٰۤاَیُّھَا الۡکٰفِرُوۡنَ ‘‘ بھی ہے‘ ’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ‘‘ بھی ہے اور ’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ‘‘ بھی‘ لیکن ’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا ‘‘ کہیں نہیں ہے۔ اس لیے کہ منافق بھی قانوناً تو مسلمان ہی ہوتے تھے۔ تو اصل میں یہ پہچاننے کے لیے بڑی گہری نظر کی ضرورت ہے کہ کسی مقام پر ’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ‘‘ کے الفاظ میں روئے سخن مؤمنین صادقین کی طرف ہے یا منافقین کی طرف۔ اگر یہ فرق نہ کیا جائے تو بعض مقامات پر بڑی غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ التوبۃ کا یہ مقام ملاحظہ کیجیے: ﴿’’یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ (آیت ۳۸) ’’اے اہل ایمان! تمہیں کیا ہو جاتا ہے جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم زمین میں دھنسے جاتے ہو؟‘‘ اس اندازِ تخاطب سے ایک عام سوءِ ظن پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید یہ عام مسلمانوں کا حال تھا۔ حالانکہ اس طرزِ عمل کا مظاہرہ مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ منافقین کی طرف سے ہوتا تھا اور وہاں یہ عام مسلمانوں کا نہیں‘ منافقین کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ روئے سخن منافقین ہی کی طرف ہے۔ مؤمنین صادقین تو ہر وقت کھلے دل سے مال و جان کی قربانی کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ گویا ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی!

تو اصل میں دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کس آیت میں روئے سخن کس کی طرف ہے۔

منافقین سے خطاب کے اعتبار سے یہ سورۂ مبارکہ اہم ترین ہے۔ سورۃ البقرۃ میں تو کہیں لفظ نفاق آیا ہی نہیں۔ یہ حکمتِ خداوندی ہے کہ اس مرض کو پہلے چھپا کر رکھا اور اس کی صرف علامات بیان کر دیں کہ جو کوئی بھی اپنے اندر ان علامات کو دیکھے وہ متنبہ ہو جائے اور اپنے علاج کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لیکن جو لوگ اس طرح متوجہ نہیں ہوتے تو معلوم ہوا کہ ان کو اب ذرا نمایاں کرنا ضروری ہے اور بات ذرا عریاں انداز سے کرنی پڑے گی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ایک دو جگہ نفاق کا لفظ آ گیا۔ لیکن اب یہاں سورۃ النساء میں سب سے بڑا حصہ منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے۔ میرا تجزیہ یہ ہے کہ اس سورت کی ۱۷۶

آیات میں سے ۵۵ آیات میں روئے سخن مؤمنین صادقین کی طرف ہے‘ صرف ۳۷ آیات میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے مشترک طور پر خطاب ہے‘ جبکہ ۸۴ آیات میں خطاب منافقین سے ہے۔ لیکن یاد رہے کہ جہاں بھی ان سے بات ہوگی ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا‘‘ کے حوالے سے ہوگی۔ اس لیے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ بھی تھے۔ منافق وہی تو ہوتا ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت میں ایمان سے تہی دامن ہوتا ہے‘ چاہے وہ شعوری طور پر منافق ہو چاہے غیر شعوری طور پر۔

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کے مابین ایک فرق نوٹ کر لیجیے۔ انسانی تمدن میں سب سے بنیادی چیز معاشرہ ہے‘ اور معاشرے میں بنیادی اہمیت عورت اور مرد کے تعلق کو حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ معاشرے میں کچھ کمزور طبقات ہوتے ہیں‘ جن کے حقوق کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ یہ مضمون آپ کو سورۃ النساء میں ملے گا۔ عائلی قوانین سورۃ البقرۃ میں تفصیل سے آ چکے ہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ازدواج کا جو رشتہ جڑتا ہے جس سے پھر خاندان وجود میں آتا ہے‘ جو معاشرے کی بنیادی اکائی (unit) اور اس کی جڑ اور بنیاد ہے‘ اس سے متعلق تفصیلی ہدایات سورۃ البقرۃ میں آ چکی ہیں۔ سورۂ آل عمران اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں شریعت کے احکام نہیں ہیں‘ سوائے اس ایک حکم کے جو سود کے بارے میں آیا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ (آیت ۱۳۰)۔ لیکن اب یہاں سورۃ النساء میں تمدن کی معاشرتی سطح پر مزید ہدایات دی جا رہی ہیں۔ خاص طور پر اُس معاشرے کے جو دبے ہوئے اور پسے ہوئے طبقات تھے ان کی حریت و آزادی‘ ان کے بہتر مقام اور ان کے حقوق کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔

معاشرے میں جنس (sex) کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ کسی معاشرے میں اگر جنسی معاملات پر قدغنیں نہ ہوں اور وہ جنسی فساد کا شکار ہو جائے تو وہاں تباہی پھیل جائے گی۔ اس ضمن میں ابتدائی احکام اس سورۃ میں آئے ہیں کہ ایک اسلامی معاشرے میں جنسی نظم وضبط (sex-discipline) کیسے قائم کیا جائے اور جنسی بے راہ روی سے کیسے نمٹا جائے۔ تو اس طریقے سے تمدن کی بنیادی منزل پر گفتگو ہو رہی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں تمدن کی بلند ترین منزل ریاست زیر بحث آئے گی اور اعلیٰ سطح پر عدالتی نظام کے لیے ہدایات دی جائیں گی کہ چوری‘ ڈاکہ وغیرہ کا سدّباب کیسے کیا جائے گا۔ اس ضمن میں حدود و تعزیرات بھی بیان کی جائیں گی۔ باقی سورۃ النساء کی طرح سورۃ المائدۃ میں بھی اہل کتاب سے فیصلہ کن خطاب ہے۔

میں نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ پہلے گروپ کی ان چار مدنی سورتوں میں دو مضمون متوازی چلتے ہیں۔ پہلا مضمون شریعت اسلامی کا ہے اور سورۃ البقرۃ میں احکامِ شریعت کا ابتدائی خاکہ دے دیا گیا ہے‘ جبکہ شریعت کے تکمیلی احکام سورۃ المائدۃ میں ہیں۔ ان سورتوں میں دوسرا مضمون اہل کتاب سے خطاب ہے اور وہ بھی تدریجاً آگے بڑھتے ہوئے سورۃ المائدۃ میں اپنی تکمیلی صورت کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب سے آخری اور فیصلہ کن باتیں سورۃ المائدۃ میں ملتی ہیں۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اس سورۂ مبارکہ کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات ۱تا۱۰

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا
رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾
وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤی اَمۡوَالِكُمۡ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِیۡرًا ﴿۲﴾ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ
النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُكُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی
اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ﴿۳﴾ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِیۡٓــًٔا
مَّرِیۡٓــًٔا ﴿۴﴾ وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِیٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِیۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ
وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿۵﴾ وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا
فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ ۚ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ یَّكۡبَرُوۡا ؕ وَمَنۡ كَانَ غَنِیًّا
فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ كَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِمۡ ؕ
وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا ﴿۶﴾ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا
تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ﴿۷﴾ وَاِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا
الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰكِیۡنُ فَارۡزُقُوۡهُمۡ مِّنۡهُ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿۸﴾ وَلۡیَخۡشَ الَّذِیۡنَ لَوۡ
تَرَكُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَیۡهِمۡ ۪ فَلۡیَتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡیَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ﴿۹﴾ اِنَّ
الَّذِیۡنَ یَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡكُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾﴾

آیت ۱ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ’’اے لوگو! اپنے اس رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا‘‘

دیکھئے معاشرتی مسائل کے ضمن میں گفتگو اس بنیادی بات سے شروع کی گئی ہے کہ اپنے خالق و مالک کا تقویٰ اختیار کرو۔

﴿وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا﴾ ’’اور اُسی سے اس کا جوڑا بنایا‘‘

نوٹ کیجیے کہ یہاں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ’’اُس نے تمہیں ایک آدم سے پیدا کیا اور اُسی (آدم) سے اس کا جوڑا بنایا‘‘، بلکہ ’’نَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ‘‘ (ایک جان) کا لفظ ہے۔ گویا اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ عین آدمؑ ہی سے ان کا جوڑا بنایا گیا ہو،

جیسا کہ بعض روایات سے بھی اشارہ ملتا ہے‘ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آدم کی نوع سے ان کا جوڑا بنایا گیا‘ جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ اس لیے کہ نوع ایک ہے‘ جنسیں دو ہیں۔ انسان (Human beings) نوع (species) ایک ہے‘ لیکن اس کے اندر ہی سے جو جنسی تفریق (sexual differentiation) ہوئی ہے‘ اس کے حوالے سے اس کا جوڑا بنایا ہے۔

﴿وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾ ’’اور ان دونوں سے پھیلا دیے (زمین میں) کثیر تعداد میں مرد اور عورتیں۔‘‘

’’مِنۡهُمَا‘‘ سے مراد یقیناً آدم و حوا ہیں۔ یعنی اگر آپ اس تمدنِ انسانی کا سراغ لگانے کے لیے پیچھے سے پیچھے جائیں گے تو آغاز میں ایک انسانی جوڑا (آدم و حوا) پائیں گے۔ اس رشتہ سے پوری نوعِ انسانی اس سطح پر جا کر رشتۂ اخوت میں منسلک ہو جاتی ہے۔ ایک تو سگے بہن بھائی ہیں۔ دادا دادی پر جا کر cousins کا حلقہ بن جاتا ہے۔ اس سے اوپر پڑدادا پڑدادی پر جا کر ایک اور وسیع حلقہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح چلتے جائیے تو معلوم ہو گا کہ پوری نوعِ انسانی بالآخر ایک جوڑے (آدم و حوا) کی اولاد ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ﴾ ’’اور تقویٰ اختیار کرو اُس اللہ کا جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو‘ اور رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو۔‘‘

تقویٰ کی تاکید ملاحظہ کیجیے کہ ایک ہی آیت میں دوسری مرتبہ پھر تقویٰ کا حکم ہے۔ فرمایا کہ اُس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ فقیر بھی مانگتا ہے تو اللہ کے نام پر مانگتا ہے‘ اللہ کے واسطے مانگتا ہے‘ اور اکثر و بیشتر جو تمدنی معاملات ہوتے ہیں ان میں بھی اللہ کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ گھریلو جھگڑوں کو جب نمٹایا جاتا ہے تو آخر کار کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کا نام مانو اور اپنی اس ضد سے باز آ جاؤ! تو جہاں آخری اپیل اللہ ہی کے حوالے سے کرنی ہے تو اگر اُس کا تقویٰ اختیار کرو تو یہ جھگڑے ہوں گے ہی نہیں۔ اُس نے اس معاشرے کے مختلف طبقات کے حقوق معین کر دیے ہیں‘ مثلاً مرد اور عورت کے حقوق‘ ربّ المال اور عامل کے حقوق‘ فرد اور اجتماعیت کے حقوق وغیرہ۔ اگر اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے اور اس کے عائد کردہ حقوق و فرائض کی پابندی کی جائے تو جھگڑا نہیں ہو گا۔

مزید فرمایا کہ رحمی رشتوں کا لحاظ رکھو! جیسا کہ ابھی بتایا گیا کہ رحمی رشتوں کا اوّلین دائرہ بہن بھائی ہیں‘ جو اپنے والدین کی اولاد ہیں۔ پھر دادا دادی پر جا کر ایک بڑی تعداد پر مشتمل دوسرا دائرہ وجود میں آتا ہے۔ یہ رحمی رشتے ہیں۔ انہی رحمی رشتوں کو پھیلاتے جائیے تو کل بنی آدم اور کل بناتِ حوا سب ایک ہی نسل سے ہیں‘ ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ①﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔‘‘

یہ تقویٰ کی روح ہے۔ اگر ہر وقت یہ خیال رہے کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے‘ میرا ہر عمل اُس کی نگاہ میں ہے‘ کوئی عمل اُس سے چھپا ہوا نہیں ہے تو انسان کا دل اللہ کے تقویٰ سے معمور ہو جائے گا۔ اگر یہ استحضار رہے کہ چاہے میں نے سب دروازے اور

کھڑکیاں بند کر دیں اور پردے گرا دیے ہیں لیکن ایک آنکھ سے میں نہیں چھپ سکتا تو یہی تقویٰ ہے۔اور اگر تقویٰ ہوگا تو پھر اللہ کے ہر حکم کی پابندی کی جائے گی۔

یہ حکمتِ نبوت ہے کہ اس آیت کو نبی اکرمﷺ نے خطبۂ نکاح میں شامل فرمایا۔نکاح کا موقع وہ ہوتا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہو رہا ہے۔یعنی آدم کا ایک بیٹا اور حوا کی ایک بیٹی پھر اسی رشتے میں منسلک ہو رہے ہیں جس میں آدم اور حوا تھے۔جس طرح اُن دونوں سے نسل پھیلی ہے اسی طرح اب ان دونوں سے نسل آگے بڑھے گی۔لیکن اس پورے معاشرتی معاملے میں' خاندانی معاملات میں' عائلی معاملات میں اللہ کا تقویٰ انتہائی اہم ہے۔جیسے ہم نے سورۃ البقرۃ میں دیکھا کہ بار بار ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کی تاکید فرمائی گئی۔اس لیے کہ اگر تقویٰ نہیں ہوگا تو پھر خالی قانون مؤثر نہیں ہوگا۔قانون کو تو تختۂ مشق بھی بنایا جا سکتا ہے کہ بظاہر قانون کا تقاضا پورا ہو رہا ہو لیکن اس کی روح بالکل ختم ہو کر رہ جائے۔سورۃ البقرۃ میں اسی طرزِ عمل کے بارے میں فرمایا گیا کہ: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫﴾ (آیت ۲۳۱) ''اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بنالو''۔

آیت ۲ ﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ﴾ ''اور یتیموں کے مال ان کے حوالے کر دو''

معاشرے کے دبے ہوئے طبقات میں سے یتیم ایک اہم طبقہ تھا۔دورِ جاہلیت میں ان کے کوئی حقوق نہیں تھے اور ان کے مال ہڑپ کر لیے جاتے تھے۔وہ بہت کمزور تھے۔

﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪﴾ ''اور (اپنے) برے مال کو (ان کے) اچھے مال سے نہ بدلو''

ایسا ہرگز نہ ہو کہ یتیموں کے مال میں سے اچھا اچھا لے لیا اور اپنا رڈی مال اس میں شامل کر دیا۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ﴾ ''اور ان کے مال اپنے مالوں میں شامل کر کے ہڑپ نہ کرو''

﴿اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②﴾ ''یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے''

یتیموں کے بعض سرپرست جو تقویٰ اور خوفِ خدا سے تہی دامن ہوتے ہیں' اوّل تو ان کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں' اور اگر ایسا نہ بھی کریں تو ان کا اچھا مال خورد برد کر کے اپنا رڈی اور بے کار مال اس میں شامل کر دیتے ہیں اور اس طرح تعداد پوری کر دیتے ہیں۔پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ اسے بآسانی ہڑپ کر سکیں۔ان کو ایسے سب ہتھکنڈوں سے روک دیا گیا۔

آیت ۳ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى﴾ ''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے''

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ﴾ ''تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو دو دو' تین تین' چار چار تک''

اس آیت میں ''یَتَامٰی'' سے مراد یتیم بچیاں اور خواتین ہیں۔یتیم لڑکے تو عمر کی ایک خاص حد کو پہنچنے کے بعد اپنی آزاد

مرضی سے زندگی گزار لیتے تھے‘ لیکن یتیم لڑکیوں کا معاملہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے ولی اور سرپرست ان کے ساتھ نکاح بھی کر لیتے تھے۔ اس طرح یتیم لڑکیوں کے مال بھی ان کے قبضے میں آ جاتے تھے‘ اور یتیم لڑکیوں کے پیچھے ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اگر ماں باپ ہوتے تو ظاہر ہے کہ وہ بچی کے حقوق کے بارے میں بھی کوئی بات کرتے۔ لہٰذا ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر تم ان یتیم بچیوں سے نکاح مت کرو‘ بلکہ دوسری عورتیں جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ اگر ضرورت ہو تو دو دو‘ تین تین‘ چار چار کی حد تک نکاح کر سکتے ہو‘ اس کی تمہیں اجازت ہے۔ لیکن تم یتیم بچیوں کے ولی بن کر ان کی شادیاں کہیں اور کرو تاکہ تم ان کے حقوق کے پاسبان بن کر کھڑے ہو سکو۔ ورنہ اگر تم نے ان کو اپنے گھروں میں ڈال لیا تو کون ہوگا جو ان کے حقوق کے بارے میں تم سے باز پرس کر سکے؟ —— منکرین سنت اور منکرین حدیث نے اس آیت کی مختلف تعبیرات کی ہیں‘ جو یہاں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ اس کا صحیح مفہوم یہی ہے جو سلف سے چلا آ رہا ہے اور جو حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے۔ مزید برآں تعددِ ازدواج کے بارے میں یہی ایک آیت قرآن مجید میں ہے۔ اس آیت کی رو سے تعددِ ازدواج کو محدود کیا گیا ہے اور چار سے زائد بیویاں رکھنے کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً﴾ ’’لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو‘‘

یہ جو ہم نے اجازت دی ہے کہ دو دو‘ تین تین‘ چار چار عورتوں سے نکاح کر لو‘ اس کی شرطِ لازم یہ ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرو۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اس شرط کو پورا نہیں کر سکو گے اور ان میں برابری نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کرو‘ اس سے زائد نہیں۔ بیویوں کے مابین عدل و انصاف میں ہر اُس چیز کا اعتبار ہوگا جو شمار میں آ سکتی ہے۔ مثلاً ہر بیوی کے پاس جو وقت گزارا جائے اس میں مساوات ہونی چاہیے۔ نان نفقہ‘ زیورات‘ کپڑے اور دیگر مال و اسباب‘ غرضیکہ تمام مادّی چیزیں جو دیکھی بھالی جا سکتی ہیں ان میں انصاف اور عدل لازم ہے۔ البتہ دلی میلان اور رجحان جس پر انسان کو قابو نہیں ہوتا‘ اس میں گرفت نہیں ہے۔

﴿اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ﴾ ’’یا وہ عورتیں جو تمہاری ملکِ یمین ہوں۔‘‘

یعنی وہ عورتیں جو جنگوں میں گرفتار ہو کر آئیں اور حکومت کی طرف سے لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے اور ان کی تعداد پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

﴿ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؕ﴿۳﴾﴾ ’’یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک ہی طرف کو نہ جھک پڑو۔‘‘

کہ بس ایک ہی بیوی کی طرف میلان ہے اور‘ جیسا کہ آگے آئے گا‘ دوسری معلق ہو کر رہ گئی ہیں کہ نہ وہ شوہر والیاں ہیں اور نہ آزاد ہیں کہ کہیں اور نکاح کر لیں۔

آیت ۴ ﴿وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحۡلَۃً ؕ﴾ ’’اور عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی کے ساتھ دیا کرو۔‘‘

عورتوں کے مہر تا وان سمجھ کر نہ دیا کرو‘ بلکہ فرض جانتے ہوئے ادا کیا کرو۔ صَدُقَاتٌ صِدَاقٌ کی جمع ہے‘ جبکہ صَدَقَةٌ کی جمع صَدَقَاتٌ آتی ہے۔

﴿فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا﴾ ’’پھر اگر وہ خود اپنی رضا مندی سے اس میں سے کوئی چیز تمہیں چھوڑ دیں‘‘

تم نے جو مہر مقرر کیا تھا وہ انہیں ادا کر دیا‘ اب وہ تمہیں اس میں سے کوئی چیز ہدیہ کر رہی ہیں‘ تحفہ دے رہی ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

﴿فَكُلُوۡهُ هَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا ۝۴﴾ ’’تو تم اس کو کھاؤ مزے سے خوشگواری سے۔‘‘

تم اسے بے کھٹکے استعمال میں لا سکتے ہو‘ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ ہو ان کی مرضی سے‘ زبردستی اور جبر کر کے نہ لے لیا جائے۔

آیت ۵ ﴿وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِیٰمًا﴾ ’’اور مت پکڑا دو نا سمجھوں کو اپنے وہ مال جن کو اللہ نے تمہارے گزران کا ذریعہ بنایا ہے‘‘

معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو نادانوں اور نا سمجھ لوگوں (سُفَهاء) پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں بچے بھی شامل ہیں جو ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے۔ ایسے بچے اگر یتیم ہو جائیں تو وہ وراثت میں ملنے والے مال کو اللوں تللوں میں اڑا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہاں ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے مال کے بے جا استعمال کی معاشرتی سطح پر روک تھام ہونی چاہیے۔ یہ تصور نا قابل قبول ہے کہ میرا مال ہے‘ میں جیسے چاہوں خرچ کروں! چنانچہ اس مال کو ’’اَمۡوَالَكُمۡ‘‘ کہا گیا کہ یہ اصل میں معاشرے کی مشترک بہبود کے لیے ہے۔ اگرچہ انفرادی ملکیت ہے‘ لیکن پھر بھی اسے معاشرے کی مشترک بہبود میں خرچ ہونا چاہیے۔

﴿وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِیۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ﴾ ’’ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو‘‘

﴿وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝۵﴾ ’’اور ان سے بات کیا کرو اچھے انداز میں۔‘‘

اسی اُصول کے تحت برطانوی دور کے ہندوستان میں Court of wards مقرر کر دیے جاتے تھے۔ اگر کوئی بڑا جاگیردار یا نواب فوت ہو جاتا اور یہ اندیشہ محسوس ہوتا کہ اس کا بیٹا آوارہ ہے اور وہ سب کچھ اڑا دے گا‘ ختم کر دے گا تو حکومت اس میراث کو اپنی حفاظت میں لے لیتی اور ورثاء کے لیے اس میں سے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیتی۔ باقی سب مال و اسباب جمع رہتا تھا تاکہ یہ ان کی آئندہ نسل کے کام آ سکے۔

آیت ۶ ﴿وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ﴾ ’’اور یتیموں کی جانچ پرکھ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔‘‘

﴿فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا﴾ ''پھر اگر تم ان کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ''
تم محسوس کرو کہ اب یہ باشعور ہو گئے ہیں' سمجھ دار ہو گئے ہیں۔
﴿ فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ ۚ﴾ ''تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔''
﴿وَلَا تَاۡکُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ﴾ ''اور تم اسے ہڑپ نہ کر جاؤ اسراف اور جلد بازی کر کے (اس ڈر سے) کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔''
ایسا نہ ہو کہ تم یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور جلد بازی میں خرچ کرنے لگو' اس خیال سے کہ بچے جوان ہو جائیں گے تو یہ مال ان کے حوالے کرنا ہے' لہٰذا اس سے پہلے پہلے ہم اس میں سے جتنا ہڑپ کر سکیں کر جائیں۔
﴿وَمَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ﴾ ''اور جو کوئی غنی ہو اس کو چاہیے کہ وہ پرہیز کرے۔''
یتیم کا ولی اگر خود غنی ہے' اللہ نے اس کو دے رکھا ہے' اس کے پاس کشائش ہے تو اسے یتیم کے مال میں سے کچھ بھی لینے کا حق نہیں ہے۔ پھر اسے یتیم کے مال سے بچتے رہنا چاہیے۔
﴿وَمَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ﴾ ''اور جو کوئی محتاج ہو تو کھائے دستور کے مطابق۔''
اگر کوئی خود تنگ دست ہے' محتاج ہے اور وہ یتیم کی نگہداشت بھی کر رہا ہے' اس کا کچھ وقت بھی اس پر صرف ہو رہا ہے تو معروف طریقے سے اگر وہ یتیم کے مال میں سے کچھ کھا بھی لے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیم بڑی فطری ہے' اس میں غیر فطری بندشیں نہیں ہیں جن پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے۔
﴿فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِمۡ ؕ﴾ ''پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو اس پر گواہ ٹھہرا لو۔''
ان کا مال و متاع گواہوں کی موجودگی میں ان کے حوالے کیا جائے کہ ان کی یہ یہ چیزیں آج تک میری تحویل میں تھیں' اب میں نے ان کے حوالے کر دیں۔
﴿ وَکَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا ﴿۶﴾﴾ ''اور اللہ کافی ہے حساب لینے کے لیے۔''
یہ دنیا کا معاملہ ہے کہ اس کے لیے لکھت پڑھت اور شہادت ہے۔ باقی اصل حساب تو تمہیں اللہ کے ہاں جا کر دینا ہے۔
آیت ۷ ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ۪﴾ ''مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں سے جو ترکہ چھوڑا ہو والدین نے اور رشتہ داروں نے''
﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ﴾ ''اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں سے جو ترکہ ہے

والدین اور رشتہ داروں کا‘‘

یہاں اب پہلی مرتبہ عورتوں کو وراثت کا حق دیا جارہا ہے‘ ورنہ قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کا کوئی حق وراثت نہیں تھا۔

﴿ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ﴾ ’’چاہے وہ وراثت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا قانون اس پر ہر صورت میں پوری طرح نافذ ہونا چاہیے۔

﴿ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝۷﴾ ’’یہ حصہ ہے (اللہ کی طرف سے) فرض کیا گیا۔‘‘

آگے آپ دیکھیں گے کہ اس قانونِ وراثت کی کس طرح بار بار تاکید آ رہی ہے۔ ساتھ ہی آپ یہ بھی دیکھتے رہیں کہ ہمارے معاشرے کے اندر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی کس طرح دھجیاں بکھرتی ہیں۔ خاص طور پر ہمارے شمالی علاقے میں ویسے تو نماز روزہ کا بہت اہتمام ہوتا ہے‘ لیکن وہاں کے لوگ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دینے کو کسی صورت تیار نہیں ہوتے‘ بلکہ اپنے رواج کی پیروی کرتے ہیں۔ شریعت کی کچھ چیزیں بہت اہم ہیں اور قرآن میں ان کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ آتا ہے۔

آیت ۸ ﴿وَاِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنُ﴾ ’’اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور محتاج‘‘

جب وراثت کی تقسیم ہو رہی ہو تو اب اگر وہاں کچھ قرابت دار‘ کچھ یتیم اور کچھ محتاج بھی آ جائیں۔

﴿فَارۡزُقُوۡهُمۡ مِّنۡهُ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝۸ ﴾ ’’تو انہیں بھی کچھ دے دلا دو اس میں سے اور ان سے معقول انداز میں بات کرو۔‘‘

وہ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور وہ بالکل محتاج ہیں‘ تو ان کے احساسِ محرومیت کا جو بھی مداوا ہو سکتا ہے کرو‘ اور ان سے بڑے اچھے انداز میں بات کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں کہ ہماری وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور یہاں تم کون آ گئے ہو؟

آیت ۹ ﴿وَلۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ لَوۡ تَرَكُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۖ﴾ ’’اور ڈرتے رہنا چاہیے ان لوگوں کو کہ اگر انہوں نے بھی چھوڑے ہوتے اپنے پیچھے ناتواں بچے تو ان کے بارے میں انہیں کیسے کیسے اندیشے ہوتے۔‘‘

﴿فَلۡيَتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ’’تو انہیں چاہیے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں‘‘

انہیں یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ یتیم جو اس وقت آ گئے ہیں یہ بھی کسی کے بچے ہیں‘ جن کے سر پر باپ کا سایہ نہیں رہا۔ لہٰذا وہ ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھیں۔

﴿وَلۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ۝۹﴾ ’’اور سیدھی سیدھی (حق پر مبنی) بات کریں۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں ناحق''
﴿اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ﴾ ''وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں۔''
﴿وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾﴾ ''اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔''
اندر کی آگ تو وہ خود اپنے پیٹوں میں ڈال رہے ہیں اور وہ خود بھی سموچے دوزخ کی بھڑکتی آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔ گویا ایک آگ ان کے اندر ہوگی اور ایک وسیع وعریض آگ ان کے باہر ہوگی۔ یہ دس آیتیں بڑی جامع ہیں، جن میں اس معاشرے کے پسماندہ طبقات میں سے ایک ایک کا خیال کر کے نہایت باریک بینی اور حکمت کے ساتھ احکام دیے گئے ہیں۔

آیات ۱۱ تا ۱۴

﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ ؕ وَ لِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ ۚ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ لَکُمۡ نَفۡعًا ؕ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۱﴾ وَ لَکُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَکَ اَزۡوَاجُکُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَہُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ وَ لَہُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّکُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ وَلَدٌ فَلَہُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ تُوۡصُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ وَ اِنۡ کَانَ رَجُلٌ یُّوۡرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امۡرَاَۃٌ وَّ لَہٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡ ذٰلِکَ فَہُمۡ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصٰی بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ۙ غَیۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۳﴾ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوۡدَہٗ یُدۡخِلۡہُ نَارًا خَالِدًا فِیۡہَا ۪ وَ لَہٗ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۴﴾﴾

سورۃ النساء کا دوسرا رکوع بڑا مختصر ہے اور اس میں صرف چار آیات ہیں، لیکن معنوی طور پر ان میں ایک قیامت مضمر ہے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ چار آیتوں کے اندر اسلام کا پورا قانونِ وراثت بیان کر دیا گیا ہے جس پر پوری پوری جلدیں لکھی گئی ہیں۔

گویا جامعیت کی انتہا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں''

﴿لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ﴾ ''کہ لڑکے کے لیے حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر۔''

﴿فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ﴾ ''پھر اگر لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زیادہ تو ان کے لیے ترکے کا دو تہائی ہے۔''

﴿وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ﴾ ''اور اگر ایک ہی لڑکی ہے تو اس کے لیے آدھا ہے۔''

ظاہر ہے اگر ایک ہی بیٹا ہے تو وہ پورے ترکے کا وارث ہو جائے گا۔ لہٰذا جب بیٹی کا حصہ بیٹے سے آدھا ہے تو اگر ایک ہی بیٹی ہے تو اسے آدھی وراثت ملے گی' آدھی دوسرے لوگوں کو جائے گی۔ وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے۔

﴿وَ لِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ﴾ ''اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے جو اُس نے چھوڑا اگر میت کے اولاد ہو۔''

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو اس کی وراثت میں سے ان کا بھی معین حصہ ہے۔ اگر وفات پانے والا شخص صاحب اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے وراثت میں چھٹا حصہ ہے۔ یعنی میت کے ترکے میں سے ایک تہائی والدین کو چلا جائے گا اور دو تہائی اولاد میں تقسیم ہو گا۔

﴿فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ﴾ ''اور اگر اُس کے اولاد نہ ہو اور اُس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اُس کی ماں کا ایک تہائی ہے۔''

اگر کوئی شخص لاولد فوت ہو جائے تو اس کے ترکے میں سے اس کی ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ یعنی باپ کا حصہ ماں سے دوگنا ہو جائے گا۔

﴿فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ﴾ ''پھر اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے''

اگر مرنے والا بے اولاد ہو لیکن اس کے بہن بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کا حصہ مزید کم ہو کر ایک تہائی کے بجائے چھٹا حصہ رہ جائے گا اور باقی باپ کو ملے گا' لیکن بہن بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا۔ وہ باپ کی طرف سے وراثت کے حق دار ہوں گے۔ لیکن ساتھ ہی فرما دیا:

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ﴾ ''بعد اس وصیت کی تعمیل کے جو وہ کر جائے یا بعد ادائے قرض کے۔''

وراثت کی تقسیم سے پہلے دو کام کر لینے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس شخص کے ذمے کوئی قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر اُس نے کوئی وصیت کی ہے تو اس کو پورا کیا جائے۔ پھر وراثت تقسیم ہو گی۔

﴿اٰبَـآؤُكُمْ وَاَبْنَـآؤُكُمْ ۚ لَا تَـدْرُوْنَ اَيُّـهُـمْ اَقْرَبُ لَـكُمْ نَفْعًا ۭ﴾ ''تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے' تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہارے لیے زیادہ نافع ہے۔''

﴿ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔''

تم اپنی عقلوں کو چھوڑ و اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصوں کے مطابق وراثت تقسیم کرو۔ کوئی آدمی یہ سمجھے کہ میرے بوڑھے والدین ہیں' میری وراثت میں خواہ مخواہ ان کے لیے حصہ کیوں رکھ دیا گیا ہے؟ یہ تو کھا پی چکے' زندگی گزار چکے' وراثت تو اب میری اولاد ہی کو ملنی چاہیے' تو یہ سوچ بالکل غلط ہے۔ تمہیں بس اللہ کا حکم ماننا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔''

اس کا کوئی حکم علم اور حکمت سے خالی نہیں ہے۔

آیت ۱۲ ﴿ وَلَـــكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّـمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَـدٌ ۚ﴾ ''اور تمہارا حصہ تمہاری بیویوں کے ترکے میں سے آدھا ہے اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔''

بیوی فوت ہوگئی ہے اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہے تو جو وہ چھوڑ گئی ہے اس میں سے نصف شوہر کا ہو جائے گا۔ باقی جو نصف ہے وہ مرحومہ کے والدین اور بہن بھائیوں میں حسب قاعدہ تقسیم ہوگا۔

﴿فَاِنْ كَـانَ لَهُنَّ وَلَـدٌ فَلَـكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ﴾ ''اور اگر اُن کے اولاد ہے تو تمہارے لیے چوتھائی ہے اس میں سے جو انہوں نے چھوڑا''

﴿مِنْۢ بَـعْـدِ وَصِيَّةٍ يُّـوْصِيْنَ بِهَـآ اَوْ دَيْنٍ ۭ﴾ ''بعد اُس وصیت کی تعمیل کے جو وہ کر جائیں یا بعد ادائے قرض کے۔''

اگر مرنے والی نے اولاد چھوڑی ہو تو موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے ادائے دَین و انفاذِ وصیت کے بعد کل مال کا چوتھائی حصہ ملے گا اور باقی تین چوتھائی دوسرے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّـكُمْ وَلَـدٌ ۚ﴾ ''اور ان کے لیے چوتھائی ہے تمہارے ترکے کا اگر تمہارے اولاد نہیں ہے۔''

﴿فَاِنْ كَانَ لَـكُمْ وَلَـدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ ''اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے تمہارے ترکے میں سے''

﴿ مِّنْۢ بَـعْـدِ وَصِيَّةٍ تُـوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ﴾ ''اُس وصیت کی تعمیل کے بعد جو تم نے کی ہو یا قرض ادا کرنے کے بعد۔''

اگر مرنے والے نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو ادائے دَین و انفاذِ وصیت کے بعد اس کی بیوی کو اُس کے ترکے کا چوتھائی ملے گا' اور اگر اُس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے تو اس صورت میں بعد ادائے دَین و وصیت کے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر بیوی ایک سے زائد ہے تو بھی مذکورہ حصہ سب بیویوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

﴿وَاِنۡ کَانَ رَجُلٌ یُّوۡرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امۡرَاَۃٌ﴾ ''اور اگر کوئی شخص جس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے کلالہ ہو' یا عورت ہو ایسی ہی''

''کلالہ'' وہ مرد یا عورت ہے جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔

﴿وَّلَہٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ ۚ﴾ ''اور اُس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔''

﴿فَاِنۡ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡ ذٰلِکَ فَہُمۡ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ﴾ ''اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے''

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں کلالہ کی میراث کے حکم میں بھائی اور بہنوں سے مراد اَخیافی (ماں شریک) بھائی اور بہن ہیں۔ رہے عینی اور علاتی بھائی بہن تو ان کا حکم اسی سورت کے آخر میں ارشاد ہوا ہے۔ عربوں میں دراصل تین قسم کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ ایک ''عینی'' جن کا باپ بھی مشترک ہو اور ماں بھی' جنہیں ہمارے ہاں ''حقیقی'' کہتے ہیں۔ دوسرے ''علاتی'' بہن بھائی' جن کا باپ ایک اور مائیں جدا ہوں۔ اہل عرب کے ہاں یہ بھی حقیقی بہن بھائی ہوتے ہیں اور ان کا حکم وہی ہے جو ''عینی'' بہن بھائیوں کا ہے۔ وہ انہیں ''سوتیلا'' نہیں سمجھتے۔ ان کے ہاں سوتیلا وہ کہلاتا ہے جو ایک ماں سے ہو لیکن اس کا باپ دوسرا ہو۔ یہ ''اَخیافی'' بہن بھائی کہلاتے ہیں۔ ایک شخص کی اولاد تھی' وہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی۔ تو اب اس دوسرے خاوند سے جو اولاد ہے وہ پہلے خاوند کی اولاد کے اَخیافی بہن بھائی ہیں۔ تو کلالہ کی میراث کے حکم میں یہاں اَخیافی بھائی بہن مراد ہیں۔

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصٰی بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ۙ﴾ ''اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو کی گئی یا ادائے قرض کے بعد''

یہ دو شرطیں بہرصورت باقی رہیں گی۔ مرنے والے کے ذمے اگر کوئی قرض ہے تو پہلے وہ ادا کیا جائے گا' پھر اس کی وصیت کی تعمیل کی جائے گی' اس کے بعد میراث وارثوں میں تقسیم کی جائے گی۔

﴿غَیۡرَ مُضَآرٍّ ۚ﴾ ''بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔''

یہ سارا کام ایسے ہونا چاہیے کہ کسی کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

﴿وَصِیَّۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ﴾ ''یہ تاکید ہے اللہ کی طرف سے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ⑫﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا کمالِ حلم والا ہے۔''

اُس کے حلم اور بردباری پر دھوکہ نہ کھاؤ کہ وہ تمہیں پکڑ نہیں رہا ہے۔ع ''نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی!'' اُس کی پکڑ جب آئے گی تو اس سے بچنا ممکن نہیں ہوگا: ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ⑫﴾ (البروج) ''یقیناً تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔''

آیت ۱۳ ﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ﴾ ''یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔''

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ داخل کرے گا اسے ان باغات میں جس کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی''

﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ⑬﴾ ''اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔''

آیت ۱۴ ﴿وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ﴾ ''اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اُس کی حدود سے''

﴿یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ص﴾ ''وہ داخل کرے گا اس کو آگ میں جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔''

﴿وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ⑭﴾ ''اور اس کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔''

آیات ۱۵۔۲۲

﴿وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ ج فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا⑮ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْکُمْ فَاٰذُوْهُمَا ج فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا⑯ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا⑰ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ج حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ کُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا⑱ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ج وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج فَاِنْ

کَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾

اب اسلامی معاشرے کی تطہیر کے لیے احکام دیے جا رہے ہیں۔ مسلمان جب تک مکہ میں تھے تو وہاں کفار کا غلبہ تھا۔ اب مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ حیثیت دی ہے کہ اپنے معاملات کو سنوارنا شروع کریں۔ چنانچہ ایک ایک کر کے ان معاشرتی معاملات اور سماجی مسائل کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔ اسلامی معاشرے میں عفت و عصمت کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر معاشرے میں جنسی بے راہ روی موجود ہے تو اس کی روک تھام کیسے ہو؟ اس کے لیے ابتدائی احکام یہاں آ رہے ہیں۔ اس ضمن میں تکمیلی احکام سورۃ النور میں آئیں گے۔ معاشرتی معاملات کے ضمن میں احکام پہلے سورۃ النساء، پھر سورۃ الاحزاب، پھر سورۃ النور اور پھر سورۃ المائدۃ میں بتدریج آئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کو مصحف میں کافی آگے رکھا گیا ہے اور یہاں پر سورۃ النساء کے بعد سورۃ المائدۃ آ گئی ہے۔

آیت ۱۵ ﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ﴾ ''اور تمہاری عورتوں میں سے جو کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں''

﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ﴾ ''تو اُن پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔''

﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ﴾ ''پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو''

﴿حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ﴾ ''یہاں تک کہ موت ان کو لے جائے''

اسی حالت میں ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

﴿اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿١٥﴾﴾ ''یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکال دے۔''

بدکاری کے متعلق یہ ابتدائی حکم تھا۔ بعد میں سورۃ النور میں حکم آ گیا کہ بدکاری کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایسی لڑکیوں یا عورتوں کا تذکرہ ہے جو مسلمانوں میں سے تھیں مگر ان کا بدکاری کا معاملہ کسی غیر مسلم مرد سے ہو گیا جو اسلامی معاشرے کے دباؤ میں نہیں ہے۔ ایسی عورتوں کے متعلق یہ ہدایت فرمائی گئی کہ انہیں تا حکم ثانی گھروں کے اندر محبوس رکھا جائے۔

آیت ۱۶ ﴿وَالَّـذٰنِ يَـاْتِيٰـنِهَا مِنۡكُمۡ فَاٰذُوۡهُمَا‌ۚ﴾ ''اور جو دونوں تم میں سے اس (بدکاری) کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا پہنچاؤ۔''

اگر بدکاری کا ارتکاب کرنے والے مرد و عورت دونوں مسلمانوں میں سے ہی ہوں تو دونوں کو اذیت دی جائے۔ یعنی ان کی توہین و تذلیل کی جائے اور مارا پیٹا جائے۔

﴿فَاِنۡ تَابَا وَاَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمَا‌ؕ﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا﴿۱۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

واضح رہے کہ یہ بالکل ابتدائی احکام ہیں۔ اسی لیے ان کی وضاحت میں تفسیروں میں بہت سے اقوال مل جائیں گے۔ اس لیے کہ جب حدود نافذ ہو گئیں تو یہ عبوری اور عارضی احکام منسوخ قرار پائے۔ جیسے کہ سورۃ النساء میں قانونِ وراثت نازل ہونے کے بعد سورۃ البقرۃ میں وارد شدہ وصیت کا حکم ساقط ہو گیا۔

آیت ۱۷ ﴿اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ ''اللہ کے ذمے ہے توبہ قبول کرنا ایسے لوگوں کی جو کوئی بری حرکت کر بیٹھتے ہیں جہالت اور نادانی میں''

﴿ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ﴾ ''پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں''

ایک صاحبِ ایمان پر کبھی ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ خارجی اثرات اتنے شدید ہو جائیں یا نفس کے اندر کا ہیجان اسے جذبات سے مغلوب کر دے اور وہ کوئی گناہ کا کام کر گزرے۔ لیکن اس کے بعد اسے جیسے ہی ہوش آئے گا اس پر شدید ندامت طاری ہو جائے گی اور وہ اللہ کے حضور توبہ کرے گا۔ ایسے شخص کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی توبہ قبول کرنا اللہ کے ذمے ہے۔

﴿فَاُولٰٓـئِكَ يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ﴾ ''تو یہی ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا۔''

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا﴿۱۷﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور حکیم و دانا ہے۔''

آیت ۱۸ ﴿وَلَـيۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ‌ۚ﴾ ''اور ایسے لوگوں کا کوئی حق نہیں ہے توبہ کا جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں۔''

مسلسل حرام خوریاں کرتے رہتے ہیں، زندگی بھر عیش اُڑاتے رہتے ہیں۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ تُبۡتُ الۡــٰٔنَ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں''

﴿وَلَا الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ‌ؕ﴾ ''اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں۔''

ان کی توبہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

﴿اُولٰٓئِکَ اَعۡتَدۡنَا لَھُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۸﴾﴾ ''ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرۡھًا ؕ﴾ ''اے اہل ایمان! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی وراثت میں لے لو۔''

یہ بھی عرب جاہلیت کی ایک مکروہ رسم تھی جس میں عورتوں کے طبقے پر شدید ظلم ہوتا تھا۔ ہوتا یوں تھا کہ ایک شخص فوت ہوا ہے‘ اس کی چار پانچ بیویاں ہیں‘ تو اس کا بڑا بیٹا وارث بن گیا ہے۔ اب اس کی حقیقی ماں تو ایک ہی ہے‘ باقی سوتیلی مائیں ہیں‘ تو وہ ان کو وراثت میں لے لیتا تھا کہ یہ میرے قبضے میں رہیں گی‘ بلکہ ان سے شادیاں بھی کر لیتے تھے یا بغیر نکاح اپنے گھروں میں ڈالے رکھتے تھے‘ یا پھر یہ کہ اختیار اپنے ہاتھ میں رکھ کر ان کی شادیاں کہیں اور کرتے تھے تو مہر خود لے لیتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ اے اہل ایمان‘ تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو! جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا وہ آزاد ہے۔ عدت گزار کر جہاں چاہے جائے اور جس سے چاہے نکاح کر لے۔

﴿وَلَا تَعۡضُلُوۡھُنَّ لِتَذۡھَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡھُنَّ﴾ ''اور نہ یہ جائز ہے کہ تم انہیں روکے رکھو تاکہ تم ان سے واپس لے لو اس کا کچھ حصہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے''

نکاح کے وقت تو بڑے چاؤ تھے‘ بڑے لاڈ اٹھائے جا رہے تھے اور کیا کیا دے دیا تھا‘ اور اب وہ سب واپس ہتھیانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال ہو رہے ہیں‘ انہیں تنگ کیا جا رہا ہے‘ ذہنی طور پر تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔

﴿اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۚ﴾ ''ہاں اگر وہ صریح بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں (تو تمہیں ان کو تنگ کرنے کا حق ہے)۔''

اگر کسی سے صریح حرام کاری کا فعل سرزد ہو گیا ہو اور اس پر اسے کوئی سزا دی جائے (جیسے کہ اوپر آ چکا ہے فَاٰذُوۡھُمَا) اس کی تو اجازت ہے۔ اس کے بغیر کسی پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر اگر نیت یہ ہو کہ میں اس سے اپنا مہر واپس لے لوں‘ یہ انتہائی کمینگی ہے۔

﴿وَعَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ﴾ ''اور عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے پر معاشرت اختیار کرو۔''

ان کے ساتھ بھلے طریقے پر‘ خوش اسلوبی سے‘ نیکی اور راستی کے ساتھ گزر بسر کرو۔

﴿فَاِنۡ کَرِھۡتُمُوۡھُنَّ فَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّیَجۡعَلَ اللّٰہُ فِیۡہِ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ﴿۱۹﴾﴾ ''اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو بعید نہیں کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اس میں اللہ نے تمہارے لیے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو۔''

اگر تمہیں کسی وجہ سے اپنی عورتیں ناپسند ہو گئی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کسی شے کو تم ناپسند کرو‘ درآنحالیکہ اللہ نے اسی میں

تمہارے لیے خیر کثیر رکھ دیا ہو۔ ایک عورت کسی ایک اعتبار سے آپ کے دل سے اُتر گئی ہے' طبیعت کا میلان نہیں رہا ہے' لیکن پتا نہیں اس میں اور کون کون سی خوبیاں ہیں اور وہ کس کس اعتبار سے آپ کے لیے خیر کا ذریعہ بنتی ہے۔ تو اس معاملے کو اللہ کے حوالے کرو' اور ان کے حقوق ادا کرتے ہوئے' ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کرو۔ البتہ اگر معاملہ ایسا ہو گیا ہے کہ ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے تو طلاق کا راستہ کھلا ہے' شریعت اسلامی نے اس میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ یہ مسیحیت کی طرح کا کوئی غیر معقول نظام نہیں ہے کہ طلاق ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۲۰ ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ﴾ ''اور اگر تمہارا ارادہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ہو''

اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہو کہ ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانی ہے۔

﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا﴾ ''اور ان میں سے کسی ایک کو تم نے ڈھیروں مال دیا ہو''

﴿فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ﴾ ''تو اس میں سے کوئی بھی شے واپس نہ لو۔''

عورتوں کو تم نے جو مہر دیا تھا وہ ان کا ہے' اب اس میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتے۔

﴿اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰﴾ ''کیا تم اسے واپس لو گے بہتان لگا کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر؟''

آیت ۲۱ ﴿وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ ''اور تم اسے کیسے واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو؟''

کچھ عقل کے ناخن لو' کچھ شعور اور شرافت کا ثبوت دو۔ تم ان سے وہ مال کس طرح واپس لینا چاہتے ہو جبکہ تمہارے مابین دنیا کا انتہائی قریبی تعلق قائم ہو چکا ہے۔

﴿وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۱﴾ ''اور وہ تم سے مضبوط قول و قرار لے چکی ہیں۔''

یہ قول و قرار نکاح کے وقت ہوتا ہے جب مرد عورت کے مہر و نفقہ کی پوری ذمہ داری لیتا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے تم نکاح مت کرو''

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا' ایامِ جاہلیت میں سوتیلی ماؤں کو نکاح کر کے یا بغیر نکاح کے گھر میں ڈال لیا جاتا تھا۔ ایسے نکاح کو اُس معاشرے میں بھی ''نکاحِ مقت'' کہا جاتا تھا۔ یعنی یہ بہت ہی برا نکاح ہے۔ ظاہر ہے فطرتِ انسانی تو ایسے تعلق سے اِبا کرتی ہے' مگر ان کے ہاں یہ رواج تھا۔ قرآن مجید نے اس مقام پر اس کا سختی سے سدّباب کیا ہے۔

﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ﴾ ''سوائے اس کے جو ہو چکا۔''

﴿اِنَّـــهٗ كَـانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ﴾ ''یقیناً یہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے والی ہے۔''

﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾﴾ ''اور بہت ہی برا راستہ ہے۔''

اگلی آیت میں محرماتِ ابدیہ کا بیان ہے کہ کن رشتوں میں نکاح کا معاملہ نہیں ہوسکتا۔ یعنی ایک مرد اپنی کن کن رشتہ دار خواتین سے شادی نہیں کرسکتا۔

آیات ۲۳ تا ۲۵

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٢٤﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٥﴾﴾

آیت ۲۳ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ﴾ ''حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں''

﴿وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ﴾ ''اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں''

﴿وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ ''اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں''

﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے''

﴿وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ ''اور تمہاری دودھ شریک بہنیں''

﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ﴾ ''اور تمہاری بیویوں کی مائیں''

جن کو ہم ساس یا خوش دامن کہتے ہیں۔

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ''اور تمہاری ربیبائیں جو تمہاری گودوں میں پلی بڑھی ہوں''

﴿مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ﴾ ''تمہاری اُن بیویوں سے جن کے ساتھ تم نے مقاربت کی ہو''

﴿فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ۡ﴾ ''اور اگر تم نے ان بیویوں سے مقاربت نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں''

''ربیبہ'' بیوی کی اُس لڑکی کو کہا جاتا ہے جو اس کے سابق شوہر سے ہو۔ اگر موجودہ شوہر اس بیوی سے تعلق زن وشو قائم ہونے کے بعد اس کو طلاق دے دے تو ربیبہ کو اپنے نکاح میں نہیں لاسکتا' یہ اس کے لیے حرام ہے۔ لیکن اگر اس بیوی کے ساتھ تعلق زن وشو قائم نہیں ہوا اور اسے طلاق دے دی تو پھر ربیبہ کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر تم نے ان بیویوں کے ساتھ مقاربت نہ کی ہو تو پھر (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں۔

﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ﴾ ''اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں''

جن کو ہم بہوئیں کہتے ہیں۔ اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے۔ البتہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح میں کوئی حرج نہیں۔

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ ''اور یہ (بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) کہ تم بیک وقت دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو''

﴿اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ﴾ ''سوائے اس کے کہ جو گزر چکا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ غفور اور رحیم ہے۔''

جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا۔ اب گڑے مردے تو اکھاڑے نہیں جاسکتے۔ لیکن آئندہ کے لیے یہ محرماتِ ابدیہ ہیں۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اضافہ کیا ہے کہ جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتے اسی طرح خالہ بھانجی کو اور پھوپھی بھتیجی کو بھی بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔ یہ محرماتِ ابدیہ ہیں کہ جن کے ساتھ کسی حال میں' کسی وقت شادی نہیں ہوسکتی۔ اب وہ محرمات بیان ہو رہی ہیں جو عارضی ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ ''اور وہ عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) جو کسی اور کے نکاح میں ہوں''
چونکہ وہ کسی اور کے نکاح میں ہیں اس لیے آپ پر حرام ہیں۔ ایک عورت کو اگر اس کا شوہر طلاق دے دے تو آپ اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ حرمت ابدی نوعیت کی نہیں ہے۔ ''مُحۡصَنٰت'' اُن عورتوں کو کہا جاتا ہے جو کسی کی قید نکاح میں ہوں۔ ''حِصن'' قلعے کو کہتے ہیں اور ''اِحصان'' کے معنی کسی شے کو اپنی حفاظت میں لینے کے بھی اور کسی کی حفاظت میں ہونے کے بھی۔ چنانچہ ''مُحۡصَنٰت'' وہ عورتیں ہیں جو ایک خاندان کے قلعے کے اندر محفوظ ہیں اور شوہر والیاں ہیں۔ نیز یہ لفظ لونڈیوں کے مقابل آزاد خاندانی شریف زادیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

﴿اِلَّا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ۚ﴾ ''سوائے اس کے کہ جو تمہاری مِلکِ یمین بن جائیں۔''
یعنی جنگ کے نتیجے میں تمہارے ہاں کنیزیں بن کر آجائیں۔ یہ عورتیں اگرچہ مشرکوں کی بیویاں ہیں لیکن وہ لونڈیوں کی حیثیت سے آپ کے لیے جائز ہوں گی۔

﴿کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ۚ﴾ ''یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا فریضہ ہے۔''
یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے۔

﴿وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ﴾ ''ان کے سوا جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں''
آپ نے دیکھا کہ کتنی تھوڑی سی تعداد میں محرمات ہیں، جن سے نکاح حرام قرار دے دیا گیا ہے، باقی کثیر تعداد حلال ہے۔ یعنی مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے جبکہ محرمات کا دائرہ بہت محدود ہے۔

﴿اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ﴾ ''کہ تم اپنے مال کے ذریعے ان کے طالب بنو''
یعنی ان کے مہر ادا کر کے ان کے ساتھ نکاح کرو۔

﴿مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ؕ﴾ ''بشرطیکہ حصارِ نکاح میں ان کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔''
یعنی نیت گھر بسانے کی ہو، صرف مستی نکالنے کی نہیں۔ اس کو محض ایک کھیل اور مشغلہ نہ بنا لو۔

﴿فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِہٖ مِنۡہُنَّ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ فَرِیۡضَۃً ؕ﴾ ''پس جو بھی تم نے ان سے تمتع کیا ہو تو اس کے بدلے ان کے مہر ادا کرو، جو مقرر ہوئے تھے۔''

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا تَرٰضَیۡتُمۡ بِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِیۡضَۃِ ؕ﴾ ''البتہ اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ مہر مقرر ہونے کے بعد باہمی رضامندی سے کوئی کمی بیشی کر لو۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۲۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔''

آیت ۲۵ ﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ﴾ ''اور جو کوئی تم میں سے اتنی

مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں سے شادی کر سکے''

﴿فَمِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ﴾ ''تو وہ تمہاری اُن لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر لے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور مؤمنہ ہوں۔''

یہاں ''مُحۡصَنٰت'' دوسرے معنی میں آیا ہے' یعنی شریف زادیاں' آزاد مسلمان عورتیں۔ اور ظاہر ہے آزاد مسلمان عورتوں کا تو مہر ادا کرنا پڑے گا۔ اس حوالے سے اگر کوئی بے چارہ مفلس ہے' ایک خاندانی عورت کا مہر ادا نہیں کر سکتا تو وہ کیا کرے؟ ایسے لوگوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ معاشرے میں موجود مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔

﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِکُمۡ ؕ﴾ ''اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے۔''

یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون مؤمن ہے اور کون نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو بھی قانونی اعتبار سے مسلمان ہے دنیا میں وہ مؤمن سمجھا جائے گا۔

﴿بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ﴾ ''تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔''

﴿فَانۡکِحُوۡھُنَّ بِاِذۡنِ اَھۡلِھِنَّ﴾ ''سو اُن سے نکاح کر لو ان کے مالکوں کی اجازت سے''

کسی لونڈی کا مالک اس سے جنسی تعلق قائم کر سکتا ہے۔ لیکن جب ایک شخص اُس کی اجازت سے اس کی لونڈی سے نکاح کر لے تو اب لونڈی کے مالک کا یہ تعلق منقطع ہو جائے گا۔ اب وہ لونڈی اس اعتبار سے اس کے کام میں نہیں آ سکتی' بلکہ اب وہ ایک مسلمان کی منکوحہ ہو جائے گی۔ اسی لیے اُس نکاح کے لیے ''بِاِذۡنِ اَھۡلِھِنَّ'' کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ واضح رہے کہ اُس وقت کے معاشرے میں بالفعل یہ شکلیں موجود تھیں۔ یہ نہیں کہا جا رہا کہ یہ شکلیں پیدا کرو۔ غلام اور لونڈیوں کا معاملہ اُس وقت کے بین الاقوامی حالات اور اسیرانِ جنگ کے مسئلے کے ایک حل کے طور پر پہلے سے موجود تھا۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس معاشرے میں قرآن نے اصلاح کا عمل شروع کیا اس میں فی الواقع کیا صورت حال تھی اور اس میں کس کس اعتبار سے تدریجاً بہتری پیدا کی گئی۔

﴿وَاٰتُوۡھُنَّ اُجُوۡرَھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ ''اور انہیں ان کے مہر ادا کرو معروف طریقے پر''

﴿مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ﴾ ''ان کو حصارِ نکاح میں لا کر' نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے والیاں ہوں''

ان سے نکاح کا تعلق ہو گا' جس میں نیت گھر میں بسانے کی ہونی چاہیے' محض مستی نکالنے کی اور شہوت رانی کی نیت نہ ہو۔ یہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہو کر رہیں' آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں۔

﴿وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ﴾ ''اور نہ ہی چوری چھپے آشنائیاں کریں۔''

کسی کی لونڈی سے کسی کا نکاح ہو تو کھلم کھلا ہو۔ معلوم ہو کہ فلاں کی لونڈی اب فلاں کے نکاح میں ہے۔ جیسے حضرت سمیہؓ سے حضرت یاسرؓ نے نکاح کیا تھا۔ حضرت سمیہؓ ابو جہل کے چچا کی لونڈی تھیں' جو ایک شریف انسان تھا۔ حضرت یاسرؓ جب

یمن سے آ کر مکہ میں آباد ہوئے تو انہوں نے ابوجہل کے چچا سے اجازت لے کر ان کی لونڈی سمیہؓ سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔ یہ تین افراد کا ایک کنبہ تھا۔ یاسر، عمار بن یاسر اور عمار کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم۔ ابوجہل کا شریف النفس چچا جب فوت ہو گیا تو ابوجہل کو اس کنبے پر اختیار حاصل ہو گیا اور اُس نے اس خاندان کو بدترین ایذائیں دی۔

﴿فَاِذَآ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ﴾ ''پس جب وہ قیدِ نکاح میں آ جائیں تو پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں''

﴿فَعَلَیۡہِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ﴾ ''تو اُن پر اُس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔''

لونڈیاں اگر قیدِ نکاح میں آنے کے بعد بدچلنی کی مرتکب ہوں تو بدکاری کی جو سزا آزاد عورتوں کو دی جائے گی انہیں اس کی نصف سزا دی جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ ابتدائی احکامات ہیں۔ ابھی تک نہ تو سو کوڑوں کی سزا کا حکم آیا تھا اور نہ رجم کا۔ چنانچہ ''اٰذُوۡھُمَا'' کے حکم کی تعمیل میں بدکاری کی جو سزا ابھی آزاد خاندانی عورتوں کو دی جاتی تھی ایک منکوحہ لونڈی کو اس سے نصف سزا دینے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے کہ ایک شریف خاندان کی عورت جسے ہر طرح کا تحفظ حاصل ہو اس کا معاملہ اور ہے اور ایک بے چاری غریب لونڈی کا معاملہ اور ہے۔

﴿ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ مِنۡکُمۡ ؕ﴾ ''یہ اجازت تم میں سے ان کے لیے ہے جن کو گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔''

مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لینے کی اجازت تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی شہوت اور جنسی جذبے کو روک نہ سکتے ہوں اور انہیں فتنے میں مبتلا ہو جانے اور گناہ میں ملوث ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

﴿وَ اَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ﴾ ''اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

چونکہ عام طور پر اُس معاشرے میں جو باندیاں تھیں وہ بلند کردار نہیں تھیں، لہٰذا فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ تم ان سے نکاح کرنے سے بچو اور تعفف اختیار کرو۔

﴿وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔''

آیات ۲۶ تا ۲۸

﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ وَ یَہۡدِیَکُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ یَتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۶﴾ وَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ ۟ وَ یُرِیۡدُ الَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الشَّہَوٰتِ اَنۡ تَمِیۡلُوۡا مَیۡلًا عَظِیۡمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ ۚ وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾﴾

ان تین آیات میں احکامِ شریعت کے ضمن میں فلسفہ و حکمت کا بیان ہو رہا ہے۔ احکامِ شریعت کو انسان اپنے اوپر بوجھ

سمجھنے لگتا ہے۔ اسے جب حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کرو اور یہ مت کرو تو آدمی کی طبیعت ناگواری محسوس کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے شریعت کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کرسمس کے موقع پر میں لندن میں تھا۔ وہاں میں نے ایک عیسائی دانشور کی تقریر سنی تھی' جس نے کہا تھا کہ شریعت لعنت ہے۔ خواہ مخواہ ایک انسان کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ حلال ہے' یہ حرام ہے۔ جب وہ حرام سے رُک نہیں سکتا تو اس کا دل میلا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خطاکار سمجھنے لگتا ہے اور مجرم ضمیر (guilty conscience) ہو جاتا ہے۔ اس احساس کے تحت وہ منفی نفسیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک اس ساری خرابی کا سبب یہ ہے کہ آپ نے حرام اور حلال کا فلسفہ چھیڑا۔ اگر سب کام حلال سمجھ لیے جائیں تو کوئی حرام کام کرتے ہوئے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ دنیا میں ایسے ایسے فلسفے بھی موجود ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک فلسفۂ احکام یہ ہے:

آیت ۲۶ ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے اپنے احکام واضح کر دے''
﴿وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اور تمہیں ہدایت بخشے ان راستوں کی جو تم سے پہلے کے لوگوں کے تھے''

پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں نیکوکار بھی تھے اور بدکار بھی۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم انبیاء و صلحاء اور نیکوکاروں کا راستہ اختیار کرو ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ اور تم دوسرے راستوں سے بچ سکو۔

﴿وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ط﴾ ''اور تم پر نظرِ عنایت فرمائے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور اللہ سب کچھ جاننے والا کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ قف﴾ ''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے۔''
﴿وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷﴾ ''اور وہ لوگ جو شہوات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ حق سے بھٹک کر دور نکل جاؤ۔''

وہ چاہتے ہیں کہ تمہارا رجحان صراطِ مستقیم کے بجائے غلط راستوں کی طرف ہو جائے اور اُدھر ہی تم بھٹکتے چلے جاؤ۔ آج بھی عورت کی آزادی (Women Lib) کی بنیاد پر اور حقوقِ نسواں کے نام پر دنیا میں جو تحریکیں برپا ہیں یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ حدود و قیود کو توڑ کر جنسی بے راہروی پھیلانے کی ایک عظیم سازش ہے جو دنیا میں چل رہی ہے۔

آیت ۲۸ ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ج﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ کو ہلکا کرے۔''

تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تم پر بوجھ ڈال رہا ہے۔ اللہ تو تم پر تخفیف چاہتا ہے' تم سے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم ان چیزوں پر عمل نہیں کرو گے تو معاشرے میں گندگیاں پھیلیں گی' فساد برپا ہوگا' جھگڑے ہوں گے' بدگمانیاں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اس سب کی روک تھام چاہتا ہے' وہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے۔

﴿وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾﴾ ’’اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔‘‘
اس کے اندر کمزوری کے پہلو بھی موجود ہیں۔ جہاں ایک بہت اونچا پہلو ہے کہ اس میں روحِ ربانی پھونکی گئی ہے‘ وہاں اس کے اندر نفس بھی تو ہے‘ جس میں ضعف کے پہلو موجود ہیں۔

آیات ۲۹ تا ۳۵

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ ۟ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِیۡہِ نَارًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿۳۰﴾ اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَنُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبُوۡا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبۡنَ ؕ وَسۡـَٔلُوا اللّٰہَ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۳۲﴾ وَلِکُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ وَالَّذِیۡنَ عَقَدَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَاٰتُوۡہُمۡ نَصِیۡبَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَہُنَّ فَعِظُوۡہُنَّ وَاہۡجُرُوۡہُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡہُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡہِنَّ سَبِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِہِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہٖ وَحَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہَا ۚ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیۡنَہُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا ﴿۳۵﴾﴾

آیت ۲۹ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ﴾ ’’اے اہل ایمان‘ اپنے مال آپس میں باطل طریقے پر ہڑپ نہ کرو‘‘

﴿اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ ۟﴾ ’’سوائے اس کے کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔‘‘

تجارت اور لین دین کی بنیاد جب حقیقی باہمی رضامندی پر ہو تو اس سے حاصل ہونے والا منافع جائز اور حلال ہے۔ فرض کیجیے کہ آپ کی جوتوں کی دکان ہے۔ آپ نے گاہک کو ایک جوتا دکھایا اور اس کے دام دو سو روپے بتائے۔ اُس نے جوتا پسند کیا اور دو سو روپے میں خرید لیا۔ یہ باہمی رضامندی سے سودا ہے جو سیدھے سادھے اور صحیح طریقے پر ہو گیا۔ ظاہر بات ہے

کہ اس میں سے کچھ نہ کچھ نفع تو آپ نے کمایا ہے۔ آپ نے اس کے لیے محنت کی ہے' کہیں سے خرید کر لائے ہیں' اسے سٹور میں محفوظ کیا ہے' دکان کا کرایہ دیا ہے' لہٰذا یہ منافع آپ کا حق ہے اور گاہک کو اس میں تأمل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ نے یہی جوتا جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر فروخت کیا کہ میں نے تو خود اتنے کا لیا ہے تو اس طرح آپ نے اپنی ساری محنت بھی ضائع کی اور آپ نے حرام کما لیا۔ اسی طرح معاملت اور لین دین کے وہ تمام طریقے جن کی بنیاد جھوٹ اور دھوکہ دہی پر ہو ناجائز اور حرام ہیں۔

﴿وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ﴾ ''اور نہ اپنے آپ کو قتل کرو۔''

یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ تمدن کی بنیاد دو چیزوں پر ہے' احترامِ جان اور احترامِ مال۔ میرے لیے آپ کا مال اور آپ کی جان محترم ہے' میں اسے کوئی گزند نہ پہنچاؤں' اور آپ کے لیے میرا مال اور میری جان محترم ہے' اسے آپ گزند نہ پہنچائیں۔ اگر ہمارے مابین یہ شریفانہ معاہدہ (Gentleman's agreement) قائم رہے تب تو ہم ایک معاشرے اور ایک ملک میں رہ سکتے ہیں' جہاں اطمینان' امن وسکون اور چین ہوگا۔ اور جہاں یہ دونوں احترام ختم ہو گئے' جان کا اور مال کا' تو ظاہر بات ہے کہ پھر وہاں امن وسکون' چین اور اطمینان کہاں سے آئے گا؟ اس آیت میں باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے اور قتل نفس دونوں کو حرام قرار دے کر ان دونوں حرمتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ﴿۲۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا﴾ ''اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا تعدی اور ظلم کے ساتھ''

یعنی یہ دونوں کام —— باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانا اور قتل نفس۔

﴿فَسَوۡفَ نُصۡلِیۡہِ نَارًا ؕ﴾ ''تو ہم جلد اس کو جھونک دیں گے آگ میں۔''

﴿وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿۳۰﴾﴾ ''اور یہ چیز اللہ پر بہت آسان ہے۔''

یہ مت سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نوعِ انسانی کے بہت بڑے حصے کو جہنم میں کیسے جھونک دے گا؟ یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اگلی دو آیات میں انسانی تمدن کے دو بہت اہم مسائل بیان ہو رہے ہیں' جو بڑے گہرے اور فلسفیانہ اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا مسئلہ گناہوں کے بارے میں ہے' جن میں کبائر اور صغائر کی تقسیم ہے۔ بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک اور پھر کفر ہے۔ پھر یہ کہ جو فرائض ہیں ان کا ترک کرنا اور جو حرام چیزیں ہیں ان کا ارتکاب کبائر میں شامل ہوگا۔ ایک ہیں چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں جو انسان سے اکثر ہو جاتی ہیں' مثلاً آداب میں یا احکام کی جزئیات میں کوئی کوتاہی ہو گئی' یا بغیر کسی ارادے کے کہیں کسی کو ایسی بات کہہ بیٹھے کہ جو غیبت کے حکم میں آ گئی' وغیرہ وغیرہ۔ اس ضمن میں صحت مندانہ رویہ یہ ہے کہ کبائر سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے کہ اس سے انسان بالکل پاک ہو جائے۔ فرائض کی پوری ادائیگی ہو' محرمات سے

مطلق اجتناب ہو' اور یہ جو چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں ان کے بارے میں نہ تو ایک دوسرے پر زیادہ گرفت اور نکیر کی جائے اور نہ ہی خود زیادہ دل گرفتہ ہوا جائے' بلکہ ان کے بارے میں توقع رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ ان کے بارے میں استغفار بھی کیا جائے اور یہی صغائر ہیں جو نیکیوں کے ذریعے سے خود بخود بھی ختم ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ اَعضائے وضو دھوتے ہوئے ان اعضاء کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کرتا ہے تو جب وہ کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے تو اُس کے منہ اور ناک سے اس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں سے اُس کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے گناہ نکل جاتے ہیں' یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ دھل جاتے ہیں۔ جب وہ سر کا مسح کرتا ہے تو اُس کے سر اور کانوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں سے گناہ نکل جاتے ہیں' یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔ پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کی نیکیوں میں اضافہ بنتا ہے۔ [(۱)]

یہ صغیرہ گناہ ہیں جو نیکیوں کے اثر سے معاف ہوتے رہتے ہیں' از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ط﴾ (ھود:۱۱۴) ''یقیناً نیکیاں برائیوں کو دُور کر دیتی ہیں''۔ ان برائیوں سے مراد کبائر نہیں' صغائر ہیں۔ کبائر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے (اِلّا ماشاءاللہ!) ان کے لیے توبہ کرنی ہوگی۔ اور جو اکبر الکبائر یعنی شرک ہے اس کے بارے میں تو اس سورت میں دو مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ط﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ یہ بات تو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے' اور اس کے ماسوا جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا''۔ لیکن ہمارے ہاں مذہب کا جو مسخ شدہ (perverted) تصور موجود ہے اس سے ایک ایسا مذہبی مزاج وجود میں آتا ہے کہ جو کبائر ہیں وہ تو ہو رہے ہیں' سود خوری ہو رہی ہے' حرام خوری ہو رہی ہے' مگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر نکیر ہو رہی ہے۔ ساری گرفت ان باتوں پر ہو رہی ہے کہ تمہاری داڑھی کیوں شرعی نہیں ہے' اور تمہارا پائنچہ ٹخنوں سے نیچے کیوں ہے؟ قرآن مجید میں اس معاملے کو تین جگہ نقل کیا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں درگزر سے بھی کام لو اور یہ کہ بہت زیادہ متفکر بھی نہ ہو۔ اس معاملے میں باہمی نسبت و تناسب پیشِ نظر رہنی چاہیے۔ فرمایا:

آیت ۳۱ ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ ''اگر تم اجتناب کرتے رہو گے اُن بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں روکا جا رہا ہے''

﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ ''تو ہم تمہاری چھوٹی برائیوں کو تم سے دور کر دیں گے''

ہم تمہیں ان سے پاک صاف کرتے رہیں گے۔ تم جو بھی نیک کام کرو گے ان کے حوالے سے تمہاری سیّئات خود بخود دھلتی رہیں گی۔

﴿وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا﴾ ’’اور تمہیں داخل کریں گے بہت باعزت جگہ پر۔‘‘

یہ مضمون سورۃ الشوریٰ میں بھی آیا ہے اور پھر سورۃ النجم میں بھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں اور یہ مضمون قرآن میں تین بار آیا ہے۔

دوسرا مسئلہ انسانی معاشرے میں فضیلت کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا تو نہیں بنایا ہے۔ کسی کو خوبصورت بنا دیا تو کسی کو بدصورت۔ کوئی صحیح سالم ہے تو کوئی ناقص الاعضاء ہے۔ کسی کا قد اونچا ہے تو کوئی ٹھگنے قد کا ہے اور لوگ اس پر ہنستے ہیں۔ کسی کو مرد بنا دیا' کسی کو عورت۔ اب کوئی عورت اندر ہی اندر کُڑھتی رہے کہ مجھے اللہ نے عورت کیوں بنایا تو اس کا حاصل کیا ہوگا؟ اسی طرح کوئی بدصورت انسان ہے یا ٹھگنا ہے یا کسی اور اعتبار سے کمتر ہے اور وہ دوسرے شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ تو بڑا اچھا ہے' تو اب اس پر کڑھنے کے بجائے یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے اس پر صبر اور شکر کرے۔ اللہ کا فضل کسی اور پہلو سے بھی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا وہ ارادہ کرے کہ میں نیکی اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھ جاؤں' میں علم میں آگے بڑھ جاؤں۔ اس طرح انسان دوسری چیزوں سے ان چیزوں کی تلافی کر لے جو اسے میسر نہیں ہیں' بجائے اس کے کہ ایک منفی نفسیات پروان چڑھتی چلی جائے۔ اس طرح انسان احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور اندر ہی اندر کڑھتے رہنے سے طرح طرح کی ذہنی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ذہنی الجھنوں' محرومیوں اور ناکامیوں کے احساسات کے تحت انسان اپنا ذہنی توازن تک کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے اس ضمن میں کس قدر عمدہ تعلیم دی جا رہی ہے:

آیت ۳۲ ﴿وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ﴾ ’’اور تمنا نہ کیا کرو اُس شے کی جس کے ذریعے سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو ان کی خلقی صفات کے اعتبار سے دوسروں پر فضیلت دی ہے۔ آدمی کی یہ ذہنیت کہ جہاں کسی دوسرے کو اپنے مقابلہ میں کسی حیثیت سے بڑھا ہوا دیکھے بے چین ہو جائے' اس کے اندر حسد' رقابت اور عداوت کے جذبات پیدا کر دیتی ہے۔ اس آیت میں اسی ذہنیت سے بچنے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔ فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مرد بنایا' کسی کو عورت۔ یہ چیز بھی خلقی ہے اور کسی عورت کی مرد بننے یا کسی مرد کی عورت بننے کی تمنا نری حماقت ہے۔ البتہ دنیا میں قسمت آزمائی اور جدوجہد کے مواقع سب کے لیے موجود ہیں۔ چنانچہ پہلی بات یہ بتائی جا رہی ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا ؕ﴾ ’’مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں گے۔‘‘

﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ ؕ﴾ ’’اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں گی۔‘‘

یعنی جہاں تک نیکیوں' خیرات اور حسنات کا معاملہ ہے' یا سیئات و منکرات کا معاملہ ہے' مرد و زن میں بالکل مساوات ہے۔ مرد نے جو نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے اور عورت نے جو نیکی کمائی وہ اس کے لیے ہے۔ مسابقت کا یہ میدان دونوں کے لیے کھلا ہے۔ عورت نیکی میں مرد سے آگے نکل سکتی ہے۔ کروڑوں مرد ہوں گے جو قیامت کے دن حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کے مقام پر رشک کریں گے اور ان کی خاک کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ آدمی کا طرزِ عمل تسلیم و رضا کا ہونا چاہیے کہ جو بھی اللہ نے مجھے بنا دیا اور جو کچھ مجھے عطا فرمایا اس حوالے سے مجھے بہتر سے بہتر کرنا ہے۔ میرا ''شاکلہ'' تو اللہ کی طرف سے آ گیا ہے، جس سے میں تجاوز نہیں کر سکتا: ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ﴾ (بنی اسراء یل:٨٤) اور ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ﴾ (آیت ٢٨٦) لہٰذا میری ''وسعت'' جو ہے وہ اللہ نے بنا دی ہے۔

سورۃ النساء کی زیر مطالعہ آیت سے بعض لوگ یہ مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عورتیں بھی مال کما سکتی ہیں۔ یہ بات سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید میں صرف ایک مقام (البقرۃ:٢٦٧) پر ''کسب'' کا لفظ معاشی جدوجہد اور معاشی کمائی کے لیے آیا ہے: ﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾۔ باقی پورے قرآن میں ''کسب'' جہاں بھی آیا ہے اعمال کے لیے آیا ہے۔ کسب حسنات نیکیاں کمانا ہے اور کسب سیئات بدیاں کمانا۔ آپ اس آیت کے الفاظ پر دوبارہ غور کیجیے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ﴾ ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے کمایا''۔ تو کیا ایک عورت کی تنخواہ اگر دس ہزار ہے تو اسے اس میں سے پانچ ہزار ملیں گے؟ نہیں، بلکہ اسے پوری تنخواہ ملے گی۔ لہٰذا اس آیت میں ''کسب'' کا اطلاق دُنیوی کمائی پر نہیں کیا جا سکتا۔ ایک خاتون کوئی کام کرتی ہے یا کہیں ملازمت کرتی ہے تو اگر اس میں کوئی حرام پہلو نہیں ہے، شریفانہ جاب ہے، اور وہ ستر و حجاب کے آداب بھی ملحوظ رکھتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو بھی کمائی ہو گی وہ پوری اس کی ہو گی، اس میں اس کا حصہ تو نہیں ہو گا۔ البتہ یہ اسلوب جزائے اعمال کے لیے آتا ہے کہ انہیں ان کی کمائی میں سے حصہ ملے گا۔ اس لیے کہ اعمال کے مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس عمل میں خلوصِ نیت کتنا تھا اور آداب کتنے ملحوظ رکھے گئے۔ ہم سورۃ البقرۃ میں حج کے ذکر میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ﴾ (آیت ٢٠٢) یعنی جو انہوں نے کمایا ہو گا اس میں سے انہیں حصہ ملے گا۔ اسی طرح یہاں پر بھی اکتساب سے مراد اچھے یا برے اعمال کمانا ہے۔ یعنی اخلاقی سطح پر اور انسانی عزت و تکریم کے لحاظ سے عورت اور مرد برابر ہیں، لیکن معاشرتی ذمہ داریوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو تقسیم کار رکھی ہے اس کے اعتبار سے فرق ہے۔ اب اگر عورت اس فرق کو قبول کرنے پر تیار نہ ہو، مفاہمت پر رضامند نہ ہو، اور وہ اس پر کڑھتی رہے اور مرد کے بالکل برابر ہونے کی کوشش کرے تو ظاہر ہے کہ معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

﴿وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اور اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔''

یعنی جو فضیلت اللہ نے دوسروں کو دے رکھی ہے اس کی تمنا نہ کرو، البتہ اُس سے فضل کی دعا کرو کہ اے اللہ! تو نے اس معاملے میں مجھے کمتر رکھا ہے، تو مجھے دوسرے معاملات کے اندر ہمت دے کہ میں ترقی کروں۔ اللہ تعالیٰ جس پہلو سے مناسب سمجھے گا اپنا فضل تمہیں عطا فرما دے گا۔ وہ بہت سے لوگوں کو کسی اور پہلو سے نمایاں کر دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۳۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔''

آیت ۳۳ ﴿وَ لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ﴾ ''اور ہر ایک کے لیے ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں جو بھی والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔''

قانونِ وراثت کی اہمیت کو دیکھئے کہ اب آخر میں ایک مرتبہ پھر اس کا ذکر فرمایا۔

﴿وَ الَّذِیۡنَ عَقَدَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَاٰتُوۡہُمۡ نَصِیۡبَہُمۡ ؕ﴾ ''اور جن کے ساتھ تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کو ان کا حصہ دو۔''

ایک نیا مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ جن لوگوں کے ساتھ دوستی اور بھائی چارہ ہے یا مواخات کا رشتہ ہے (مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا تھا) تو کیا ان کا وراثت میں بھی حصہ ہے؟ اس آیت میں فرمایا گیا کہ وراثت تو اُسی قاعدہ کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہونی چاہیے جو ہم نے مقرر کر دیا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ تمہارے دوستی اور بھائی چارے کے عہد و پیمان ہیں' یا جو منہ بولے بھائی یا بیٹے ہیں ان کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے' البتہ اپنی زندگی میں ان کے ساتھ جو بھلائی کرنا چاہو کر سکتے ہو' انہیں جو کچھ دینا چاہو دے سکتے ہو' اپنی وراثت میں سے بھی کچھ وصیت کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ لیکن جو قانونِ وراثت طے ہو گیا ہے اُس میں کسی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ وراثت میں حق دار کوئی اور نہیں ہوگا سوائے اُس کے جس کو اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴿۳۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔''

اب آ رہی ہے اصل میں وہ کانٹے دار آیت جو عورتوں کے حلق سے بہت مشکل سے اُترتی ہے' کانٹا بن کر اٹک جاتی ہے۔ اب تک اس ضمن میں جو باتیں آئیں وہ دراصل اس کی تمہید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی تمہید سورۃ البقرۃ میں آ چکی ہے: ﴿وَ لَہُنَّ مِثۡلُ الَّذِیۡ عَلَیۡہِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیۡہِنَّ دَرَجَۃٌ ؕ﴾ (آیت ۲۲۸) ''اور عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں دستور کے مطابق' البتہ مردوں کے لیے اُن پر ایک درجہ فوقیت کا ہے''۔ یہ کہہ کر بات چھوڑ دی گئی۔ اس کے بعد ابھی ہم نے پڑھا: ﴿وَ لَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ﴾ یہ ہدایت عورتوں کے لیے مزید ذہنی تیاری کی غرض سے دی گئی۔ اور اب دوٹوک انداز میں ارشاد ہو رہا ہے:

آیت ۳۴ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں''

یہ ترجمہ میں زور دے کر کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ یہاں قَامَ 'عَلٰی' کے صلہ کے ساتھ آ رہا ہے۔ قَامَ 'بِ' کے ساتھ آئے گا تو معنی ہوں گے ''کسی شے کو قائم کرنا''۔ اسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر یہ الفاظ آئیں گے: ﴿کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ﴾ ''عدل کو قائم کرنے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ!'' جبکہ قَامَ عَلٰی کا مفہوم ہے کسی کے اوپر مسلط ہونا' یعنی حاکم اور منتظم ہونا۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ سے یہ واضح ہدایت ملتی ہے کہ گھر کے ادارے میں حاکم ہونے کی حیثیت مرد کو حاصل ہے'

سربراہِ خاندان مرد ہے‘ عورت نہیں ہے۔عورت کو بہرحال اس کے ساتھ ایک وزیر کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔یوں تو ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میری بات مانی جائے۔گھر کے اندر مرد بھی یہ چاہتا ہے اور عورت بھی۔لیکن آخرکار کس کی بات چلے گی؟ یا تو دونوں باہمی رضامندی سے کسی مسئلے میں متفق ہو جائیں‘ بیوی اپنے شوہر کو دلیل سے‘ اپیل سے‘ جس طرح ہو سکے قائل کر لے تو معاملہ ٹھیک ہو گیا۔لیکن اگر معاملہ طے نہیں ہو رہا تو اب کس کی رائے فیصلہ کن ہو گی؟ مرد کی! عورت کی رائے جب مسترد ہو گی تو اُسے اس سے ایک صدمہ تو پہنچے گا۔اسی صدمے کا اثر کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورت میں نسیان کا مادہ زیادہ رکھ دیا ہے‘ جو ایک safety valve کا کام دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قانونِ شہادت میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کا نصاب رکھا گیا ہے ’’تاکہ ان میں سے کوئی ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرا دے‘‘۔اس پر ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۸۲) میں بھی گفتگو کر چکے ہیں۔بہرحال اللہ تعالیٰ نے گھر کے ادارے کا سربراہ مرد کو بنایا ہے۔اب یہ دوسری بات ہے کہ مرد اگر اپنی اس حیثیت کا غلط استعمال کرتا ہے‘ عورت پر ظلم کرتا ہے اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اللہ کے ہاں بڑی سخت پکڑ ہو گی۔آپ کو ایک اختیار دیا گیا ہے اور آپ اس کا غلط استعمال کر رہے ہیں‘ اس کو ظلم کا ذریعہ بنا رہے ہیں تو اس کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو مل جائے گی۔

﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ’’بسبب اُس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے‘‘

مرد کو بعض صفات میں عورت پر نمایاں تفوّق حاصل ہے‘ جن کی بنا پر قوّامیت کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی ہے۔

﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط﴾ ’’اور بسبب اس کے کہ جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال۔‘‘

اسلام کے معاشرتی نظام میں کفالتی ذمہ داری تمام تر مرد کے اوپر ہے۔شادی کے آغاز ہی سے مرد اپنا مال خرچ کرتا ہے۔شادی اگرچہ مرد کی بھی ضرورت ہے اور عورت کی بھی‘ لیکن مرد مہر دیتا ہے‘ عورت مہر وصول کرتی ہے۔پھر گھر میں عورت کا نان نفقہ مرد کے ذمے ہے۔

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ ’’پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں‘‘

مرد کو قوامیت کے منصب پر فائز کرنے کے بعد اب نیک بیویوں کا رویہ بتایا جا رہا ہے۔ یوں سمجھئے کہ قرآن کے نزدیک ایک خاتونِ خانہ کی جو بہترین روش ہونی چاہیے وہ یہاں تین الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾۔

﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾ ’’غیب میں حفاظت کرنے والیاں‘‘

وہ مردوں کی غیر موجودگی میں ان کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ظاہر ہے مرد کا مال تو گھر میں ہی ہوتا ہے‘ وہ کام پر چلا گیا تو اب وہ بیوی کی حفاظت میں ہے۔اسی طرح بیوی کی عصمت درحقیقت مرد کی عزت ہے۔وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کرتی ہے۔اسی طرح مرد کے راز ہوتے ہیں‘ جن کی سب سے زیادہ بڑھ کر رازدان بیوی ہوتی ہے۔تو یہ حفاظت تین اعتبارات سے ہے‘ شوہر کے مال کی‘ شوہر کی عزت و ناموس کی‘ اور شوہر کے رازوں کی۔

﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط﴾ ’’اللہ کی حفاظت سے۔‘‘

اصل حفاظت ونگرانی تو اللہ کی ہے' لیکن انسان کو اپنی ذمہ داری ادا کرنی پڑتی ہے۔ جیسے رازق تو اللہ ہے' لیکن انسان کو کام کر کے رزق کمانا پڑتا ہے۔

﴿وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ﴾ ''اور وہ خواتین جن کے بارے میں تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو''

اگر کسی عورت کے رویے سے ظاہر ہو رہا ہو کہ یہ سرکشی' سرتابی' ضد اور ہٹ دھرمی کی روش پر چل پڑی ہے' شوہر کی بات نہیں مان رہی بلکہ ہر صورت میں اپنی بات منوانے پر مصر ہے اور اس طرح گھر کی فضا خراب کی ہوئی ہے تو یہ نشوز ہے۔ اگر عورت اپنی اس حیثیت کو ذہناً تسلیم نہ کرے کہ وہ شوہر کے تابع ہے تو ظاہر بات ہے کہ مزاحمت (friction) ہوگی اور اس کے نتیجے میں گھر کے اندر ایک فساد پیدا ہوگا۔ ایسی صورت حال میں مرد کو قوّام ہونے کی حیثیت سے بعض تادیبی اختیارات دیے گئے ہیں' جن کے تین مراحل ہیں:

﴿فَعِظُوۡهُنَّ﴾ ''پس ان کو نصیحت کرو''

پہلا مرحلہ سمجھانے بجھانے کا ہے' جس میں ڈانٹ ڈپٹ بھی شامل ہے۔

﴿وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ﴾ ''اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو''

اگر نصیحت و ملامت سے کام نہ چلے تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ان سے اپنے بستر علیحدہ کر لو اور اس کے ساتھ تعلق زن و شو کچھ عرصہ کے لیے منقطع کر لو۔

﴿وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ﴾ ''اور ان کو مارو۔''

اگر اب بھی وہ اپنی روش نہ بدلیں تو مرد کو جسمانی سزا دینے کا بھی اختیار ہے۔ اس ضمن میں آنحضورﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ چہرے پر نہ مارا جائے اور کوئی ایسی مار نہ ہو جس کا مستقل نشان جسم پر پڑے۔ مذکورہ بالا تادیبی ہدایات اللہ کے کلام کے اندر بیان فرمائی گئی ہیں اور انہیں بیان کرنے میں ہمارے لیے کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے۔ معاشرتی زندگی کو درست رکھنے کے لیے ان کی ضرورت پیش آئے تو انہیں اختیار کرنا ہوگا۔

﴿فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ﴾ ''پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف (خواہ مخواہ زیادتی کی) راہ مت تلاش کرو۔''

اگر عورت سرکشی و سرتابی کی روش چھوڑ کر اطاعت کی راہ پر آجائے تو پچھلی کدورتیں بھلا دینی چاہئیں۔ اس سے انتقام لینے کے بہانے تلاش نہیں کرنے چاہئیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے' بہت بڑا ہے۔''

آیت ۳۵ ﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا﴾ ''اور اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو''

’’اب اگر کوئی تدبیر نتیجہ خیز نہ ہو اور ان دونوں کے مابین ضدم ضدا کی کیفیت پیدا ہو چکی ہو کہ عورت بھی اکڑ گئی ہے‘ مرد بھی اکڑا ہوا ہے‘ اور اب ان کا ساتھ چلنا مشکل نظر آ تا ہو تو اصلاحِ احوال کے لیے ایک دوسری تدبیر اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔‘‘

﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ﴾ ’’تو ایک حَکَم مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے۔‘‘

﴿اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ﴾ ’’اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔‘‘

’’اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا ‘‘میں مراد زَوجین بھی ہو سکتے ہیں اور حکمین بھی۔ یعنی ایک تو یہ کہ اگر واقعتاً شوہر اور بیوی موافقت چاہتے ہیں تو اللہ ان کے درمیان سازگاری پیدا فرما دے گا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کی خواہش ہوتی ہے کہ معاملہ درست ہو جائے‘ لیکن کوئی نفسیاتی گرہ ایسی بندھ جاتی ہے جسے کھولنا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ اب اگر دونوں کے خاندانوں میں سے ایک ایک ثالث آ جائے گا اور وہ دونوں مل بیٹھ کر خیر خواہی کے جذبے سے اصلاحِ احوال کی کوشش کریں گے تو اس گرہ کو کھول سکیں گے۔ یہ دونوں اسبابِ اختلاف کی تحقیق کریں گے‘ میاں بیوی دونوں کے گلے شکوے اور وضاحتیں سنیں گے اور دونوں کو سمجھا بجھا کر تصفیہ کی کوئی صورت نکالیں گے۔ ’’اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا ‘‘میں مراد حکمین بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر وہ اصلاح کی پوری کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے مابین موافقت پیدا فرما دے گا۔ لیکن میرا رجحان پہلی رائے کی طرف زیادہ ہے کہ اس سے مراد میاں بیوی ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۞۳۵﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔‘‘

آیات ۳۶ تا ۴۳

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۞۳۶ ۨ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۞۳۷ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۞۳۸
وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۞۳۹ اِنَّ

اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ فَکَیْفَ اِذَا
جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ ۢ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰۤؤُلَآءِ شَھِیْدًا ﴿۴۱﴾ یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِھِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰہَ حَدِیْثًا ﴿۴۲﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی
تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰۤی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ
تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا
غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾﴾

اس سے قبل سورۃ البقرۃ آیت ۸۳ میں بنی اسرائیل سے لیے جانے والے میثاق کا ذکر آیا تھا۔اس میثاق میں جو باتیں مذکور تھیں وہ گویا اُمہاتِ شریعت یا دین کی بنیادیں ہیں۔ارشاد ہوا: ''اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ تم نہیں عبادت کرو گے کسی کی سوائے اللہ کے' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو گے اور قرابت داروں' یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھی' اور لوگوں سے اچھی بات کہو' اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو''۔اب یہ دوسرا مقام آ رہا ہے کہ شریعت کے اندر جو چیزیں اہم تر ہیں اور جنہیں معاشرتی سطح پر مقدم رکھنا چاہیے وہ بیان کی جا رہی ہیں۔فرمایا:

آیت ۳۶ ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا﴾ ''اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو بھی اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ''

سب سے پہلا حق اللہ کا ہے کہ اُسی کی بندگی اور پرستش کرو' اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

﴿وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ ''اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو''

قرآن حکیم میں ایسے چار مقامات ہیں جہاں اللہ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حق کا تذکرہ ہے۔یہ بھی ہمارے خاندانی نظام کے لیے بہت اہم بنیاد ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہو' ان کا ادب و احترام ہو' ان کی خدمت کی جائے' ان کے سامنے آواز پست رکھی جائے۔یہ بات سورۂ بنی اسرائیل میں بڑی تفصیل سے آئے گی۔ہمارے معاشرے میں خاندان کے استحکام کی یہ ایک بہت اہم بنیاد ہے۔

﴿وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ﴾ ''اور قرابت داروں' یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ''

﴿وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ ''اور قرابت دار ہمسائے اور اجنبی ہمسائے کے ساتھ''

پہلے عام طور پر محلے ایسے ہی ہوتے تھے کہ ایک قبیلہ ایک ہی جگہ رہ رہا ہے' رشتہ داری بھی ہے اور ہمسائیگی بھی۔لیکن کوئی اجنبی ہمسایہ بھی ہوسکتا ہے۔جیسے آج کل شہروں میں ہمسائے اجنبی ہوتے ہیں۔

﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ﴾ ''اور ہم نشین ساتھی اور مسافر کے ساتھ''

ایک ہمسائیگی عارضی نوعیت کی بھی ہوتی ہے۔مثلاً آپ بس میں بیٹھے ہوئے ہیں' آپ کے برابر بیٹھا ہوا شخص آپ کا ہمسایہ ہے۔نیز جو لوگ کسی بھی اعتبار سے آپ کے ساتھی ہیں' آپ کے پاس بیٹھنے والے ہیں' وہ سب آپ کے حسنِ سلوک کے مستحق ہیں۔

﴿وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ﴾ ''اور وہ لونڈی غلام جو تمہارے ملکِ یمین ہیں (ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو)۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ۳۶﴾ ''اللہ بالکل پسند نہیں کرتا اُن لوگوں کو جو شیخی خورے اور اکڑنے والے ہوں۔''

آیت ۳۷ ﴿ۨالَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ ''جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں''

جن میں یہ شیخی خوری اور اکڑ ہوتی ہے پھر وہ بخیل بھی ہوتے ہیں۔اس لیے کہ غرور وتکبر عام طور پر دولت کی بنا پر ہوتا ہے۔انہیں معلوم ہے کہ ہمارے پاس جو دولت ہے اگر یہ خرچ ہوگئی تو ہمارا وہ مقام نہیں رہے گا' لوگوں کی نظروں میں ہماری عزت نہیں رہے گی۔لہٰذا وہ اپنا مال خرچ کرنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔اس پر انہیں یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں ملامت کریں گے کہ تم بڑے بخیل ہو' چنانچہ وہ خود لوگوں کو اس طرح کے مشورے دینے لگتے ہیں کہ بابا اس طرح کھلا خرچ نہ کیا کرو' تم خواہ مخواہ پیسے اڑاتے ہو' عقل کے ناخن لو' کچھ نہ کچھ بچا کے رکھا کرو' وقت پر کام آئے گا۔اس طرح وہ لوگوں کو بھی بخل ہی کا مشورہ دیتے ہیں۔

﴿وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اور وہ چھپاتے ہیں اس کو جو اللہ نے انہیں اپنے فضل میں سے دیا ہے۔''

اپنی دولت کو چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔انہیں یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ دولت ظاہر ہوگی تو کوئی سائل سوال کر بیٹھے گا۔لہٰذا خود ہی مسکین صورت بنائے رکھتے ہیں کہ کوئی ان کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے۔

﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۳۷﴾ ''اور ایسے ناشکروں کے لیے ہم نے بڑا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ﴾ ''اور وہ لوگ (بھی اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے''

﴿وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ ''اور وہ حقیقت میں ایمان نہیں رکھتے نہ اللہ پر نہ یومِ آخر پر۔''

﴿وَمَنۡ یَّکُنِ الشَّیۡطٰنُ لَہٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۸﴾﴾ ''(ایسے لوگ گویا شیطان کے ساتھی ہیں) اور جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿وَمَاذَا عَلَیۡہِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ ''ان لوگوں پر کیا آفت آ جاتی اگر یہ اللہ اور یومِ آخر پر (صدقِ دل سے) ایمان لے آتے''

﴿وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَہُمُ اللّٰہُ ؕ﴾ ''اور خرچ کرتے (کھلے دل کے ساتھ) اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے۔''

﴿وَکَانَ اللّٰہُ بِہِمۡ عَلِیۡمًا ﴿۳۹﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح واقف ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ﴾ ''یقیناً اللہ کسی پر ذرّے کے ہم وزن بھی ظلم نہیں کرے گا۔''

﴿وَاِنۡ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفۡہَا﴾ ''اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا بڑھائے گا''

﴿وَیُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡہُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾﴾ ''اور خاص اپنے خزانہ فضل سے مزید بہت بڑا اجر دے گا۔''

اس سورۂ مبارکہ کی اگلی آیت بڑی اہم ہے۔ یہ اُس شہادت علی الناس سے متعلق ہے جو مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴۳) میں آیا تھا کہ اے مسلمانو! تمہیں اب شہداء علی الناس بنایا گیا ہے' جیسے کہ نبیؐ نے تم پر شہادت دی ہے۔ نبی مکرمﷺ قیامت کے دن کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ میرے پاس جو دین آیا تھا میں نے انہیں پہنچا دیا تھا' اب یہ اپنے طرزِ عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ یہی بات قیامت کے دن کھڑے ہو کر تمہیں کہنی ہے کہ اے اللہ ہم نے اپنے زمانے کے لوگوں تک تیرا دین پہنچا دیا تھا' اب اس کے بعد اپنے طرزِ عمل کے یہ خود جواب دہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ الٹا وہ ہمارے اوپر مقدمہ کریں کہ اے اللہ ان بدبختوں نے ہمیں تیرا دین نہیں پہنچایا' یہ خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے رہے۔ یہ تو شہادت کا ایک رخ ہے' لیکن جس کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہو' واقعہ یہ ہے کہ اس کے لیے تو یہ ایک بہت بھاری بوجھ ہے۔ یہاں اس کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن کیا ہوگا۔

آیت ۴۱ ﴿فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیۡدٍ﴾ ''تو اُس دن کیا صورت حال ہوگی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے''

یعنی اُس نبی اور رسول کو گواہ بنا کر کھڑا کریں گے جس نے اس اُمت کو دعوت پہنچائی ہوگی۔

﴿وَّجِئۡنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیۡدًا ﴿۴۱﴾﴾ ''اور (اے نبی) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ بنا کر۔''

یعنی آپؐ کو کھڑے ہو کر کہنا ہوگا کہ اے اللہ! میں نے ان تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ ہماری عدالتی اصطلاح میں اسے استغاثہ کا گواہ (prosecution witness) کہا جاتا ہے۔ گویا عدالتِ خداوندی میں نبی مکرمﷺ استغاثہ کے گواہ کی

حیثیت سے پیش ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ' تیرا پیغام جو مجھ تک پہنچا تھا میں نے انہیں پہنچا دیا تھا' اب یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ چنانچہ اپنی ہی قوم کے خلاف گواہی آ گئی نا؟ یہاں الفاظ نوٹ کر لیجیے: عَلٰی هٰٓـؤُلَآءِ شَهِيْدًا اور عَلٰی ہمیشہ مخالفت کے لیے آتا ہے۔ ہم تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے شفاعت کی امید میں ہیں اور یہاں ہمارے خلاف مقدمہ قائم ہونے چلا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ دربارِ خداوندی میں ہمارے خلاف گواہی دیں گے کہ اے اللہ! میں نے تیرا دین ان کے سپرد کیا تھا' اب اسے دنیا میں پھیلانا ان کا کام تھا' لیکن انہوں نے خود دین کو چھوڑ دیا۔ سورۃ الفرقان میں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾﴾ ''اور رسولؐ کہیں گے کہ پروردگار' میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا تھا''۔ سورۃ النساء کی آیت زیر مطالعہ کے بارے میں ایک واقعہ بھی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ! انہوں نے عرض کیا حضور آپ کو سناؤں؟ آپؐ پر تو نازل ہوا ہے۔ فرمایا: ہاں' لیکن مجھے کسی دوسرے سے سن کر کچھ اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی۔ حضورؐ بھی سن رہے تھے' باقی اور صحابہؓ بھی ہوں گے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گردن جھکائے پڑھتے جا رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓـؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾﴾ تو حضور ﷺ نے فرمایا: حَسْبُكَ' حَسْبُكَ (بس کرو' بس کرو!) عبداللہ بن مسعودؓ نے سر اٹھا کر دیکھا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس وجہ سے کہ مجھے اپنی قوم کے خلاف گواہی دینی ہو گی۔

آیت ۴۲ ﴿يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ﴾ ''اُس دن تمنا کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی کہ کاش ان کے سمیت زمین برابر کر دی جائے۔''

یعنی کسی طرح زمین پھٹ جائے اور ہم اس میں دفن ہو جائیں' ہمیں نسیاً منسیّا کر دیا جائے۔

﴿وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾﴾ ''اور وہ اللہ سے کوئی بات بھی چھپا نہیں سکیں گے۔''

آیت ۴۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی﴾ ''اے اہل ایمان' نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے کی حالت میں ہو''

﴿حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ ''یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جو کچھ تم کہہ رہے ہو''

سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں شراب اور جوئے کے بارے میں محض اظہارِ ناراضگی فرمایا گیا تھا کہ ﴿اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ﴾ ''ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے۔'' اب اگلے قدم کے طور پر شراب کے اندر جو خباثت' شناعت اور برائی کا پہلو ہے اسے ایک مرتبہ اور اجاگر کیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو۔ جب تک نشہ اُتر نہ جائے اور تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اُس وقت تک نماز نہ پڑھا کرو۔ چونکہ شراب کی حرمت کا حکم ابھی نہیں آیا تھا لہٰذا بعض اوقات لوگ نشے کی حالت ہی میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے۔ ایسے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ کسی نے نشے میں نماز پڑھائی اور ''لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ'' کے بجائے ''اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ'' پڑھ دیا۔ اس پر خاص طور پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ کے الفاظ قابلِ غور ہیں کہ جب تک کہ تم شعور کے ساتھ سمجھ نہ رہے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو! اس میں ایک اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ بے سمجھے نماز مت پڑھا کرو! یعنی ایک تو مدہوشی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا اور غلط سلط پڑھ رہے ہیں تو اس سے روکا جا رہا ہے' اور ایک سمجھتے ہی نہیں کہ نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم کہہ کیا رہے ہو۔ اب جنہیں قرآن مجید کے معنی نہیں آتے' نماز کے معنی نہیں آتے' انہیں کیا پتا کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہے ہیں!

﴿وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ﴾ ''اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے قریب نہ جاؤ) جب تک غسل نہ کرلو' اِلّا یہ کہ راستے سے گزرتے ہوئے۔''

اگر تم نے اپنی بیویوں سے مباشرت کی ہو یا احتلام وغیرہ کی شکل ہو گئی ہو تب بھی تم نماز کے قریب مت جاؤ جب تک کہ غسل نہ کرلو۔ '' اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ '' کے بارے میں بہت سے قول ہیں۔ بعض فقہاء اور مفسرین نے اس کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ حالتِ جنابت میں مسجد میں نہ جانا چاہیے' اِلا یہ کہ کسی کام کے لیے مسجد میں سے گزرنا ہو' جبکہ بعض نے اس سے مراد سفر لیا ہے۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو''

آدمی کو تیز بخار ہے یا کوئی اور تکلیف ہے جس میں غسل کرنا مضر ثابت ہو سکتا ہے تو تیمّم کی اجازت ہے۔ اسی طرح کوئی شخص سفر میں ہے اور اسے پانی دستیاب نہیں ہے تو وہ تیمّم کرلے۔

﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ ''یا تم میں سے کوئی قضاءِ حاجت کے بعد آیا ہو''

﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ ''یا تم نے عورتوں کے ساتھ مباشرت کی ہو''

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ ''پھر تم پانی نہ پاؤ''

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ ''تو پاک مٹی کا قصد کرو''

یعنی وہ تمام صورتیں جن میں غسل یا وضو واجب ہے' ان میں اگر بیماری غسل سے مانع ہو' حالت سفر میں نہانا ممکن نہ ہو' قضائے حاجت یا عورتوں سے مباشرت کے بعد پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا جائے۔

﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ﴾ ''اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لیلۃ القدر کی جو دعا مروی ہے اس میں یہی لفظ آیا ہے: ((اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ)) ''اے اللہ' تو معاف فرمانے والا ہے' معافی کو پسند کرتا ہے' پس تو مجھے معاف فرما دے!''

سورۃ النساء کی ان تینتالیس آیات میں وہی سورۃ البقرۃ کا انداز ہے کہ شریعت کے احکام مختلف گوشوں میں' مختلف پہلوؤں سے بیان ہوئے۔ عبادات کے ضمن میں تیمّم کا ذکر آ گیا' وراثت کا قانون پوری تفصیل سے بیان ہو گیا اور معاشرے

میں جنسی بے راہ روی کی روک تھام کے لیے احکام آ گئے‘ تاکہ ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں آئے جہاں ایک مستحکم خاندانی نظام ہو۔ اب یہاں ایک مختصر سا خطاب اہلِ کتاب کے بارے میں آ رہا ہے۔

آیات ۴۴ تا ۵۷

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۴۴﴾
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِکُمْ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَلِیًّا ۙ وَّکَفٰی بِاللّٰهِ نَصِیْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ
الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا ۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا
فِی الدِّیْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰکِنْ
لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۴۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤی اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ کَمَا لَعَنَّاۤ
اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ
ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ
اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ ؕ
وَکَفٰی بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ
وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ
وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْکِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا
﴿۵۳﴾ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ
وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَکَفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا
لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا
ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾﴾

آیت ۴۴ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا“

وہ ''الکتاب'' ایک حقیقت ہے جس میں سے ایک حصہ تورات اور ایک حصہ انجیل کے نام سے نازل ہوا اور پھر وہ کتاب ہر اعتبار سے کامل ہو کر قرآن کی شکل میں نازل ہوئی۔

﴿یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۴۴﴾﴾ ''وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ۔''

مشرکین مکہ بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے کہ لوگ لہو ولعب میں مشغول رہیں اور قرآن نہ سنیں۔ انہوں نے ایران سے رستم و اسفندیار کے قصے منگوا کر داستان گوئی کا سلسلہ شروع کیا اور گانے بجانے والی لونڈیوں اور آلاتِ موسیقی کا انتظام کیا تا کہ لوگ انہی چیزوں میں مشغول رہیں اور حضورﷺ کی بات کوئی نہ سنے۔ اسی طرح مدینہ میں یہود کا بھی یہی معاملہ تھا کہ وہ خود بھی گمراہ کن مشاغل اختیار کرتے اور دوسروں کو بھی اس میں مشغول کرنے کی کوشش کرتے۔ ہمارے زمانے میں اس قسم کے مشاغل کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ہمارے ہاں جب کرکٹ میچ ہو رہے ہوتے ہیں اور ٹی وی پر دکھائے جاتے ہیں تو پوری قوم کا یہ حال ہوتا ہے گویا دنیا کی اہم ترین شے کرکٹ ہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں دوسرے کھیل تماشے دیکھے جاتے ہیں کہ دنیا ان کے پیچھے پاگل ہو جاتی ہے۔ شیطان کو اور کیا چاہیے؟ وہ تو یہی چاہتا ہے نا کہ لوگوں کی حقائق کی طرف نگاہ ہی نہ ہو۔ کسی کو یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو کہ زندگی کس لیے ہے؟ جینا کاہے کے لیے ہے؟ موت ہے تو اس کے بعد کیا ہونا ہے؟ انسان یا تو حیوانی سطح پر زندگی گزار دے کہ اسے حلال و حرام کی تمیز ہی نہ رہے کہ وہ کیا کما رہا ہے اور کیا کھا رہا ہے' اور یا پھر اس طرح کے لہو ولعب کے اندر زندگی گزار دے۔ ان چیزوں کے فروغ کے لیے بڑے مستحکم نظام ہیں اور ان کھلاڑیوں وغیرہ کے لیے بہت بڑے بڑے انعامات ہوتے ہیں۔ فرمایا: یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی سیدھے راستے سے بھٹکا دیں' راہِ حق سے منحرف کر دیں۔

آیت ۴۵ ﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ ؕ﴾ ''اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے۔''

﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا ۫ وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾﴾ ''اور اللہ کافی ہے تمہارے ولی اور پشت پناہ ہونے کی حیثیت سے اور وہ کافی ہے تمہارے مددگار ہونے کے اعتبار سے۔''

آیت ۴۶ ﴿مِنَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ﴾ ''ان یہودیوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو کلام کو اس کے اصل مقام و محل سے پھیرتے ہیں''

﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا﴾ ''وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نہیں مانا''

یہود اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر الفاظ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے۔ رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو احکامِ الٰہی سن کر کہتے سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا۔ بظاہر وہ اہل ایمان کی طرح سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا (ہم نے سنا اور ہم نے قبول کیا) کہہ رہے ہوتے لیکن زبان کو مروڑ کر حقیقت میں سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا کہتے۔

﴿وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ﴾ ’’اور (کہتے ہیں) سنیئے نہ سنا جائے۔‘‘

وہ حضورﷺ کی مجلس میں آپؐ کو مخاطب کر کے کہتے ذرا ہماری بات سنیئے! ساتھ ہی چپکے سے کہہ دیتے کہ آپ سے سنا نہ جائے‘ ہمیں آپ کو سنانا مطلوب نہیں ہے۔ اس طرح وہ شانِ رسالت میں گستاخی کے مرتکب ہوتے۔

﴿وَّرَاعِنَا لَـيًّاۢ بِاَلۡسِنَتِهِمۡ﴾ ’’اور (کہتے ہیں) رَاعِنَا اپنی زبانوں کو موڑ کر‘‘

رَاعِــنَــا کا مفہوم تو ہے ’’ہماری رعایت کیجیے‘‘ لیکن وہ اسے کھینچ کر رَاعِیۡــنَــا بنادیتے۔ یعنی اے ہمارے چرواہے!

﴿وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ‌ؕ﴾ ’’اور دین میں طعن کرنے کے لیے۔‘‘

یہود اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر ایسے کلمات کہتے اور پھر دین میں یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص واقعی نبی ہوتا تو ہمارا فریب اس پر ظاہر ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو ظاہر کر دیا۔

﴿وَلَــوۡ اَنَّــهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَـكَانَ خَيۡرًا لَّـهُمۡ وَاَقۡوَمَ ۙ﴾ ’’اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی‘ اور آپ ہماری بات سن لیجیے‘ اور ذرا ہمیں مہلت دیجیے‘ تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور بہت درست اور سیدھی بات ہوتی‘‘

﴿وَلٰـكِنۡ لَّـعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ﴾ ’’لیکن اللہ نے تو ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی ہے‘‘

﴿فَلَا يُـؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝۴۶﴾ ’’تو اب وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر شاذ ہی کوئی۔‘‘

آیت ۴۷ ﴿يٰۤـاَيُّـهَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡـكِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا﴾ ’’اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی تھی! ایمان لاؤ اُس پر جو ہم نے نازل کیا ہے‘‘

یہود کی شرارتوں پر لعنت و ملامت کے ساتھ ہی انہیں قرآن کریم پر ایمان کی دعوت بھی دی جارہی ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ﴾ ’’جو اُس کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے جو تمہارے پاس ہے‘‘

﴿مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدۡبَارِهَاۤ﴾ ’’اس سے قبل کہ ہم چہروں کو مٹا ڈالیں‘ پھر ان کو ان کی پیٹھوں کی طرف موڑ دیں‘‘

یعنی چہرے اس طرح مسخ کر دیے جائیں کہ بالکل سپاٹ ہو جائیں‘ ان پر کوئی نشان باقی نہ رہے اور پھر انہیں پشت کی طرف موڑ دیا جائے کہ چہرہ پیچھے اور گدی سامنے۔

﴿اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ‌ؕ﴾ ’’یا ہم ان پر بھی اسی طرح لعنت کر دیں جس طرح ہم نے اصحابِ سبت پر لعنت کی تھی۔‘‘

اصحابِ سبت کے واقعے کی تفصیل سورۃ الاعراف میں آئے گی‘ لیکن اجمالاً یہ واقعہ سورۃ البقرۃ میں آچکا ہے۔

﴿وَكَانَ اَمْرُاللّٰهِ مَفْعُوْلاً ﴿۴۷﴾﴾ ''اور اللہ کا حکم تو نافذ ہو کر رہنا ہے۔''

آیت ۴۸ ﴿اِنَّ اللّٰـهَ لاَ يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ ''یقیناً اللہ اس بات کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے''

﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج﴾ ''اس سے کم تر جو کچھ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔''
گویا یہ بھی کھلا لائسنس نہیں ہے کہ آپ سمجھ لیں کہ باقی سب گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے۔ اس کی اُمید دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی تمام گناہوں کو بغیر توبہ کے بھی معاف کر سکتا ہے' لیکن شرک کے معاف ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے اس نے تو بہت بڑے گناہ کا افترا کیا۔''

اللہ تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے۔ اُس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرنا بہت بڑا جھوٹ' افترا اور بہتان ہے' اور عظیم ترین گناہ ہے۔

آیت ۴۹ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ط﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ ٹھہراتے ہیں؟''

یہاں یہود کے اُسی فلسفے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت پاک باز اور اعلیٰ وارفع سمجھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ''We are the chosen people of the Lord''۔ سورۃ المائدۃ میں ان کا یہ قول نقل ہوا ہے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (آیت ۱۸) یعنی ہم تو اللہ کے بیٹوں کی طرح ہیں بلکہ اس کے بہت ہی چہیتے اور لاڈلے ہیں۔ ان کے نزدیک دوسرے تمام لوگ Goyems اور Gentiles ہیں' جو دیکھنے میں انسان نظر آتے ہیں' حقیقت میں حیوان ہیں۔ ان کو تو جس طرح چاہو لوٹ کر کھا جاؤ' جس طرح سے چاہو ان کو دھوکہ دو' ان کا استحصال کرو' ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہم ان کا قول پڑھ چکے ہیں: ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ج﴾ (آیت ۷۵) ''ان اُمیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے''۔ ہم سے ان کے بارے میں کوئی محاسبہ اور کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ جیسے آپ نے گھوڑے کو تانگے میں جوت لیا یا ہرن کا شکار کر کے کھا لیا تو آپ سے اس پر کون مؤاخذہ کرے گا؟

﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے''

﴿وَلاَ يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلاً ﴿۴۹﴾﴾ ''اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

ان کو اگر پاکیزگی نہیں ملتی تو اس کا سبب ان کے اپنے کرتوت ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔ فَتِيْل دراصل اُس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کے اندر گٹھلی کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں جو چھوٹی سے چھوٹی چیزیں لوگوں کے مشاہدے میں آتی تھیں ظاہر ہے کہ وہیں سے کسی چیز کے چھوٹا ہونے کے لیے مثال پیش کی

جاسکتی تھی۔

آیت ۵۰ ﴿اُنۡظُرۡ کَیۡفَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ﴾ ”دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ رہے ہیں؟“

﴿وَ کَفٰی بِہٖۤ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۰﴾﴾ ”اور صریح گناہ ہونے کے لیے تو یہی کافی ہے۔“

یعنی ان کی گرفت کے لیے اور ان کو عذاب دینے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے جو انہوں نے گھڑی ہے۔

آیت ۵۱ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا“

﴿یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ﴾ ”وہ ایمان لاتے ہیں بُتوں پر اور شیطان پر“

﴿وَ یَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہٰۤؤُلَآءِ اَہۡدٰی مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا ﴿۵۱﴾﴾ ”اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا (یعنی مشرکین) کہ ان اہلِ ایمان سے زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں۔“

یہود اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس حد تک پہنچ گئے تھے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیؓ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ میں ان سے مشابہ تھے' پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتے تھے اور تورات کو اللہ کی کتاب مانتے تھے۔ لیکن اہلِ ایمان کے ساتھ ضِدم ضدا اور عداوت میں وہ اس حد تک آگے بڑھے کہ مشرکینِ مکہ سے مل کر ان کے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ یہ مشرک مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں اور ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔

آیت ۵۲ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ ؕ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمادی ہے۔“

﴿وَ مَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا ﴿۵۲﴾﴾ ”اور جس پر اللہ لعنت کردے پھر تم اُس کے لیے کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔“

آیت ۵۳ ﴿اَمۡ لَہُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡکِ﴾ ”کیا ان کا کوئی حصہ ہے اقتدار میں؟“

انہوں نے یہ جو تقسیم کر لی ہے کہ دنیا میں یہ سب کچھ ہمارے لیے ہے' باقی تمام انسان Goyems اور Gentiles ہیں' تو انسانوں میں یہ تقسیم اور تفریق کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے؟ کیا ان کا اللہ کی حکومت میں کوئی حصہ ہے؟ زمین و آسمان کی بادشاہی تو اللہ کی ہے' مالک الملک اللہ ہے۔ تو کیا ان کو اُس کے پاس سے کوئی اختیار ملا ہوا ہے؟

﴿فَاِذًا لَّا یُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِیۡرًا ﴿۵۳﴾﴾ ”اگر ایسا کہیں ہوتا تو یہ دوسرے لوگوں کو تل کے برابر بھی کوئی شے دینے کو تیار نہ ہوتے۔“

آیت ۵۴ ﴿اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ﴾ ”کیا یہ حسد کر رہے ہیں لوگوں سے اس پر کہ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل میں سے عطا کر دیا ہے؟“

دراصل یہ سب اس حسد کا نتیجہ ہے جو یہ مسلمانوں سے رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان اُمیین میں اپنا آخری نبی بھیج دیا اور

انہیں اپنی آخری کتاب عطا فرمادی جنہیں یہ حقیر سمجھتے تھے۔ اب یہ اس حسد کی آگ میں جل رہے ہیں۔

﴿فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾﴾ ''تو ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بہت بڑی حکومتیں بھی دیں۔''

یعنی تمہیں بھی اگر تورات اور انجیل ملی تھی تو ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے ناتے سے ملی تھی' تو یہ جو اسماعیلؑ کی نسل ہے یہ بھی تو ابراہیمؑ ہی کی نسل ہے۔ ہاں بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت علیحدہ علیحدہ ملی۔ تورات کتاب تھی اور انجیل حکمت تھی' جبکہ یہاں کتاب اور حکمت اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ پر قرآن میں بتمام وکمال جمع کر دی ہیں۔ مزید برآں جیسے ان کو مُلکِ عظیم دیا تھا' اب ہم ان مسلمانوں کو اس سے بڑا ملک دیں گے۔ یہ مضمون سورۃ النور میں آئے گا: ﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ص﴾ (آیت ۵۵) ''ہم لازماً ان اہل ایمان کو دنیا میں حکومت اور خلافت عطا کریں گے جیسے ان سے پہلوں کو عطا کی تھی۔''

آیت ۵۵ ﴿فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْھُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ط﴾ ''پس ان میں سے وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اس سے رُک گئے ہیں۔''

﴿وَکَفٰی بِجَھَنَّمَ سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾﴾ ''اور ایسے لوگوں کے لیے تو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے۔''

آیت ۵۶ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْھِمْ نَارًا ط﴾ ''یقیناً جو لوگ ہماری آیات کا کفر کریں گے ایک وقت آئے گا کہ ہم انہیں آگ میں جھونک دیں گے۔''

﴿کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا﴾ ''اور جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی ہم ان کو دوسری کھالیں بدل دیں گے''

﴿لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ط﴾ ''تاکہ وہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں۔''

یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت ہے جسے میڈیکل سائنس نے دریافت کیا ہے کہ درد کا احساس انسان کی کھال (skin) ہی میں ہے۔ اس کے نیچے گوشت اور عضلات وغیرہ میں درد کا احساس نہیں ہے۔ کسی کو چٹکی کاٹی جائے' کانٹا چبھے' چوٹ لگے یا کوئی حصہ جل جائے تو تکلیف اور درد کا سارا احساس جلد ہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ان جہنمیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب بھی ان کی کھال آتشِ جہنم سے جل جائے گی تو اس کی جگہ نئی کھال دے دی جائے گی تاکہ ان کی تکلیف اور سوزش مسلسل رہے' جلن کا احساس برقرار رہے' اس میں کمی نہ ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۵۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ زبردست ہے' کمالِ حکمت والا ہے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے''

یہاں بھی وہی فوری تقابل (simultaneous contrast) ہے کہ اہلِ جہنم کے تذکرے کے فوراً بعد اہلِ جنت کا

تذکرہ ہے۔

﴿سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ﴾ ’’عنقریب انہیں ہم داخل کریں گے ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی‘‘

﴿خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ۭ﴾ ’’وہ رہیں گے ان میں ہمیشہ ہمیش۔‘‘

﴿لَھُمْ فِیْھَآ اَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَةٌ ۡ﴾ ’’ان کے لیے اس میں ہوں گی بڑی پاک باز بیویاں‘‘

﴿وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾﴾ ’’اور ہم انہیں داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں۔‘‘

انہیں ایسی گہری اور ٹھنڈی چھاؤں میں رکھا جائے گا جو دھوپ کی حدت اور تمازت سے بالکل محفوظ ہوگی۔ٓ

یہاں وہ حصہ ختم ہوا جس میں اہل کتاب کی طرف روئے سخن تھا۔ اب پھر مسلمانوں سے خطاب ہے۔

آیات ۵۸ تا ۷۰

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ
اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ۭ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۵۸﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ
وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ
اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ
اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ۭ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی
مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَکَیْفَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ
مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْکَ یَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰہِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا ﴿۶۲﴾
اُولٰۗئِکَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰہُ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ ۤ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَعِظْھُمْ وَقُلْ لَّھُمْ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَوْلًۢا
بَلِیْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُ
وْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّکَ لَا
یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ
وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا کَتَبْنَا عَلَیْھِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِکُمْ مَّا
فَعَلُوْہُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْھُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِہٖ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا

لَّاٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّـاۤ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَـہَدَیۡنٰـہُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ﴿۶۸﴾ وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ
فَـاُولٰٓـئِکَ مَـعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ
اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿ؕ۶۹﴾ ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا ﴿۷۰﴾

یہ دو آیات (۵۸'۵۹) قرآن مجید کی نہایت اہم آیات ہیں' جن میں اسلام کا سارا سیاسی' قانونی اور دستوری نظام موجود ہے۔فرمایا:

آیت ۵۸ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُـؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ﴾ ''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو''

﴿وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ﴾ ''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ جو بھی سیاسی نظام بناتے ہیں اس میں مناصب ہوتے ہیں' جن کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں اور اختیارات بھی۔لہٰذا ان مناصب کے انتخاب میں آپ کی رائے کی حیثیت امانت کی ہے۔آپ اپنی رائے دیکھ بھال کر دیں کہ کون اس کا اہل ہے۔اگر آپ نے ذات برادری' رشتہ داری وغیرہ کی بنا پر یا مفادات کے لالچ میں یا کسی کی دھونس کی وجہ سے کسی کے حق میں رائے دی تو یہ صریح خیانت ہے۔حقِ رائے دہی ایک امانت ہے اور اس امانت کا استعمال صحیح صحیح ہونا چاہیے۔ عام معنی میں بھی امانت کی حفاظت ضروری ہے اور جو بھی امانت کسی نے رکھوائی ہے اسے واپس لوٹانا آپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔لیکن یہاں یہ بات اجتماعی زندگی کے اہم اصولوں کی حیثیت سے آ رہی ہے۔دوسری بات یہ کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔گویا پہلی ہدایت سیاسی نظام سے متعلق ہے کہ امیر المؤمنین یا سربراہِ ریاست کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر ہوگا' جبکہ دوسری ہدایت عدلیہ (Judiciary) کے استحکام کے بارے میں ہے کہ وہاں بلاامتیاز ہر ایک کو عدل وانصاف میسر آئے۔

﴿ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ﴾ ''یقیناً یہ بہت ہی اچھی نصیحتیں ہیں جو اللہ تمہیں کررہا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۵۸﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

اگلی آیت میں تیسری ہدایت مقنّنہ (Legislature) کے بارے میں آ رہی ہے کہ اسلامی ریاست کی دستوری بنیاد کیا ہوگی۔جدید ریاست کے تین ستون انتظامیہ (Executive)' عدلیہ (Judiciary) اور مقنّنہ (Legislature) گنے جاتے ہیں۔پہلی آیت میں انتظامیہ اور عدلیہ کے ذکر کے بعد اب دوسری آیت میں مقنّنہ کا ذکر ہے کہ قانون سازی کے اصول کیا ہوں گے۔فرمایا:

آیت ۵۹ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ ''اے اہل ایمان! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی'' ۔
یعنی کوئی قانون اللہ اور اس کے رسول کی منشا کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا۔ اصولی طور پر یہ بات پاکستان کے دستور میں بھی تسلیم کی گئی ہے:

"No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah."

لیکن اس کی تنفیذ و تعمیل کی کوئی ضمانت موجود نہیں ہے' لہٰذا اس وقت ہمارا دستور منافقت کا پلندہ ہے۔ اس آیت کی رو سے اللہ کے احکام اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام قانون سازی کے دو مستقل ذرائع (sources) ہیں۔ اس طرح یہاں منکرین سنت کی نفی ہوتی ہے جو مؤخر الذکر کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج﴾ ''اور اپنے میں سے اولوالامر کی بھی (اطاعت کرو)۔''

یہاں بہت عجیب اسلوب ہے کہ تین ہستیوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے: اللہ کی' رسول کی اور اولوالامر کی' لیکن پہلے دو کے لیے ''اَطِیْعُوْا'' کا لفظ آیا ہے' جبکہ تیسرے کے لیے نہیں ہے۔ ایک اسلوب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ''اَطِیْعُوْا'' ایک مرتبہ آ جاتا اور اس کا اطلاق تینوں پر ہو جاتا: ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ''۔ اس طرح تینوں برابر ہو جاتے۔ دوسرا اسلوب یہ ہو سکتا تھا کہ ''اَطِیْعُوا'' تیسری مرتبہ بھی آتا: ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاَطِیْعُوْا اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ''۔ لیکن قرآن نے جو اسلوب اختیار کیا ہے کہ ''اَطِیْعُوا'' دو کے ساتھ ہے' تیسرے کے ساتھ نہیں ہے' اس سے اولوالامر کی اطاعت کا مرتبہ (status) متعین ہو جاتا ہے۔ ایک تو ''مِنْکُمْ'' کی شرط سے واضح ہو گیا کہ اولوالامر تم ہی میں سے ہونے چاہئیں' یعنی مسلمان ہوں۔ غیر مسلم کی حکومت کو ذہناً تسلیم کرنا اللہ سے بغاوت ہے۔ وہ کم از کم مسلمان تو ہوں۔ پھر یہ کہ متذکرہ بالا اسلوب سے واضح ہو گیا کہ ان کی اطاعت مطلق' دائم اور غیر مشروط نہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت مطلق' دائم' غیر مشروط اور غیر محدود ہے' لیکن صاحبِ امر کی اطاعت اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہو گی۔ وہ جو حکم بھی لائے اسے بتانا ہوگا کہ میں کتاب و سنت سے کیسے اس کا استنباط کر رہا ہوں۔ گویا اسے کم از کم یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حکم کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہے۔ ایک مسلمان ریاست میں قانون سازی اسی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ دورِ جدید میں قانون ساز ادارہ کوئی بھی ہو' کانگریس ہو' پارلیمنٹ ہو یا مجلس ملی ہو' وہ قانون سازی کرے گی' لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ یہ قانون سازی قرآن و سنت سے متصادم نہ ہو۔

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ﴾ ''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلافِ رائے ہو جائے''

ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ اولوالامر کہے کہ میں تو اسے عین اسلام کے مطابق سمجھتا ہوں' لیکن آپ کہیں کہ نہیں' یہ بات خلافِ اسلام ہے' تو اب کہاں جائیں؟ فرمایا:

﴿فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ ''تو اسے لوٹا دو اللہ اور رسول کی طرف''

یعنی اب جو بھی اپنی بات ثابت کرنا چاہتا ہے اسے اللہ اور اس کے رسول سے یعنی قرآن وسنت سے دلیل لانی پڑے گی۔ میری پسند' میرا خیال' میرا نظریہ والا استدلال قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ استدلال کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول کی مرضی ہوگی۔ یہ بات ماننی پڑے گی کہ ابھی یہاں ایک خلا ہے۔ وہ خلا یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ فریقین میں سے کس کی رائے صحیح ہے۔ اور آج کے ریاستی نظام میں آ کر وہ خلاُ پر ہو چکا ہے کہ یہ عدلیہ (Judiciary) کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب عرب میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اس طرح علیحدہ علیحدہ ریاستی ادارے ابھی پوری طرح وجود میں نہیں آئے تھے اور ان کی الگ الگ شناخت نہیں تھی کہ یہ مقنّنہ (Legislature) ہے' یہ عدلیہ (Judiciary) ہے اور یہ انتظامیہ (Executive) ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تو کوئی قاضی تھے ہی نہیں۔ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شعبہ ٔ قضاء شروع کیا۔ تو رفتہ رفتہ یہ ریاستی ادارے پروان چڑھے۔ جدید دور میں ان تنازعات کے حل کا ادارہ عدلیہ ہے۔ وہاں ہر شخص جائے اور اپنی دلیل پیش کرے۔ علماء جائیں' قانون دان جائیں اور سب جا کر دلائل دیں۔ وہاں سے فیصلہ ہو جائے گا کہ یہ بات واقعتاً قرآن وسنت سے متصادم ہے یا نہیں۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ ''اگر تم واقعتاً اللہ پر اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔''

﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾﴾ ''یہی طریقہ بہتر بھی ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی بہت مفید ہے۔''

آگے پھر منافقین کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ یاد رہے کہ میں نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ اس سورۂ مبارکہ کا سب سے بڑا حصہ منافقین سے خطاب اور ان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔

آیت ۶۰ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''کیا تم نے غور نہیں کیا اُن لوگوں کی طرف جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اُس پر بھی جو (اے نبیؐ!) آپؐ پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا''

لیکن ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ ''وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات کے فیصلے طاغوت سے کروائیں''

یہاں واضح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ حاکم یا وہ ادارہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ پچھلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ گویا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر کاربند ہو گیا وہ طاغوت سے خارج ہو گیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو قبول نہیں کرتا وہ طاغوت ہے' اس لیے کہ وہ اپنی حد سے تجاوز کر گیا۔ چنانچہ غیر مسلم حاکم یا منصف جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا پابند نہیں وہ طاغوت ہے۔

﴿وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ ؕ﴾ ’’حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا کفر کریں۔‘‘
منافقینِ مدینہ کی عام روش یہ تھی جس مقدمہ میں انہیں اندیشہ ہوتا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہوگا اسے نبی اکرمﷺ کی خدمت میں لانے کے بجائے یہودی عالموں کے پاس لے جاتے۔ وہ جانتے تھے کہ حضورﷺ کے پاس جائیں گے تو حق اور انصاف کی بات ہوگی۔ ایک یہودی اور ایک مسلمان جو منافق تھا‘ ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ یہودی کہنے لگا کہ چلو محمد (ﷺ) کے پاس چلتے ہیں۔ اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ میں حق پر ہوں۔ لیکن یہ منافق کہنے لگا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں جو ایک یہودی عالم تھا۔ بہرحال وہ یہودی اس منافق کو رسول اللہﷺ کے پاس لے آیا۔ آپؐ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔ وہاں سے باہر نکلے تو منافق نے کہا کہ چلو اب حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں‘ وہ جو فیصلہ کر دیں وہ مجھے منظور ہوگا۔ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ منافق کو یہ امید تھی کہ حضرت عمرؓ میرا زیادہ لحاظ کریں گے‘ کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ جب یہودی نے یہ بتایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ رسول اللہﷺ میرے حق میں کر چکے ہیں تو حضرت عمرؓ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ‘ تلوار لی اور اس منافق کی گردن اڑا دی کہ جو محمدؐ رسول اللہﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہے اور اس کے بعد مجھ سے فیصلہ کروانا چاہتا ہے اس کے حق میں میرا یہ فیصلہ ہے! اس پر اس منافق کے خاندان والوں نے بڑا واویلا مچایا۔ وہ چیختے چلاتے ہوئے رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مقتول حضرت عمرؓ کے پاس یہودی کو لے کر اس وجہ سے گیا تھا کہ وہ اس معاملہ میں باہم مصالحت کرا دیں‘ اس کے پیش نظر رسول اللہﷺ کے فیصلے سے انکار نہیں تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں اصل حقیقت ظاہر فرما دی گئی۔

﴿وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّہُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۶۰﴾﴾ ’’اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے۔‘‘

آیت ۶۱ ﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ﴾ ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور آؤ رسول کی طرف‘‘

اپنے مقدمات کے فیصلے اللہ کے رسولﷺ سے کراؤ۔

﴿رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًا ﴿۶۱﴾﴾ ’’تو (اے نبی!) آپ دیکھتے ہیں کہ یہ منافق آپ کے پاس آنے سے کنی کتراتے ہیں۔‘‘

صَدَّ یَصُدُّ کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ رُکنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روکنے کے معنی میں بھی۔

آیت ۶۲ ﴿فَکَیۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ﴾ ’’پھر اُس وقت کیا ہوا جب ان پر کوئی مصیبت آ گئی ان کے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے‘‘

وہ چیختے چلاتے آئے کہ عمر نے ہمارا آدمی مار ڈالا' ہمیں اس کا قصاص دلایا جائے۔

﴿ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ﴾ ''پھر وہ آپ کے پاس آئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے''

﴿اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾﴾ ''کہ ہم تو صرف بھلائی اور موافقت چاہتے تھے۔''

ہم تو عمرؓ کے پاس محض اس لیے گئے تھے کہ کوئی مصالحت اور راضی نامہ ہو جائے۔

آیت ۶۳ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۖ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے۔''

﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ''تو (اے نبی!) آپ ان سے چشم پوشی کیجیے''

﴿وَعِظْهُمْ﴾ ''اور ان کو ذرا نصیحت کیجیے''

﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا ۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾﴾ ''اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں اُتر جائے۔''

یہ آیات نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بری قرار دیا کہ اللہ کی طرف سے ان کی براءت آ گئی ہے' اور اسی دن سے ان کا لقب ''فاروق'' قرار پایا' یعنی حق و باطل میں فرق کر دینے والا۔

اب ایک بات نوٹ کر لیجیے کہ اس سورۂ مبارکہ میں منافقت جو زیر بحث آئی ہے وہ تین عنوانات کے تحت ہے۔ منافقوں پر تین چیزیں بہت بھاری تھیں' جن میں سے اوّلین رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تھی۔ اور یہ بڑی نفسیاتی بات ہے۔ ایک انسان کے لیے دوسرے انسان کی اطاعت بڑا مشکل کام ہے۔ ہم جو رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے ایک ادارے (institution) کی حیثیت رکھتے ہیں' رسولؐ شخصاً ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ جبکہ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ شخصاً موجود تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ ان کے بھی دو ہاتھ ہیں' دو پاؤں ہیں' دو آنکھیں ہیں' لہٰذا بظاہر اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت ان پر بہت شاق تھی۔ جیسا کہ جماعتوں میں ہوتا ہے کہ امیر کی اطاعت بہت شاق گزرتی ہے' یہ بڑا مشکل کام ہے۔ امیر کی رائے پر چلنے کے لیے اپنی رائے کو پیچھے ڈالنا پڑتا ہے۔ جو صادق الایمان مسلمان تھے انہیں تو یہ یقین تھا کہ یہ محمد بن عبد اللہ جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں' حقیقت میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ ہیں اور ہم ان کی اسی حیثیت میں ان پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن جن کے دلوں میں یہ یقین نہیں تھا یا کمزور تھا ان کے لیے حضور ﷺ کی شخصی اطاعت بڑی بھاری اور بڑی کٹھن تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع پر وہ کہتے تھے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنے پاس سے کہہ رہے ہیں۔ کیوں نہیں کوئی سورت نازل ہو جاتی؟ کیوں نہیں کوئی آیت نازل ہو جاتی؟ اور سورۂ محمدؐ اسی انداز میں نازل ہوئی ہے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ نے خود اپنی طرف سے اقدام کر دیا ہے۔ اس پر اللہ نے کہا کہ لو پھر ہم قتال کی آیات نازل کر دیتے ہیں۔ دوسری چیز جو اُن پر کٹھن تھی وہ ہے قتال' یعنی

اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنا۔ ان کا حال یہ تھا کہ ع مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز! تیسری کٹھن چیز ہجرت تھی۔ اس کا اطلاق منافقینِ مدینہ پر نہیں ہوتا تھا بلکہ مکہ اور اردگرد کے جو منافق تھے ان پر ہوتا تھا۔ ان کا ذکر بھی آگے آئے گا۔ ظاہر ہے گھر بار اور خاندان والوں کو چھوڑ کر نکل جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اب سب سے پہلے اطاعتِ رسولؐ کی اہمیت بیان کی جا رہی ہے:

آیت ۶۴ ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لیے کہ اُس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔''

﴿وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡٓا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ﴾ ''اور اگر وہ' جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا' آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے''

﴿فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ﴾ ''اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے''

﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ۝۶۴﴾ ''تو وہ یقیناً اللہ کو بڑا توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔''

آیت ۶۵ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ﴾ ''پس نہیں' آپ کے رب کی قسم! یہ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو حَکم نہ مانیں اُن تمام معاملات میں جو ان کے مابین پیدا ہو جائیں''

اس میں انہیں کوئی اختیار (choice) حاصل نہیں ہے۔ ان کے مابین جو بھی نزاعات اور اختلافات ہوں ان میں اگر یہ آپ کو حَکم نہیں مانتے تو آپ کے رب کی قسم یہ مؤمن نہیں ہیں۔ کلامِ الٰہی کا دوٹوک اور پُرجلال انداز ملاحظہ کیجیے۔

﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِيۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ﴾ ''پھر جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں''

اگر آپؐ کا فیصلہ قبول بھی کر لیا' لیکن دل کی تنگی اور کدورت کے ساتھ کیا تب بھی یہ مؤمن نہیں ہیں۔

﴿وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۝۶۵﴾ ''اور سرِ تسلیم خم کریں' جیسے کہ سرِ تسلیم خم کرنے کا حق ہے۔''

واضح رہے کہ یہ حکم صرف رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک محدود نہیں تھا' بلکہ یہ قیامت تک کے لیے ہے۔

آیت ۶۶ ﴿وَلَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾ ''اور اگر ہم نے ان پر یہ فرض کر دیا ہوتا کہ قتل کرو اپنے آپ کو''

﴿اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِيَارِكُمۡ﴾ ''یا نکلو اپنے گھروں سے''

﴿مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِيۡلٌ مِّنۡهُمۡ ؕ﴾ ''تو یہ اس کی تعمیل نہ کرتے سوائے ان میں سے چند ایک کے۔''

﴿وَلَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا مَا يُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ﴾ ''اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جا رہی ہے''

اس کا ترجمہ اس طرح بھی کیا گیا ہے: ''اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی انہیں ہدایت کی جاتی''یعنی اپنے آپ کو قتل کرنا اور اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہونا۔

﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾﴾ ''تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا اور انہیں دین پر ثابت قدم رکھنے والا ہوتا۔''

آیت ٦٧ ﴿وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾﴾ ''اور اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے بہت بڑا اجر دیتے۔''

آیت ٦٨ ﴿وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾﴾ ''اور انہیں ہدایت فرما دیتے سیدھی راہ کی طرف۔''

اکثر مفسرین نے اس آیت کے الفاظ کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ اپنے آپ کو قتل کرو' خودکشی کرو' تو ہمیں یہ کرنا ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ حکم دے کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو نکلنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے۔ اس کی طرف سے دیا گیا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ البتہ ﴿اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ کے الفاظ میں ایک مزید اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ٥٤) میں ہم تاریخ بنی اسرائیل کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی ان کو مرتد ہونے کی جو سزا دی گئی تھی اس کے لیے یہی الفاظ آئے تھے: ﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''پس قتل کرواپنے آپ کو''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو قتل کرو جنہوں نے اس کفر و شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی حمایت میں اکثر و بیشتر ان کے خاندان والے' رشتہ دار' ان کے گھرانے والے ان کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ تو یہاں شاید یہ بتایا جا رہا ہے کہ بجائے اس کے کہ تم ان کی حمایت کرو' تمہارا طرزِ عمل اس کے بالکل برعکس ہونا چاہیے کہ تم اپنے اندر سے خود دیکھو کہ کون منافق ہیں جو اصل میں آستین کے سانپ ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا' مگر وہ یہ حکم بھی دے سکتا تھا کہ ہر گھرانہ اپنے ہاں کے منافقین کو خود قتل کرے۔ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غیرتِ ایمانی کی وجہ سے اس منافق کو قتل کیا تھا' جبکہ اُس منافق کے خاندان کے لوگ حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا تو یہ بھی تمہیں کرنا چاہیے تھا' لیکن یہ اللہ کے علم میں ہے کہ تم میں سے بہت کم لوگ ہوتے جو اس حکم کی تعمیل کرتے۔ اور اگر وہ یہ کر گزرتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور ان کے ثباتِ قلبی اور ثباتِ ایمانی کا باعث ہوتا۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں خاص اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا۔

اب جو آیت آ رہی ہے یہ اطاعتِ رسول کے موضوع پر قرآن حکیم کی عظیم ترین آیت ہے۔ فرمایا:

آیت ٦٩ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور رسولؐ کی تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں معیت حاصل ہوگی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا''

﴿مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ﴾ ’’یعنی انبیاء کرام‘ صدیقین‘ شہداء اور صالحین۔‘‘
﴿وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾﴾ ’’اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے۔‘‘
یعنی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرنے والوں کا شمار ان لوگوں کے زمرے میں ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں ہم نے یہ الفاظ پڑھے تھے: ﴿اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ﴾ آیت زیر مطالعہ ’’اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ‘‘ کی تفسیر ہے۔ ان مراتب کو ذرا سمجھ لیجیے۔ صالح مسلمان گویا baseline پر ہے۔ وہ ایک نیک نیت مسلمان ہے جس کے دل میں خلوص کے ساتھ ایمان ہے۔ وہ اللہ اور رسولؐ کے احکام پر عمل کر رہا ہے‘ محرمات سے بچا ہوا ہے۔ وہ اس سے اوپر اٹھے گا تو ایک اونچا درجہ شہداء کا ہے‘ اس سے بلند تر درجہ صدیقین کا ہے اور بلند ترین درجہ انبیاء کا ہے۔ اس بلند ترین درجے پر تو کوئی نہیں پہنچ سکتا‘ اس لیے کہ وہ کوئی کسبی چیز نہیں ہے‘ وہ تو ایک وہبی چیز تھی‘ جس کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے۔ البتہ مرتبہ صالحیت سے بلند تر دو درجے ابھی موجود ہیں کہ انسان اپنی ہمت‘ محنت اور کوشش سے شہادت اور صدیقیت کے مراتب پر فائز ہوسکتا ہے۔ یہ مضمون ان شاء اللہ سورۃ الحدید میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہو گا۔

آیت ۷۰ ﴿ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰہِ ؕ﴾ ’’یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے۔‘‘
یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اُن پر کہ جنہیں آخرت میں انبیاء کرام‘ صدیقین عظام‘ شہداء اور صالحین کی معیت حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے دُعا کرنی چاہیے: وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ اے اللہ ہمیں موت دیجیو اپنے وفادار و نیکوکار بندوں کے ساتھ!
﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا ﴿۷۰﴾﴾ ’’اور اللہ کافی ہے ہر شے کے جاننے کے لیے۔‘‘
یعنی کون کس استعداد کا حامل ہے اور کس قدر و منزلت کا مستحق ہے‘ اللہ خوب جانتا ہے۔ حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے۔

آیات ۷۱ تا ۷۶

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا خُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ فَانۡفِرُوۡا ثُبَاتٍ اَوِ انۡفِرُوۡا جَمِیۡعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنۡکُمۡ لَمَنۡ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذۡ لَمۡ اَکُنۡ مَّعَھُمۡ شَھِیۡدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنۡ اَصَابَکُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ لَیَقُوۡلَنَّ کَاَنۡ لَّمۡ تَکُنۡۢ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَہٗ مَوَدَّۃٌ یّٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ مَعَھُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ﴿۷۳﴾ فَلۡیُقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یَشۡرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَۃِ ؕ وَمَنۡ یُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیُقۡتَلۡ اَوۡ یَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَکُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ
نَصِیْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ
فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾

اب ذکر آ رہا ہے قتال فی سبیل اللہ کا۔ یہ دوسری چیز تھی جو منافقین پر بہت بھاری تھی۔ مادی اعتبار سے یہ بڑا سخت امتحان تھا۔ اطاعتِ رسولؐ زیادہ تر ایک نفسیاتی مرحلہ تھا' ایک نفسیاتی الجھن تھی' لیکن اپنا مال خرچ کرنا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ایک خالص محسوس مادی شے تھی۔

آیت ۷۱ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ﴾ ''اے اہل ایمان' اپنے تحفظ کا سامان (اور اپنے ہتھیار) سنبھالو''

﴿فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾﴾ ''اور (جہاد کے لیے) نکلو' خواہ ٹکڑیوں کی صورت میں خواہ فوج کی شکل میں۔''

یعنی جیسا موقع ہو اس کے مطابق الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکٹھے فوج کی صورت میں نکلو۔ رسول اللہ ﷺ موقع کی مناسبت سے کبھی چھوٹے چھوٹے گروپ بھیجتے تھے۔ جیسے غزوۂ بدر سے قبل آپؐ نے آٹھ مہمیں روانہ فرمائیں' جبکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں آپؐ پوری فوج لے کر نکلے۔

آیت ۷۲ ﴿وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ﴾ ''اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو دیر لگا دیتے ہیں''

حکم ہو گیا ہے کہ جہاد کے لیے نکلنا ہے' فلاں وقت کوچ ہو گا' لیکن وہ تیاری میں ڈھیل برت رہے ہیں اور پھر بہانہ بنا دیں گے کہ بس ہم تو تیاری کر ہی رہے تھے اب نکلنے ہی والے تھے۔ اور وہ منتظر رہتے ہیں کہ جنگ کا فیصلہ ہو جائے تو اس وقت ہم کہیں گے کہ ہم بس نکلنے ہی والے تھے کہ یہ فیصلہ ہم کو پہنچ گیا۔

﴿فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ﴾ ''پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے''

اگر جنگ کے لیے نکلنے والے مسلمانوں کو کوئی تکلیف پیش آ جائے' کوئی گزند پہنچ جائے' وقتی طور پر کوئی ہزیمت ہو جائے۔

﴿قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَھُمْ شَھِیْدًا ﴿۷۲﴾﴾ ''تو وہ کہے گا کہ مجھ پر تو اللہ نے بڑا انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا۔''

آیت ۷۳ ﴿وَلَئِنْ اَصَابَکُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰہِ﴾ ''اور اگر تمہیں کوئی فضل پہنچ جائے اللہ کی طرف سے''

یعنی تمہیں فتح ہو جائے اور تم کامرانی کے ساتھ مالِ غنیمت لے کر واپس آ وَ۔

﴿لَیَقُوْلَنَّ کَاَنْ لَّمْ تَکُنْۢ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ﴾ ''تو اُس وقت وہ پھر (حسرت کے ساتھ) کہے گا' جیسے تمہارے اور اس کے درمیان محبت کا کوئی تعلق تھا ہی نہیں''

﴿یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝۷۳﴾ ''اے کاش کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا ہوتا تو یہ بڑی کامیابی مجھے بھی حاصل ہو جاتی۔''

یہ منافقین کا کردار تھا جس کا یہاں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

آیت ۷۴ ﴿فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ﴾ ''پس اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہیے ان لوگوں کو جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

جو لوگ یہ طے کر چکے ہوں کہ ہم نے دنیا کی زندگی کے بدلے میں آخرت قبول کی' ان کے لیے تو قتال فی سبیل اللہ میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر انہوں نے واقعی یہ سودا اللہ سے کیا ہے تو پھر انہیں اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ﴾ ''اور جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں قتال کرے گا' تو خواہ وہ مارا جائے یا غالب ہو''

اللہ کی راہ میں قتال کرنے والے کے لیے دو ہی امکانات ہیں' ایک یہ کہ وہ قتل ہو کر مرتبہ شہادت پر فائز ہو جائے اور دوسرے یہ کہ وہ دشمن پر غالب رہے اور فتح مند ہو کر واپس آئے۔

﴿فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝۷۴﴾ ''ہم اسے (دونوں حالتوں میں) بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔''

اگلی آیت میں خاص طور پر ان مسلمانوں کی نصرت وحمایت کے لیے قتال کے لیے ترغیب دلائی جا رہی ہے جو مختلف علاقوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان میں کمزور بھی تھے' بیمار اور بوڑھے بھی تھے' خواتین اور بچے بھی تھے۔ یہ لوگ ایمان تو لے آئے تھے لیکن ہجرت کے قابل نہیں تھے۔ یہ اپنے اپنے علاقوں میں اور اپنے اپنے قبائل میں تھے اور وہاں ان پر ظلم ہو رہا تھا' انہیں ستایا جا رہا تھا' انہیں تشدد و تعذیب کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ تو خاص طور پر ان کی مدد کے لیے نکلنا ان کی جان چھڑانا اور ان کو بچا کر لے آنا' غیرتِ ایمانی کا بہت ہی شدید تقاضا ہے' بلکہ یہ غیرت انسانی کا بھی تقاضا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۷۵ ﴿وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم قتال نہیں کرتے اللہ کی راہ میں''

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ ''اور ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر

جو مغلوب بنا دیے گئے ہیں''

﴿اَلَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ الظَّالِمِ اَہۡلُہَا ۚ﴾ ''جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار، ہمیں نکال اس بستی سے جس کے رہنے والے لوگ ظالم ہیں''

﴿وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِیًّا ۚ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ نَصِیۡرًا ﴿ؕ۷۵﴾﴾ ''اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لیے خاص اپنے فضل سے کوئی مددگار بھیج دے۔''

ان کی یہ آہ و بکا تمہیں آمادۂ پیکار کیوں نہیں کر رہی؟ ان پر ظلم ہو رہا ہے، ان پر ستم ڈھائے جا رہے ہیں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے نکلنے کو تیار نہیں ہو؟ بعض لوگ اس آیت کا انطباق ان مختلف قسم کے سیاسی جہادوں پر بھی کر دیتے ہیں جو کہ آج کل ہمارے ہاں جاری ہیں اور ان پر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا لیبل لگایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ہی قیاس مع الفارق ہے۔ واضح رہے کہ یہ خطاب اُن اہل ایمان سے ہو رہا ہے جن کے ہاں اسلام قائم ہو چکا تھا۔ ہم اپنے ملک میں اسلام قائم کر نہیں سکتے۔ یہاں پر دین کے غلبہ و اقامت کی کوئی جدوجہد نہیں کر رہے۔ ہمارے ہاں کفر کا نظام چل رہا ہے۔ اس کے مخاطب اہل ایمان ہیں، اور اہل ایمان کا فرض یہ ہے کہ پہلے اپنے گھر کو درست کرو، پہلے اپنے ملک کے اندر اسلام قائم کرو لہٰذا جہاد کرنا ہے تو یہاں کرو، جانیں دینی ہیں تو یہاں دو۔ یہاں پر طاغوت کی حکومت ہے، غیر اللہ کی حکومت ہے، قرآن کے سوا کوئی اور قانون چل رہا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ...... فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۵﴾ ...... فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ (المائدۃ) ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں ...... وہی تو ظالم ہیں ...... وہی تو فاسق ہیں۔'' چنانچہ کافر، ظالم اور فاسق تو ہم خود ہیں۔ ہمیں پہلے اپنے گھر کی حالت درست کرنا ہوگی۔ اس کے بعد ایک جمعیت قائم ہوگی۔ ہماری حکومت تو ان لوگوں سے دوستیاں کرتی پھرتی ہے جن کے خلاف یہاں جہاد کا نعرہ بلند ہو رہا ہے، جس میں جانیں دی جا رہی ہیں۔ تو یہ آیت اپنی جگہ ہے۔ ہر چیز کو اس کے سیاق و سباق کے اندر رکھنا چاہیے۔

آیت ۷۶ ﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ﴾ ''جب لوگ ایمان والے ہیں وہ قتال کرتے ہیں اللہ کی راہ میں''

﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ﴾ ''اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں قتال کر رہے ہیں''

جنگ تو وہ بھی کر رہے ہیں، جانیں وہ بھی دے رہے ہیں۔ ابوجہل بھی تو لشکر لے کر آیا تھا۔ ان کی ساری جدوجہد طاغوت کی راہ میں ہے۔

﴿فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ﴾ ''تو تم جنگ کرو شیطان کے ساتھیوں سے''

تم شیطان کے حمایتیوں سے‘ حزب الشیطان سے قتال کرو۔

﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ ’’یقیناً شیطان کی چال بڑی کمزور ہے۔‘‘

شیطان کی چال بظاہر بڑی زوردار بڑی بارعب دکھائی دیتی ہے‘ لیکن جب مردِ مؤمن اس کے مقابل کھڑے ہو جائیں تو پھر معلوم ہو جاتا ہے کہ بڑی بودی اور پھسپھسی چال ہے۔

آیات ۷۷ تا ۸۷

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ
عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ
وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ
تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَا لِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ
فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾
وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا
يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ
كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ
اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ
اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا
وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً
يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ
مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

آیت ۷۷ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ﴾ ''تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟''

مکہ مکرمہ میں بارہ برس تک مسلمانوں کو یہی حکم تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ اس دور میں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے' انہیں بہت بری طرح ستایا جارہا تھا' تشدد وتعذیب کی نئی تاریخ رقم کی جارہی تھی۔ اس پر مسلمانوں کا خون کھولتا تھا اور بہت سے مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ہمیں اجازت دی جائے تو ہم اپنے بھائیوں پر ہونے والے اس ظلم وستم کا بدلہ لیں' آخر ہم نامرد نہیں ہیں' بے غیرت نہیں ہیں' بزدل نہیں ہیں۔ لیکن انہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ منہج انقلابِ نبویؐ کا ''صبر محض'' کا مرحلہ تھا اس وقت حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو۔

نغمہ ہے بلبل شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

ایک وقت آئے گا کہ تمہارے ہاتھ کھول دیے جائیں گے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ فعل مجہول ہے۔ یہ کہا کس نے تھا؟ مکی قرآن میں تو ''كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ'' کا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ حکم تھا محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ حضور ﷺ نے اہل ایمان کو ہاتھ اٹھانے سے روکا تھا۔ یہ آیت سورۃ النساء میں نازل ہورہی ہے جو مدنی ہے۔ کہ اس وقت بھی وہ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا' جس کو اللہ نے اپنا حکم قرار دیا۔ گویا یہ اللہ ہی کی طرف سے تھا۔ وحی جلی تو یہ قرآن ہے۔ اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ پر وحی خفی بھی نازل ہوتی تھی۔ تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکی دور میں وحی خفی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہو جو یہاں نقل ہوا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا اپنا اجتہاد ہو جسے اللہ نے برقرار رکھا ہو' اسے قبول (own) کیا ہو۔

اب یہ بات یہاں محذوف ہے کہ اُس وقت تو کچھ لوگ بڑے جوش وجذبہ سے اور بڑے زور شور سے کہتے تھے کہ ہمیں اجازت ہونی چاہیے کہ ہم جنگ کریں' لیکن اب کیا حال ہوا:

﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ﴾ ''تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اس طرح ڈر رہے ہیں جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے' بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈر رہے ہیں۔''

ظاہر بات ہے کہ یہ مکہ کے مہاجرین نہیں تھے' بلکہ یہ حال منافقین مدینہ کا تھا' لیکن فرق وتفاوت واضح کرنے کے لیے مکی دور کی کیفیت سے تقابل کیا گیا کہ اصل ایمان تو وہ تھا' اور یہ جو صورت حال ہے یہ کمزوریٔ ایمان اور نفاق کی علامت ہے۔

﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں پروردگار! تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر

دی؟''

﴿لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ﴾ ''کیوں نہ ابھی ہمیں کچھ اور مہلت دی؟''

اس حکم کو کچھ دیر کے لیے مزید مؤخر کیوں نہ کیا؟

﴿قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے دنیا کا ساز وسامان بہت تھوڑا ہے۔''

﴿وَالۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی﴾ ''اور آخرت بہت بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کرے''

﴿وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۷۷﴾﴾ ''اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔''

تمہاری حق تلفی قطعاً نہیں ہوگی اور تمہارے جو بھی اعمال ہیں' انفاق ہے' قتال ہے' اللہ کی راہ میں ایثار ہے' اس کا تمہیں بھرپور اجر وثواب دے دیا جائے گا۔

آیت ۷۸ ﴿اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تم کو پالے گی''

ظاہر ہے قتال سے جی چرانے کا اصل سبب موت کا خوف تھا۔ چنانچہ ان کے دلوں کے اندر جو خوف تھا اسے ظاہر کیا جا رہا ہے۔ ان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ موت سے کوئی مفر نہیں' تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پالے گی۔

﴿وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ﴾ ''خواہ تم بڑے مضبوط قلعوں کے اندر ہی ہو۔''

اگرچہ تم بہت مضبوط (fortified) قلعوں کے اندر اپنے آپ کو محصور کرلو۔ پھر بھی موت سے نہیں بچ سکتے۔

﴿وَاِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ﴾ ''اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

منافقین کا ایک طرزِ عمل یہ بھی تھا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی کامیابی حاصل ہو جاتی' فتح نصیب ہو جاتی' کوئی اور بھلائی پہنچ جاتی' حضور ﷺ کی تدبیر کے اچھے نتائج نکل آتے تو اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے' بلکہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا فضل وکرم ہوا ہے' یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

﴿وَاِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِکَ﴾ ''اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ) یہ آپ کی وجہ سے ہے۔''

آپؐ نے یہ غلط اقدام کیا تو اس کے نتیجے میں ہم پر یہ مصیبت آ گئی۔ یہ آپ کا فیصلہ تھا کہ کھلے میدان میں جا کر جنگ کریں گے' ہم نے تو آپ کو مشورہ دیا تھا کہ مدینے کے اندر محصور ہو کر جنگ کریں۔

﴿قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ﴾ ''کہہ دیجیے سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''

یہ سب چیزیں' خیر ہو' شر ہو' تکلیف ہو' آسانی ہو' مشکل ہو' جو بھی صورتیں ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

﴿فَمَالِ ہٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ حَدِیۡثًا ﴿۷۸﴾﴾ ''تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات بھی

نہیں سمجھتے!''

آیت ۷۹ ﴿مَآ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ ؕ﴾ ''(اے مسلمان!) تجھے جو بھلائی بھی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے' اور جو مصیبت تجھ پر آتی ہے وہ خود تیرے نفس کی طرف سے ہے۔''

اس آیت کے بارے میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ یہاں تحویل خطاب ہے۔ پہلی آیت میں خطاب ان مسلمانوں کو جن کی طرف سے کمزوری یا نفاق کا اظہار ہو رہا تھا' لیکن اس آیت میں بحیثیتِ مجموعی خطاب ہے کہ دیکھو اے مسلمانو! جو بھی کوئی خیر تمہیں ملتا ہے اس پر تمہیں یہی کہنا چاہیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور کوئی شر پہنچ جائے تو اسے اپنے کسب وعمل کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ خیر بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شر بھی۔ ''ایمان مفصل'' میں الفاظ آتے ہیں: ''وَالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی '' لیکن ایک مسلمان کے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ خیر ملے تو اسے اللہ کا فضل سمجھے۔ اور اگر کوئی خرابی ہو جائے تو سمجھے کہ یہ میری کسی غلطی کے سبب ہوئی ہے' مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے' جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی تادیب فرمانی چاہی ہے۔

﴿وَاَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ؕ﴾ ''اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

اس مقام کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ درمیانی ٹکڑے میں بھی خطاب تو رسول اللہ ﷺ ہی سے ہے' لیکن استعجاب کے انداز میں کہ اچھا! جو کچھ انہیں خیر مل جائے وہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو کوئی برائی آ جائے تو وہ آپ کی طرف سے ہے! یعنی کیا بات یہ کہہ رہے ہیں! جبکہ اللہ نے تو آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی یہ دو تعبیریں ہیں۔ میرے نزدیک پہلی تعبیر راجح ہے۔

﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ﴿۷۹﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہ کے طور پر۔''

آیت ۸۰ ﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ﴾ ''جس نے اطاعت کی رسول کی اُس نے اطاعت کی اللہ کی۔''

یہ ٹکڑا بہت اہم ہے۔ اس لیے کہ یہ دوٹوک انداز میں واضح کر رہا ہے کہ رسولؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے یہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنۡ اَطَاعَنِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ' وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَقَدۡ عَصَی اللّٰہَ' وَمَنۡ اَطَاعَ اَمِیۡرِیۡ فَقَدۡ اَطَاعَنِیۡ' وَمَنۡ عَصٰی اَمِیۡرِیۡ فَقَدۡ عَصَانِیۡ)) (۱)

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے (مقرر کردہ) امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔''

رسول اللہ ﷺ کی ساری جدوجہد جماعتی نظم کے تحت ہو رہی تھی۔ جہاد وقتال کے لیے فوج تیار ہوتی تو اس میں اوپر سے

نیچے تک سمع و طاعت کی ایک زنجیر بنتی چلی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ کمانڈر انچیف تھے‘ آپ لشکر کے میمنہ‘ میسرہ‘ قلب اور عقب وغیرہ پر‘ ہراول دستے پر الگ الگ کمانڈر مقرر فرماتے۔ ان امراء کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی‘ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔

﴿وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ﴿۸۰﴾﴾ ’’اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ہے۔‘‘

اے نبیؐ! ہم نے آپ کو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا۔ اپنے طرزِ عمل کے یہ خود ذمہ دار اور جواب دہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر یہ اُس کے محاسبے کا خود سامنا کر لیں گے۔

آیت ۸۱ ﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ طَاعَۃٌ ۫﴾ ’’اور کہتے ہیں کہ سر تسلیم خم ہے‘‘

ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ آپ کے سامنے تو کہتے ہیں کہ ہم مطیع فرمان ہیں‘ آپؐ نے جو فرمایا قبول ہے‘ ہم اس پر عمل کریں گے۔

﴿فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِکَ بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ ؕ﴾ ’’پھر جب آپ کے پاس سے ہٹتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ آپس میں ایسے مشورے کرتا ہے جو ان کے اپنے قول کے خلاف ہے۔‘‘

جا کر ایسے مشورے آپس میں شروع کر دیتا ہے جو خلاف ہے اس کے جو وہ وہاں کہہ کر گئے ہیں۔ سامنے وہ ہو گئی بعد میں جا کر جو ہے ریشہ دوانی‘ سازش۔

﴿وَاللّٰہُ یَکۡتُبُ مَا یُبَیِّتُوۡنَ ۚ﴾ ’’اور اللہ لکھ رہا ہے جو بھی وہ مشورے کرتے ہیں‘‘

﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ﴾ ’’تو (اے نبیؐ) آپ ان سے چشم پوشی کیجیے‘‘

آپ ان کی پروا نہ کیجیے‘ یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ابھی ان کے خلاف اقدام کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ جیسے ایک دور میں فرمایا گیا: ﴿فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا﴾ (البقرۃ:۱۰۹) یعنی ان یہودیوں کو ذرا نظر انداز کیجیے‘ ابھی ان کی شرارتوں پر تکفیر نہ کیجیے‘ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے‘ اس لیے کہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ ابھی یہ محاذ نہ کھولا جائے۔ اسی طرح یہاں منافقین کے بارے میں کہا گیا کہ ابھی ان سے اعراض کیجیے۔ چنانچہ ان کی ریشہ دوانیوں سے کچھ عرصے تک چشم پوشی کی گئی اور پھر غزوۂ تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر گرفت شروع کی۔ پھر وہ وقت آ گیا کہ اب تک ان کی شرارتوں پر جو پردے پڑے رہے تھے وہ پردے اٹھا دیے گئے۔

﴿وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ﴾ ’’اور آپ اللہ پر توکل کیجیے۔‘‘

﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۸۱﴾﴾ ’’اور اللہ کافی ہے بھروسے کے لیے۔‘‘

آپؐ کو سہارے کے لیے اللہ کافی ہے۔ ان کی ساری ریشہ دوانیاں‘ یہ مشورے‘ یہ سازشیں‘ سب پادر ہوا ہو جائیں گی‘ آپ فکر نہ کیجیے۔

آیت ۸۲ ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴾ ''کیا یہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟''
یہ قرآن پڑھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں' لیکن اس پر غور وفکر نہیں کرتے۔ نمازیں تو وہ پڑھتے تھے۔ اُس وقت جو بھی منافق تھا اسے نماز تو پڑھنی پڑتی تھی' ورنہ اس کو مسلمان نہ مانا جاتا۔ آج تو مسلمان مانے جانے کے لیے نماز ضروری نہیں ہے' اس وقت تو ضروری تھی۔ بلکہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی تو پہلی صف میں ہوتا تھا اور جمعہ کے روز تو خاص طور پر خطبے سے پہلے کھڑے ہو کر اعلان کرتا تھا کہ لوگو ان کی بات توجہ سے سنو' یہ اللہ کے رسول ہیں۔ گویا اپنی چودھراہٹ کے اظہار کے لیے یہ انداز اختیار کرتا۔ تو وہ نمازیں پڑھتے تھے' قرآن سنتے تھے' لیکن قرآن پر تدبر نہیں کرتے تھے۔ قرآن ان کے سروں کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ یا ان کے ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتا تھا۔

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾﴾ ''تو اس میں وہ بہت سے تضادات پاتے۔''
اس پر غور کرو' یہ بہت مربوط کلام ہے۔ اس کا پورا فلسفہ منطقی طور پر بہت مربوط ہے' اس کے اندر کہیں کوئی تضاد نہیں ہے۔

آیت ۸۳ ﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ﴾ ''اور جب ان کے پاس کوئی خبر پہنچتی ہے امن کی یا خطرے کی تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں۔''
منافقین کی ایک روش یہ بھی تھی کہ جوں ہی کوئی اطمینان بخش یا خطرناک خبر سن پاتے اسے لے کر پھیلا دیتے۔ کہیں سے خبر آ گئی کہ فلاں قبیلہ چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا ہے' اس کی طرف سے حملے کا اندیشہ ہے تو وہ فوراً اسے عام کر دیتے' تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو جائے۔ ''اِذَاعَة'' کا لفظ آج کل نشریاتی (broadcasting) اداروں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ''مِذْیَاع'' ریڈیو سیٹ کو کہا جاتا ہے۔

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ﴾ ''اور اگر وہ اس کو رسولؐ اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے''

﴿لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ ''تو یہ بات ان میں سے ان لوگوں کے علم میں آ جاتی جو بات کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں۔''
اگر یہ لوگ ایسی خبروں کو رسول اللہ ﷺ تک یا ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے' مثلاً اوس کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور خزرج کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ' تو یہ ان کی تحقیق کر لیتے کہ بات کس حد تک درست ہے اور اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے اور پھر جائزہ لیتے کہ ہمیں اس ضمن میں کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ لیکن ان کی روش یہ تھی کہ محض سنسنی پھیلانے اور سراسیمگی پیدا کرنے کے لیے ایسی خبریں لوگوں میں عام کر دیتے۔

﴿وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ﴾ ''اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی''
﴿لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّیۡطٰنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۸۳﴾﴾ ''تو تم سب کے سب شیطان کی پیروی کرتے' سوائے چند ایک کے۔''

آیت ۸۴ ﴿فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ﴾ ''پس (اے نبیؐ!) آپ جنگ کریں اللہ کی راہ میں!''
قتال کے ضمن میں یہ قرآن مجید کی غالباً سخت ترین آیت یہ ہے' لیکن اس میں سختی لفظی نہیں' معنوی ہے۔
﴿لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ﴾ ''آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی ذات کے''
﴿وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ ''البتہ اہل ایمان کو آپ اس کے لیے اُکسائیں۔''
آپؐ اہل ایمان کو قتال فی سبیل اللہ کے لیے جس قدر ترغیب وتشویق دے سکتے ہیں دیجیے۔ انہیں اس کے لیے جوش دلایئے' ابھاریے۔ لیکن اگر کوئی اور نہیں نکلتا تو اکیلے نکلئے جیسے حضرت ابوبکرؓ کا قول بھی نقل ہوا ہے جب ان سے کہا گیا کہ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں نرمی کیجیے تو آپؓ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں اکیلا جاؤں گا' عزیمت کا یہ عالم ہے! تو اے نبیؐ آپ کو تو یہ کام کرنا ہے' آپ کا تو یہ فرضِ منصبی ہے۔ آپ کو ہم نے بھیجا ہی اس لیے ہے کہ روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کر دیں۔
﴿عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا﴾ ''بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی ان کافروں کی قوت کو روک دے۔''
کفار و مشرکین کی جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں' بڑی چلت پھرت ہو رہی ہے' یہ تو کچھ عرصے کی بات ہے وہ وقت بس آیا چاہتا ہے کہ ان میں دم نہیں رہے گا کہ آپ کا مقابلہ کریں۔ اور وہ وقت جلد ہی آ گیا کہ مشرکین کی کمر ٹوٹ گئی۔ سورۃ النساء کی یہ آیت ۴ ہجری میں نازل ہوئی اور ۵ ہجری میں غزوۂ احزاب پیش آیا۔ جس کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ ((لن تغزوکم قریش بعد عامکم هذا ولكنكم تغزونهم)) [۲۱] ''اس سال کے بعد قریش تم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کریں گے' بلکہ اب تم ان پر حملہ آور ہو گے۔'' غزوۂ احزاب کے فوراً بعد سورۃ الصف نازل ہوئی۔ جس میں اہل ایمان کو فتح و نصرت کی بشارت دی گئی۔ ﴿وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَهَا نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ اس سے اگلے سال ۶ ہجری میں آپ ﷺ نے عمرے کا سفر کیا' جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ ہوگئی' جسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا﴾۔ اس کے بعد ساتویں سال اللہ تعالیٰ نے فتح خیبر عطا فرما دی اور آٹھویں سال میں مکہ فتح ہو گیا۔ اس طرح ایک کے بعد ایک' سارے بند دروازے کھلتے چلے گئے۔
﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّاَشَدُّ تَنۡكِیۡلًا ﴿۸۴﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت شدید ہے قوت میں بھی اور سزا دینے میں بھی۔''
منافقین سے خطاب کے بعد اب پھر کچھ تمدنی آداب کا ذکر ہو رہا ہے۔ منافقین سے خطاب میں دو باتوں کو نمایاں کیا گیا

۔ایک اطاعت رسولؐ جوان پر بہت شاق گزرتی تھی اور ایک قتال فی سبیل اللہ جوان کے لیے بہت بڑا امتحان بن جاتا تھا۔اب پھر اہل ایمان سے خطاب آ رہا ہے۔

آیت ۸۵ ﴿مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡہَا ۚ﴾ ''جو کوئی سفارش کرے گا بھلائی کی اُسے اس میں سے حصہ ملے گا۔''

انسانی معاشرے کے اندر کسی کے لیے سفارش کرنا بھی بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔کوئی شخص ہے' اس کی کوئی احتیاج ہے' آپ جانتے ہیں کہ صحیح آدمی ہے' بہروپیا نہیں ہے۔دوسرے شخص کو آپ جانتے ہیں کہ وہ اس کی مدد کرسکتا ہے تو آپ کو دوسرے شخص کے پاس جا کر اس کے حق میں سفارش کرنی چاہیے کہ میں اس کو جانتا ہوں' یہ واقعتاً ضرورت مند ہے۔اس طرح اُس کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور اس نیکی کے ثواب میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے۔اسی طرح کسی پر کوئی مقدمہ قائم ہو گیا ہے اور آپ کے علم میں اس کی بے گناہی کے بارے میں حقائق اور شواہد ہیں تو آپ کو عدالت میں پیش ہو کر یہ حقائق اور شواہد پیش کرنے چاہئیں' تاکہ اس کی گلوخلاصی ہو سکے۔اس آیت کی رو سے نیکی' بھلائی' خیر اور عدل وانصاف کی خاطر اگر کسی کی سفارش کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

﴿وَمَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ کِفۡلٌ مِّنۡہَا ؕ﴾ ''اور جو کوئی سفارش کرے گا برائی کی تو اسے اس میں سے حصہ ملے گا۔''

کسی نے کسی کی جھوٹی اور غلط سفارش کی' حقائق کو توڑا مروڑا تو وہ بھی اس کے جرم میں شریک ہو گیا اور وہ اس جرم کی سزا میں بھی حصہ دار ہو گا۔

﴿وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقِیۡتًا ﴿۸۵﴾﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قوت رکھنے والا ہے۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡہَاۤ اَوۡ رُدُّوۡہَا ؕ﴾ ''اور جب تمہیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم بھی سلامتی کی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔''

ہر معاشرے میں کچھ ایسے دعائیہ کلمات رائج ہوتے ہیں جو معاشرے کے افراد باہمی ملاقات کے وقت استعمال کرتے ہیں۔جیسے مغربی معاشرے میں گڈ مارننگ اور گڈ ایوننگ وغیرہ۔عربوں کے ہاں صباح الخیر اور مساء الخیر کے علاوہ سب سے زیادہ رواج ''حَیَّاکَ اللّٰہ'' کہنے کا تھا۔یعنی اللہ تمہاری زندگی بڑھائے۔جیسے ہمارے ہاں سرائیکی علاقے میں کہا جاتا ہے ''حیاتی ہووے''۔درازیٔ عمر کی اس دعا کو تَحِیَّہ کہا جاتا ہے۔سلام اور اس کے ہم معنی دوسرے دعائیہ کلمات بھی سب اس کے اندر شامل ہو جاتے ہیں۔عرب میں جب اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تو دیگر دعائیہ کلمات بھی باقی رہے' البتہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ'' کو ایک خاص اسلامی شعار کی حیثیت حاصل ہو گی۔اس آیت میں ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب تمہیں کوئی سلامتی کی دعا دے تو اس کے جواب کا اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقے پر جواب دو۔''اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ'' کے جواب میں ''وَعَلَیۡکُمُ السَّلَامُ'' کے ساتھ ''وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' کا اضافہ کر کے اسے لوٹائیں۔اگر یہ نہیں تو کم از کم اسی کے الفاظ اس کی طرف

لوٹادو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا﴿۸۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔''
یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں جو ہیں انسانی زندگی میں ان کی بھی اہمیت ہے۔ان معاشرتی آداب سے معاشرتی زندگی کے اندر حسن پیدا ہوتا ہے' آپس میں محبت ومودت پیدا ہوتی ہے۔

آیت ۸۷ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ ''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''
﴿لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ﴾ ''وہ تمہیں لازماً جمع کرے گا قیامت کے دن' جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔''

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴿۸۷﴾﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہوگا؟''
منافقین پر جو تین چیزیں بہت شاق تھیں' اب ان میں سے تیسری چیز کا تذکرہ آرہا ہے' یعنی ہجرت۔ایک تو وہ لوگ تھے جو بیمار تھے' بوڑھے تھے' سفر کے قابل نہیں تھے' یا عورتیں اور بچے تھے' ان کا معاملہ تو پہلے ذکر ہو چکا کہ ان کے لیے تمہیں قتال کرنا چاہیے تاکہ انہیں ظالموں کے چنگل سے چھڑاؤ۔ایک وہ لوگ تھے جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان تو کر چکے تھے لیکن اپنے کافر قبیلوں اور اپنی بستیوں کے اندر آرام سے رہ رہے تھے اور ہجرت نہیں کر رہے تھے' جبکہ ہجرت اب فرض کر دی گئی تھی۔ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ ہجرت فرض کیوں کر دی گئی؟ اس لیے کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تحریک اس مرحلے میں داخل ہوگئی کہ اب باطل کے خلاف اقدام کرنا ہے' تو اب اہل ایمان کی جتنی بھی دستیاب طاقت تھی اسے ایک مرکز پر مجتمع کرنا ضروری تھا' مکی دور میں جو پہلی ہجرت ہوئی تھی یعنی ہجرت حبشہ وہ اختیاری تھی۔اس کی صرف اجازت تھی' حکم نہیں تھا لیکن ہجرتِ مدینہ کا تو حکم تھا۔لہٰذا اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس بنا پر منافق قرار پائے کہ وہ ہجرت نہیں کر رہے ہیں۔

آیات ۸۸تا۹۱

﴿فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ

كُلَّمَا رُدُّوْآ اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْآ اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْآ اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾

آیت ۸۸ ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ﴾ ''پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟''

بات آگے واضح ہو جائے گی کہ یہ کن منافقین کا تذکرہ ہے' جن کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان دو رائیں پائی جاتی تھیں۔ اہل ایمان میں سے بعض کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ نرمی ہونی چاہیے' آخر یہ ایمان تو لائے تھے نا' اب نہیں ہجرت کر سکے۔ جبکہ کچھ لوگ اللہ کے حکم کے معاملے میں ان سے سخت رویہ اختیار کرنے کے حق میں تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہو؟

﴿وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ﴾ ''اور اللہ نے تو ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب الٹ دیا ہے۔''

ان کا ہجرت نہ کرنا درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ الٹے پھیر دیے گئے ہیں۔ یعنی ان کا ایمان سلب ہو چکا ہے۔ ہاں کوئی مجبوری ہوتی' عذر ہوتا تو بات تھی۔

﴿اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ ان کو ہدایت دے دو جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے؟''

جن کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾﴾ ''اور جس کو اللہ راستے سے ہٹا دے اُس کے لیے تم کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔''

جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے آخری مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہو اس کے لیے پھر کون سا راستہ باقی رہ جاتا ہے؟

﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً﴾ ''یہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح انہوں نے کفر کیا ہے تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ''

یہ لوگ جو ان کے بارے میں نرمی کی باتیں کر رہے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ جیسے انہوں نے کفر کیا ہے تم بھی کرو' تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔ دُم کٹی بلی چاہتی ہے کہ سب بلیوں کی دُمیں کٹ جائیں۔

﴿فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''تو اب ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اللہ کی راہ میں۔''

یہ گویا اب ان کے ایمان کا لٹمس ٹیسٹ ہے۔ اگر وہ ہجرت نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مؤمن نہیں منافق

ہیں۔

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ ﴾ ''اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں (ہجرت نہ کریں) تو ان کو پکڑ و اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔''

یعنی اگر وہ ہجرت نہیں کرتے جو ان پر فرض کر دی گئی ہے تو پھر وہ کافروں کے حکم میں ہیں' چاہے وہ کلمہ پڑھتے ہوں۔ تم انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑ و اور قتل کرو۔

﴿وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا﴿۸۹﴾﴾ ''اور ان میں سے کسی کو بھی اپنا ساتھی اور مددگار مت بناؤ۔''

آیت ۹۰ ﴿اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ﴾ ''سوائے ان کے جن کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے''

یعنی اس حکم سے صرف وہ منافقین مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں جس کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے انہیں بھی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔

﴿اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ﴾ ''یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ دل برداشتہ ہوں''

﴿اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ﴾ ''اس بات سے کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں۔''

یعنی ان میں اتنی جرأت نہیں رہی کہ وہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم کے خلاف لڑیں یا اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تمہارے خلاف لڑیں۔ انسانی معاشرے میں ہر سطح کے لوگ ہر دور میں رہے ہیں اور ہر دور میں رہیں گے۔ لہٰذا واضح کیا جا رہا ہے کہ انقلابی جدوجہد کے دوران ہر طرح کے حالات آئیں گے اور ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ اس طرح کے کم ہمت لوگ جو کہتے تھے بھئی ہمارے لیے لڑنا بھڑنا مشکل ہے' نہ تو ہم اپنی قوم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑیں گے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے' ان کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان کی بھی جان بخشی کرو۔ چنانچہ ہجرت نہ کرنے والے منافقین کے بارے میں جو یہ حکم دیا گیا کہ ﴿فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ﴾ ''پس ان کو پکڑ و اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ'' اس سے دو استثناء بیان کر دیے گئے۔

﴿وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے لڑتے۔''

یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اللہ انہیں تمہارے خلاف ہمت عطا کر دیتا اور وہ تمہارے خلاف قتال کرتے۔

﴿فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ﴾ ''پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں''

﴿وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ﴾ ''اور تمہاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں۔''

﴿فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا﴿۹۰﴾﴾ ''تو اللہ نے تمہیں بھی ایسے لوگوں کے خلاف اقدام کرنے کی اجازت نہیں دی''

تو اس بات کو سمجھ لیجیے کہ جو منافق ہجرت نہیں کر رہے‘ ان کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ اب ان کے خلاف اقدام ہوگا‘ انہیں جہاں بھی پاؤ پکڑو اور قتل کرو‘ وہ حربی کافروں کے حکم میں ہیں۔ اِلّا یہ کہ (ا) ان کے قبیلے سے تمہارا صلح کا معاہدہ ہے تو وہ ان کو تحفظ فراہم کر جائے گا۔ (ب) وہ آ کر اگر یہ کہہ دیں کہ ہم بالکل غیر جانبدار ہو جاتے ہیں‘ ہم میں جنگ کی ہمت نہیں ہے‘ ہم نہ آپ کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑ سکتے ہیں اور نہ ہی آپ کے خلاف اپنی قوم کی مدد کریں گے‘ تب بھی انہیں چھوڑ دو۔ اس کے بعد اب منافقین کے ایک تیسرے گروہ کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔

آیت ۹۱ ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ﴾ ”تم پاؤ گے ایک اور قسم کے لوگوں کو بھی جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں‘ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔“

﴿كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ﴾ ”لیکن جب بھی فتنے کی طرف موڑے جاتے ہیں تو اس کے اندر اوندھے ہو جاتے ہیں۔“

جب بھی آزمائش کا وقت آتا ہے تو اس میں اوندھے منہ گرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ اپنی قوم کا پلڑا بھاری ہے تو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ اب تو ہماری فتح ہونے والی ہے اور ہمیں مالِ غنیمت میں سے حصہ مل جائے گا۔

﴿فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ﴾ ”پس اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں‘ تمہارے سامنے صلح وسلامتی پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں“

﴿فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ﴾ ”تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔“

﴿وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہیں سند (اور قوت) عطا کر دی ہے۔“

ایسے لوگوں کے معاملے میں ہم نے تمہیں کھلا اختیار دے دیا ہے کہ تم ان کے خلاف اقدام کر سکتے ہو۔

آیات ۹۲ تا ۹۶

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ز تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ
مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا ج تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ز فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ط كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ
فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿٩٤﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط فَضَّلَ اللّٰهُ
الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط وَفَضَّلَ اللّٰهُ
الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾

اب ایک اور معاشرتی مسئلہ آ رہا ہے۔ اُس وقت دراصل پورے عرب کے اندر ایک بھٹی دہک رہی تھی‘ جگہ جگہ جنگیں لڑی جا رہی تھیں‘ میدان لگ رہے تھے‘ معرکے ہو رہے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں تو صرف بڑے بڑے معرکوں اور غزوات کا ذکر ہوا ہے مگر حقیقت میں اُس وقت پورا معاشرہ حالتِ جنگ میں تھا۔ ایک چومکھی جنگ تھی جو مسلسل جاری تھی۔ اِن آیات سے اُس وقت کے عرب معاشرے کی اصل صورتِ حال اور اُس قبائلی معاشرے کے مسائل کی بہت کچھ عکاسی ہوتی ہے۔ اس طرح کے ماحول میں فرض کریں‘ ایک شخص نے کسی دوسرے کو قتل کر دیا۔ قاتل اور مقتول دونوں مسلمان ہیں۔ قاتل کہتا ہے کہ میں نے عمداً ایسا نہیں کیا‘ میں نے تو شکار کی غرض سے تیر چلایا تھا مگر اتفاق سے نشانہ چوک گیا اور اس کو جا لگا۔ تو اب یہ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا دو طرح کا ہو سکتا ہے‘ قتلِ عمد یا قتلِ خطا۔ یہاں اس بارے میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔

آیت ۹۲ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَئًا ج﴾ ’’کسی مؤمن کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ ایک مؤمن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر۔‘‘

خطا کے طور پر قتل کیا ہے؟ نشانہ چوک گیا اور کسی کو جا لگا یا سڑک پر حادثہ ہو گیا‘ کوئی شخص گاڑی کے نیچے آ کر مر گیا۔ آپ تو اُسے مارنا نہیں چاہتے تھے‘ بس یہ سب کچھ آپ سے اتفاقی طور پر ہو گیا۔ چنانچہ سعودی عرب میں حادثات کے ذریعے ہونے والی اموات کے فیصلے اسی قانونِ قتلِ خطا کے تحت ہوتے ہیں۔ وہ قانون کیا ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ ’’اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کر دے غلطی سے تو (اس کے ذمہ ہے) ایک مسلمان غلام کی گردن کا آزاد کرانا‘‘

﴿وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ط﴾ ’’اور خون بہا مقتول کے گھر والوں کو ادا کرنا‘ اِلّا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔‘‘

یعنی قتلِ خطا کے بدلے میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دیت یعنی خون بہا ادا کیا جائے گا‘ یہ مقتول کے ورثاء کا حق ہے ـ اور گناہ کے کفّارے کے طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا‘ یہ اللہ کا حق ہے۔

﴿فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّـكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ﴾ ’’اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسے قبیلے سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے اور تھا وہ مسلمان‘‘

﴿فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ‌ ؕ﴾ ’’تو پھر صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔‘‘

کیونکہ کافر قبیلے کا آدمی تھا اور اگر اس کی دیت دی جائے گی تو وہ اس کے گھر والوں کو ملے گی جو کہ کافر ہیں‘ لہٰذا یہاں دِیت معاف ہوگئی‘ لیکن ایک غلام کو آزاد کرنا جو اللہ کا حق تھا‘ وہ برقرار رہے گا۔

﴿وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ﴾ ’’اور اگر وہ (مقتول) ہو کسی ایسی قوم سے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے‘‘

﴿فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ وَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ‌ ۚ﴾ ’’تو پھر دیت بھی دینا ہوگی اس کے گھر والوں کو اور ایک مؤمن غلام بھی آزاد کرنا ہوگا۔‘‘

گویا یہ دو حق الگ الگ ہیں۔ ایک تو دِیت ہے جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے‘ اس میں یہاں رعایت نہیں ہوسکتی‘ البتہ جو حق اللہ کا اپنا ہے یعنی گناہ کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا‘ تو اس میں اللہ نے نرمی کر دی‘ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

﴿فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۹۲﴾﴾ ’’پھر جو یہ (غلام آزاد) نہ کر سکے تو روزے رکھے دو مہینوں کے متواتر۔ یہ اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے‘ اور یقیناً اللہ تو علیم و حکیم ہے۔‘‘

اب آگے قتلِ عمد کے قانون کے متعلق تفصیلات کا ذکر ہے۔

آیت ۹۳ ﴿وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَـنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا﴾ ’’اور جو کوئی قتل کرے گا کسی مؤمن کو جان بوجھ کر تو اس کا بدلہ جہنّم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا‘‘

﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ﴿۹۳﴾﴾ ’’اور اللہ کا غضب اس پر ہوگا‘ اور اللہ نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

جیسا کہ آغازِ سورۃ میں ذکر ہوا تھا کہ حرمتِ جان اور حرمتِ مال کے تصور پر معاشرے کی بنیاد قائم ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کا قتل کر دینا اللہ کے ہاں ایک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المائدہ (آیت ۳۲) میں قتلِ ناحق کو پوری نوعِ انسانی

کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ قاتل نے حرمتِ جان کو پامال کر کے شجرِ تمدّن کی گویا جڑ کاٹ دی' اور اس کا یہ فعل ایسے ہی ہے جیسے اس نے پوری انسانی نسل کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ ہمارے ہاں ایمان و اسلام کتنا کچھ ہے اور انسانی جان کی قدر و قیمت کیا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں قتل عمد کے واقعات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں اور انسانی جان مچھر مکھی کی جان کی طرح ارزاں ہو چکی ہے۔

اب اگلی آیت کو سمجھنے کے لیے عرب کے ان مخصوص حالات کو نظر میں رکھیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے' مختلف علاقوں میں کچھ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کچھ ابھی کفر پر قائم تھے اور کوئی ذریعہ تمیز بھی ان میں نہیں تھا' جگہ جگہ معرکے بھی ہو رہے تھے۔ اب فرض کریں کسی علاقے میں لڑائی ہو رہی ہے۔ مسلمان مجاہد سمجھا کہ سامنے سے کافر آ رہا ہے' مگر جب وہ اسے قتل کرنے کے لیے بڑھا تو اس نے آگے سے کلمہ پڑھ کر دعویٰ کیا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس صورتِ حال میں ممکن ہے سمجھا جائے کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ اس بارے میں حکم دیا جا رہا ہے:

آیت ۹۴ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا﴾ ''اے اہل ایمان' جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو''

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ ''اور جو شخص بھی تمہارے سامنے سلام پیش کرے (یا اسلام پیش کرے) اس کو یہ مت کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو۔''

تم اس کی باطنی کیفیت معلوم نہیں کر سکتے۔ ایمان کا تعلق چونکہ دل سے ہے اور دل کا حال سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا' لہٰذا دنیا میں تمام معاملات کا اعتبار زبانی اسلام (اقرار باللّسان) پر ہی ہو گا۔ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ رہا ہے اور اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہے تو آپ کو اس کے الفاظ کا اعتبار کرنا ہو گا۔ اس آیت کے پس منظر کے طور پر روایات میں ایک واقعے کا ذکر ملتا ہے جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ کسی سریہ میں حضرت اسامہؓ کا ایک کافر سے دُو بدُو مقابلہ ہوا۔ جب وہ کافر بالکل زیر ہو گیا اور اس کو یقین ہو گیا کہ اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں تو اس نے کلمہ پڑھ دیا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ. اب ایسی صورتِ حال میں جو کوئی بھی ہوتا یہی سمجھتا کہ اس نے جان بچانے کے لیے بہانہ کیا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے بھی یہی سمجھتے ہوئے اُس پر نیزے کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ لیکن دل میں ایک خلش رہی۔ بعد میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: ((اَقَالَ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَقَتَلْتَہٗ؟)) ''اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا اور تم نے پھر بھی اُسے قتل کر دیا؟'' حضرت اسامہؓ نے جواب دیا: ''یا رسول اللہ! اُس نے تو ہتھیار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا''۔ آپؐ نے فرمایا: ((اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَـھَا اَمْ لَا؟)) تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ جان لیا کہ اُس نے کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟'' حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مجھ سے بار بار فرمائی' یہاں تک کہ میں خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا![1] بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ اُس دن

کیا جواب دو گے جب وہ کلمۂ شہادت تمہارے خلاف مدعی ہو کر آئے گا؟"

﴿تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫﴾ ''تم دنیا کا سامان چاہتے ہو''

کہ ایسے شخص کو کافر قرار دیں' قتل کریں اور مالِ غنیمت لے لیں۔

﴿فَعِنۡدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیۡرَۃٌ ؕ﴾ ''تو اللہ کے ہاں بڑی غنیمتیں ہیں۔''

تمہارے لیے بڑی بڑی مملکتوں کے اموالِ غنیمت آنے والے ہیں۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرو۔

﴿کَذٰلِکَ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ﴾ ''تم خود بھی تو پہلے ایسے ہی تھے' تو اللہ نے تم پر احسان فرمایا ہے''

آخر ایک دَور تم پر بھی تو ایسا ہی گزرا ہے۔ تم سب بھی تو نو مسلم ہی ہو اور ایک وقت میں تم میں سے ہر شخص کافر یا مشرک ہی تو تھا! پھر اللہ ہی نے تم لوگوں پر احسان فرمایا کہ تمہیں کلمہ شہادت عطا کیا اور رسول ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ لہٰذا اللہ کا احسان مانو اور اس طریقے سے لوگوں کے معاملے میں اتنی سخت روش اختیار نہ کرو۔

﴿فَتَبَیَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۹۴﴾﴾ ''تو (دیکھو) تحقیق کرلیا کرو۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔''

اگلی آیت مبارکہ میں جہاد کا لفظ بمعنی قتال آیا ہے۔ جہاں تک جہاد کی اصلی روح کا تعلق ہے تو ایک مؤمن گویا ہر وقت جہاد میں مصروف ہے۔ دعوت و تبلیغ بھی جہاد ہے' اپنے نفس کے خلاف اطاعتِ الٰہی بھی جہاد ہے۔ ازروئے حدیثِ نبویؐ: ((اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ))(۲) بلکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ؟ ''سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ وَھَوَاکَ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ))(۳) ''یہ کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو انہیں اللہ کا مطیع بنانے کے لیے''۔ چنانچہ جہاد کی بہت سی منازل ہیں' جن میں سے آخری منزل قتال ہے۔ تاہم جہاد اور قتال کے الفاظ قرآن میں ایک دوسرے کی جگہ پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں الفاظ کے تین ایسے جوڑے ہیں جن میں سے ہر لفظ اپنے جوڑے کے دوسرے لفظ کی جگہ اکثر استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے ایک جوڑا تو یہی ہے' یعنی جہاد اور قتال کے الفاظ' جبکہ دوسرے دو جوڑے ہیں ''مؤمن و مسلم'' اور ''نبی و رسول''۔

آیت ۹۵ ﴿لَا یَسۡتَوِی الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ غَیۡرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الۡمُجٰہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ؕ﴾ ''برابر نہیں ہیں اہلِ ایمان میں سے بیٹھ رہنے والے بغیر عذر کے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد (قتال) کے لیے نکلتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔''

﴿فَضَّلَ اللّٰہُ الۡمُجٰہِدِیۡنَ بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ عَلَی الۡقٰعِدِیۡنَ دَرَجَۃً ؕ﴾ ''اللہ نے فضیلت دی ہے اُن مجاہدین کو جو اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والے ہیں' بیٹھے رہنے والوں پر' ایک بہت بڑے درجے کی۔''

دَرَجَةً کی تنکیر تفخیم کے لیے ہے‘ یعنی بہت بڑا درجہ۔ یہاں قتال فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے کی بات ہو رہی ہے کہ جو کسی معقول عذر کے بغیر قتال کے لیے نہیں نکلتا وہ اس کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتا جو قتال کر رہا ہے۔ اگر کوئی اندھا ہے‘ دیکھنے سے معذور ہے یا کوئی لنگڑا ہے‘ چل نہیں سکتا‘ ایسے معذور قسم کے لوگ اگر قتال کے لیے نہ نکلیں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن کو کوئی ایسا عذر نہیں ہے‘ پھر بھی وہ بیٹھے رہیں‘ یہاں انہی لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ درجے میں مجاہدین کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ یہ ایسے قتال کی بات ہو رہی ہے جس کی حیثیت اختیاری (optional) ہو‘ لازمی قرار نہ دیا گیا ہو۔ جب اسلامی ریاست کی طرف سے قتال کے لیے نفیر عام ہو جائے تو معذورین کے سوا سب کے لیے نکلنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ قتال کے لیے پہلی دفعہ نفیر عام غزوۂ تبوک (سن ۹ ہجری) میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے قتال کے بارے میں صرف ترغیب (persuasion) تھی کہ نکلو اللہ کی راہ میں‘ حکم نہیں تھا۔ لہٰذا کوئی جواب طلبی بھی نہیں تھی۔ کوئی چلا گیا‘ کوئی نہیں گیا‘ کوئی گرفت نہیں تھی۔ لیکن غزوۂ تبوک کے لیے نفیرِ عام ہوئی تھی‘ باقاعدہ ایک حکم تھا‘ لہٰذا جو لوگ نہیں نکلے اُن سے وضاحت طلب کی گئی‘ اُن کا مؤاخذہ کیا گیا اور اُن کو سزائیں بھی دی گئیں۔ تو یہاں چونکہ اختیاری قتال کی بات ہو رہی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جا رہا کہ ان کو پکڑو اور سزا دو‘ بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے مجاہدین اللہ کی نظر میں بہت افضل ہیں۔ اس سے پہلے ایسے قتال کے لیے اسی سورۃ (آیت ۸۴) میں ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا حکم ہے‘ یعنی مومنین کو قتال پر اُکسایئے‘ ترغیب دیجیے‘ آمادہ کیجیے۔ لیکن یہاں واضح انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ قتال کرنے والے اور نہ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ﴾ ’’(اگرچہ) سب کے لیے اللہ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے۔‘‘

چونکہ ابھی قتال فرض نہیں تھا‘ نفیرِ عام نہیں تھی‘ سب کا نکلنا لازم نہیں کیا گیا تھا‘ اس لیے فرمایا گیا کہ تمام مؤمنین کو ان کے اعمال کے مطابق اچھا اجر دیا جائے گا۔ قتال کے لیے نہ نکلنے والوں نے اگر اتنی ہمت نہیں کی اور وہ کمتر مقام پر قانع ہو گئے ہیں تو ٹھیک ہے‘ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلے میں ان پر کوئی گرفت نہیں ہو گی۔

﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۹۵﴾ ’’لیکن فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر ایک اجرِ عظیم کی (صورت میں)۔‘‘

آیت ۹۶ ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۹۶﴾ ’’(اُن کے لیے) اُس کی طرف سے بلند درجات بھی ہوں گے اور مغفرت و رحمت بھی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا‘ بہت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

آیات ۹۷ تا ۱۰۰

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ كُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی
الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِیۡهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتۡ
مَصِیۡرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ حِیۡلَةً وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ
سَبِیۡلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنۡ یُّهَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ
اللّٰهِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِیۡرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ
یُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۰۰﴾﴾

اب ان لوگوں کا ذکر آ رہا ہے جو ہجرت کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے' اس سلسلے میں انہیں کوئی عذر بھی مانع نہیں تھا' مگر پھر بھی وہ اپنے قبیلے یا مکہ شہر میں اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے تھے۔

آیت ۹۷ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ﴾ ''یقیناً وہ لوگ کہ جن کو فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے''

یعنی انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی' اس سلسلے میں رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت نہیں کی تھی۔ آخر موت تو آنی ہے' لہٰذا فرشتے جب ان کی روحیں قبض کریں گے تو ان کے ساتھ اس طرح مکالمہ کریں گے:

﴿قَالُوۡا فِیۡمَ كُنۡتُمۡ ؕ﴾ ''وہ ان سے کہیں گے یہ تم کس حال میں تھے؟''

تم نے ایمان کا دعویٰ تو کیا تھا' لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا حکم دیا تو ہجرت کیوں نہیں کی؟ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟

﴿قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''وہ کہیں گے ہم مجبور اور کمزور بنا دیے گئے تھے اس زمین میں۔''

﴿قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِیۡهَا ؕ﴾ ''وہ (فرشتے) کہیں گے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟''

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۹۷﴾﴾ ''تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے' اور وہ بہت بُری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔''

آیت ۹۸ ﴿اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ﴾ ''سوائے ان مردوں' عورتیں اور بچوں کے جن کو واقعتاً دبا لیا گیا ہو''

جن لوگوں کو کمزور سمجھ کر دبا لیا گیا ہو' واقعتاً زنجیروں میں جکڑ کر گھروں میں بند کر دیا گیا ہو' ان کا معاملہ اور ہے۔ یا پھر کوئی عورت ہے جس کے لیے تنہا سفر کرنا ممکن نہیں۔ ویسے تو ایسی عورتیں بھی تھیں جنہوں نے تنہا ہجرتیں کیں' لیکن ہر ایک کے لیے تو

ایسا ممکن نہیں تھا۔

﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾﴾ ''نہ تو وہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ وہ راستہ جانتے ہیں۔''

آیت ۹۹ ﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾﴾ ''بعید نہیں کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے' اور اللہ واقعتاً بخشنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔''

ایسے بے بس اور لاچار مردوں' بچوں اور عورتوں کے لیے اسی سورۃ (آیت ۷۵) میں حکم ہوا تھا کہ ان کے لیے قتال فی سبیل اللہ کرو اور انہیں جا کر چھڑاؤ۔ لیکن جو لوگ ہجرت کے اس واضح حکم کے بعد بھی بغیر عذر کے بیٹھے رہے ہیں ان کے بارے میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ وہ منافق ہیں' ان سے تمہارا کوئی تعلق نہیں' جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ بلکہ قتال کے معاملے میں وہ بالکل کفار کے برابر ہیں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور جو کوئی ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں''

﴿یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ﴾ ''وہ پائے گا زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی وسعت۔''

جیسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ ''اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو' میری زمین بہت کشادہ ہے' پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو!''۔ اگر یہاں اپنے وطن میں اللہ کی بندگی نہیں کر سکتے ہو تو کہیں اور چلے جاؤ۔

﴿وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ﴾ ''اور جو کوئی اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہجرت کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف' پھر اسے موت نے آلیا''

﴿فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾ ''تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔''

یعنی جس کسی نے بھی ہجرت کی' فی سبیل اللہ' دولت کے لیے یا حصولِ دنیا کے لیے نہیں' بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا جوئی کے لیے' وہ اصل ہجرت ہے۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی' فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ' وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ یَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ))[1]

''اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہی ہے اور بلاشبہ ہر انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اُس نے نیت کی۔ پس جس نے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف تو واقعی اُس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے' اور جس نے ہجرت کی دنیا کمانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے تو اس کی ہجرت اُسی چیز کی طرف شمار ہو گی جس کا اُس

نے قصد کیا۔‘‘

چنانچہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی‘ خلوصِ نیّت کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا اور راستے ہی میں فوت ہو گیا‘ مدینہ منورہ نہیں پہنچ سکا‘ حضورﷺ کے قدموں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی‘ وہ اپنا مقصود حاصل نہیں کر سکا‘ تو پھر بھی وہ کامیاب وکامران ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اسے ہجرت کا اجر ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾﴾ ’’اور یقیناً اللہ بخشنے والا‘ رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۴

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ
فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۟ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠
وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ
فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي
ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا
يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾﴾

اس رکوع میں پھر شریعت کے کچھ احکام اور عبادات کی کچھ تفاصیل ہیں۔ گویا خطاب کا رُخ اب پھر اہل ایمان کی طرف ہے۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ﴾ ’’اور (اے مسلمانو!) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز کو کچھ کم کر لیا کرو‘‘

﴿اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ﴾ ’’اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔‘‘

﴿اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾﴾ ’’یقیناً یہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔‘‘

یہ تو ہے حالتِ سفر میں قصرِ صلوٰۃ کا حکم۔ لیکن جنگ کی حالت میں قصر یعنی صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ حالتِ جنگ میں جب پورے لشکر کا ایک ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہ رہے تو گروہوں کی شکل میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔

لیکن ایسی صورت میں جب حضورﷺ خود بھی لشکر میں موجود ہوتے تو کوئی ایک گروہ ہی آپﷺ کے ساتھ نماز پڑھ سکتا تھا' جبکہ دوسرے گروہ کے لوگوں کو لازماً محرومی کا احساس ہوتا۔ لہٰذا اس مسئلے کے حل کے لیے صلوٰۃ الخوف ادا کرنے کی بہت عمدہ تدبیر بتائی گئی۔

آیت ۱۰۲ ﴿وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور (اے نبیؐ) جب آپؐ ان کے درمیان موجود ہوں اور (حالتِ جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہوں''

﴿فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَكَ وَلۡيَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ﴾ ''تو ان میں سے ایک گروہ کو کھڑے ہونا چاہیے آپؐ کے ساتھ' اور وہ اپنا اسلحہ لیے ہوئے ہوں۔''

﴿فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡيَكُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِكُمۡ﴾ ''پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں''

﴿وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَةٌ اُخۡرٰى لَمۡ يُصَلُّوۡا فَلۡيُصَلُّوۡا مَعَكَ﴾ ''اور آئے دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور وہ آپؐ کے ساتھ نماز پڑھیں''

یہ حکم صلوٰۃ الخوف کے بارے میں ہے۔ اس کی عملی صورت یہ تھی کہ حضورﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھا دی اور اس کے بعد آپؐ بیٹھے رہے' دوسری رکعت کے لیے کھڑے نہیں ہوئے' جبکہ مقتدیوں نے دوسری رکعت خود ادا کر لی۔ دو رکعتیں پوری کر کے وہ محاذ پر واپس چلے گئے تو دوسرے گروہ کے لوگ جو اَب تک نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے' نماز کے لیے حضورؐ کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اب حضورؐ نے دوسری رکعت اس گروہ کے لوگوں کی موجودگی میں پڑھائی۔ اس کے بعد حضورؐ نے سلام پھیر دیا' لیکن مقتدیوں نے اپنی دوسری رکعت انفرادی طور پر ادا کر لی۔ اس طریقے سے لشکر میں سے کوئی شخص بھی حضورؐ کی امامت کے شرف اور سعادت سے محروم نہ رہا۔

﴿وَلۡيَاۡخُذُوۡا حِذۡرَهُمۡ وَاَسۡلِحَتَهُمۡ﴾ ''اور ان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں۔''

﴿وَدَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِكُمۡ وَاَمۡتِعَتِكُمۡ فَيَمِيۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ مَّيۡلَةً وَّاحِدَةً﴾ ''یہ کافر لوگ تو اسی تاک میں رہتے ہیں کہ تم جیسے ہی اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں۔''

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ كَانَ بِكُمۡ اَذًى مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ﴾ ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو جاؤ اور (ایسی صورتوں میں) تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو۔''

﴿وَخُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ﴾ ''البتہ اپنا بچاؤ ضرور کر لیا کرو۔''

اگر تلوار‘ نیزہ وغیرہ جسم سے بندھے ہوئے ہوں اور اس حالت میں نماز پڑھنا مشکل ہو تو یہ اسلحہ وغیرہ کھول کر علیحدہ رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں‘ بشرطیکہ جنگ کے حالات اجازت دیتے ہوں‘ لیکن ڈھال وغیرہ اپنے پاس ضرور موجود رہے تاکہ اچانک کوئی حملہ ہو تو انسان اپنے آپ کو اس فوری حملے سے بچا سکے اور اپنے ہتھیار سنبھال سکے۔

﴿اِنَّ اللّٰـهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٠٢﴾﴾ ’’یقیناً اللہ نے کافروں کے لیے بہت ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

آیت ۱۰۳ ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ’’پھر جب تم (اس طریقے سے) نماز ادا کر لو‘‘

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ﴾ ’’تو پھر ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہوئے‘ بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے۔‘‘

چلتے پھرتے‘ اٹھتے بیٹھتے‘ سواری پر‘ پیدل چلتے ہوئے ہر حالت میں اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے۔ یہ ذکرِ کثیر صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حالت میں اس کا اہتمام رہنا چاہیے۔ جیسے سورۃ الجمعہ میں حکم دیا گیا ہے: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠﴾﴾ ’’پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو‘ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ‘‘۔ چنانچہ نماز کے بعد بھی اور کاروبارِ زندگی کی مصروفیات کے دوران بھی ذکرِ کثیر جاری رکھو۔ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو‘ اس کے ذکر میں مشغول رہو۔ ادعیہ ماثورہ اور اورادِ مسنونہ کا اہتمام کرو‘ اپنی زبانوں‘ ذہنوں اور دلوں کو اُس کے ذکر سے تروتازہ رکھو۔

﴿فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ﴾ ’’پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو پھر نماز کو قائم کرو (تمام آداب و شرائط کے ساتھ)۔‘‘

یعنی نماز کی یہ شکل (صلوٰۃ الخوف) صرف اضطراری حالت میں ہوگی‘ مگر جب خوف جاتا رہے اور حالتِ امن بحال ہو جائے تو نماز کو شریعت کے احکام اور آداب کے عین مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾﴾ ’’یقیناً نماز اہلِ ایمان پر فرض کی گئی ہے وقت کی پابندی کے ساتھ۔‘‘

یعنی نماز کی فرضیّت باقاعدہ اس کے اوقات کے ساتھ ہے۔ نماز کے اوقات کے ضمن میں ایک حدیث میں تفصیل مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو دن رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھائی۔ ایک دن پانچوں نمازیں اوّل وقت میں جبکہ دوسرے دن تمام نمازیں آخر وقت میں پڑھائیں اور بتایا کہ نمازوں کے اوقات ان حدود کے مابین ہیں۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ﴾ ’’اور اس دشمن گروہ کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔‘‘

حق و باطل کی جنگ اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ اس آخری مرحلے میں آ کر تھک نہ جانا اور دشمن کا پیچھا کرنے میں سست مت پڑ جانا' ہمت نہ ہار دینا۔

﴿اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ج﴾ ''اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تمہاری طرح انہیں بھی تو تکلیف پہنچتی ہے۔''

یہ بڑا پیارا انداز ہے کہ اس کشمکش میں اگر تم لوگ نقصان اٹھا رہے ہو تو کیا ہوا؟ تمہارے دشمن بھی تو ویسے ہی نقصان سے دوچار ہو رہے ہیں' انہیں بھی تو تکالیف پہنچ رہی ہیں' وہ بھی تو زخم پر زخم کھا رہے ہیں' ان کے لوگ بھی تو مر رہے ہیں۔

﴿وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ط﴾ ''اور تم اللہ سے ایسی اُمیدیں رکھتے ہو جیسی امیدیں وہ نہیں رکھتے۔''

تمہیں تو جنت کی اُمید ہے' اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید ہے' جبکہ انہیں ایسی کوئی اُمید نہیں ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے تمہیں تو ان سے کہیں بڑھ کر پُر جوش ہونا چاہیے۔ سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں بھی اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف﴾ ''اے ایمان والو' صبر سے کام لو اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ اور مربوط رہو''۔ تو آپ لوگوں کو تو صبر و استقامت میں ان سے بہت آگے ہونا چاہیے' کیونکہ تمہارا سہارا تو اللہ ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل:۱۲۷) ''آپ صبر کیجیے' اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے''۔ تمہارے دشمنوں کے تو من گھڑت قسم کے خدا ہیں۔ اُن کے دیوتاؤں اور دیویوں کی خود ان کے دلوں میں کوئی حقیقی قدر و قیمت نہیں ہے' پھر بھی وہ اپنے باطل معبودوں کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے ہیں تو اے مسلمانو! تمہیں تو ان سے کئی گنا زیادہ قربانیوں کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۰۴﴾ ''اور یقیناً اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔''

یہ چند آیتیں تو تھیں اہل ایمان سے خطاب میں۔ اس کے بعد اگلے رکوع میں پھر منافقین کا ذکر آ رہا ہے۔

آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝۱۰۵ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۶ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝۱۰۷ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝۱۰۸ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا قف فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ

الْقِیٰمَۃِ اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ
اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ یَّکْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَکْسِبُہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا
حَکِیْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْٓئَۃً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِہٖ بَرِیْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۲﴾
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُہٗ لَھَمَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ اَنْ یُّضِلُّوْکَ ط وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ
وَمَا یَضُرُّوْنَکَ مِنْ شَیْءٍ ط وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط
وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ
مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ م بَیْنَ النَّاسِ ط وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا
عَظِیْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ
نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾

آیت ۱۰۵ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ ط﴾ ’’(اے نبیؐ) یقیناً ہم نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے حق کے ساتھ تاکہ آپؐ لوگوں کے مابین فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے‘‘
یعنی ایک تو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو کتاب دی ہے‘ قانون دیا ہے‘ اس کے ساتھ آپؐ کو بصیرتِ خاص دی ہے۔ مثلاً عدالت میں ایک جج بیٹھا ہے‘ اس کے سامنے قانون کی کتاب ہے‘ مقدمے سے متعلق متعلقہ ریکارڈ ہے‘ شہادتیں ہیں‘ اب ایک اس کی اپنی عقل (چھٹی حِس) اور قوتِ فیصلہ بھی ہوتی ہے‘ جس کو بروئے کار لا کر وہ فیصلہ کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسا ہم آپ کو دکھاتے ہیں اس کے مطابق آپؐ فیصلہ کریں۔
﴿وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ﴿۱۰۵﴾﴾ ’’اور آپؐ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔‘‘
یعنی آپؐ ان کی طرف سے وکالت نہ فرمائیں۔ ایک شخص جو کہنے کو تو مسلمان ہے لیکن ہے خائن‘ آپؐ کو اس کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے پس منظر میں دراصل ایک واقعہ ہے۔ ایک منافق نے کسی مسلمان کے گھر میں چوری کے لیے نقب لگائی اور وہاں سے آٹے کا ایک تھیلا اور کچھ اسلحہ چُرا لیا۔ آٹے کے تھیلے میں سوراخ تھا‘ جب وہاں سے وہ اپنے گھر کی طرف چلا تو سوراخ میں سے آٹا تھوڑا تھوڑا گرتا گیا۔ اس طرح اس کے راستے اور گھر کی نشاندہی ہوتی گئی‘ مگر اسے خبر نہیں تھی کہ آٹے کی لکیر اس کا راز فاش کر رہی ہے۔ گھر پہنچ کر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے مجھ پر شک ہو جائے‘ چنانچہ اُس نے اسی وقت جا کر وہ سامان ایک یہودی کے ہاں امانتاً رکھوا دیا‘ لیکن آٹے کا نشان وہاں بھی پہنچ گیا۔ اگلے روز جب تلاش شروع ہوئی تو آٹے کی لکیر کے ذریعے لوگ کھوج لگاتے ہوئے اس کے مکان پر پہنچ گئے‘ لیکن پوچھ گچھ پر اس نے صاف انکار کر دیا۔ تلاشی

لی گئی‘ مگر کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ آٹے کے نشانات مزید آگے جا رہے ہیں تو وہ کھوج لگاتے ہوئے یہودی کے گھر پہنچے‘ اس کے ہاں سے سامان بھی برآمد ہو گیا۔ یہودی نے حقیقت بیان کر دی کہ یہ سامان رات کو فلاں شخص نے اُس کے پاس امانتاً رکھوایا تھا۔ منافق کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہودی جھوٹ بولتا ہے‘ وہی چور ہے۔ جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو یہ جھگڑا حضورﷺ کے سامنے لایا گیا۔ منافق کے قبیلے والوں نے قسمیں کھا کھا کر خوب وکالت کی کہ ہمارا یہ آدمی تو بہت نیک ہے‘ اس پر خواہ مخواہ کا جھوٹا الزام لگ رہا ہے۔ یہاں تک کہ حضورﷺ کا دل بھی اس شخص کے بارے میں کچھ پسیجنے لگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ خیانت کرنے والے کے حمایتی نہ بنیں‘ اس کی طرف سے وکالت نہ کریں‘ اس کا سہارا نہ بنیں‘ اس کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہاں خَصِیۡمًا کے معنی ہیں جھگڑا کرنے والا‘ بحث کرنے والا۔ لِلۡخَائِنِیۡنَ کا مطلب ہے ’’خائن لوگوں کے حق میں‘‘۔ لیکن اگر عَلَی الۡخَائِنِیۡنَ ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا ’’خائن لوگوں کے خلاف‘‘۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۰۶﴾﴾ ’’اور اللہ سے استغفار کریں‘ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

یعنی اس منافق کے حق میں آپؐ کی طبیعت میں جو نرمی پیدا ہو گئی تھی اُس پر اللہ سے استغفار کیجیے‘ مغفرت طلب کیجیے۔

آیت ۱۰۷ ﴿وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ﴾ ’’اور آپؐ مت جھگڑیئے اُن لوگوں کی طرف سے جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔‘‘

اس حکم کے حوالے سے ذرا مسئلہ شفاعت پر بھی غور کریں۔ ہم یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ حضورﷺ ہماری طرف سے شفاعت کریں گے‘ چاہے ہم نے بے ایمانیاں کی ہیں‘ حرام خوریاں کی ہیں‘ شریعت کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ لیکن یہاں آپؐ کو دوٹوک انداز میں خائن لوگوں کی وکالت سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ خَوَّانًا اَثِیۡمًا ﴿۱۰۷﴾﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہیں خیانت میں بہت بڑھے ہوئے اور گنہگار لوگ۔‘‘

آیت ۱۰۸ ﴿یَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ﴾ ’’یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتے‘‘

یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔

﴿وَہُوَ مَعَہُمۡ اِذۡ یُبَیِّتُوۡنَ مَا لَا یَرۡضٰی مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ﴾ ’’اور وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ راتوں کو چھپ کر اُس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔‘‘

یہ منافقین کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب وہ مسلمانوں اور رسول اللہﷺ کے خلاف چوری چھپے سازشیں کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اگر اللہ پر ان کا ایمان ہو تو انہیں معلوم ہو کہ اللہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ یہ

مسلمانوں سے ڈرتے ہیں‘ ان سے اپنی باتوں کو خفیہ رکھتے ہیں‘ مگر ان بدبختوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہمارے پاس موجود ہے‘ اس سے تو کچھ نہیں چھپ سکتا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا﴾ ’’اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔‘‘ یعنی اس کی پکڑ سے یہ کہیں باہر نہیں نکل سکتے۔

آیت ۱۰۹ ﴿هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ’’یہ تم لوگ ہو جنہوں نے دنیا کی زندگی میں ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا۔‘‘

﴿فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ’’مگر قیامت کے دن اللہ سے ان کے بارے میں کون جھگڑا کرے گا؟‘‘

﴿اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴾ ’’یا کون ہوگا جو (وہاں) ان کا وکیل بن سکے گا؟‘‘

یہ خطاب ہے اُس منافق چور کے قبیلے کے لوگوں سے کہ اے لوگو! تم نے دنیا کی زندگی میں تو مجرموں کی طرف سے خوب وکالت کر لی‘ یہاں تک کہ حضورﷺ کو بھی قائل کرنے کی حد تک تم پہنچ گئے۔ مگر یہاں تم انہیں چھڑا بھی لیتے اور بالفرض حضورﷺ کو بھی قائل کر لیتے تو قیامت کے دن انہیں اللہ کی پکڑ سے کون چھڑاتا؟ اس ضمن میں حضورﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم اس طرح ہے کہ میرے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے‘ اس میں ایک فریق زیادہ چرب زبان ہوتا ہے‘ وہ اپنی بات بہتر طور پر پیش کرتا ہے اور میرے ہاں سے اپنے حق میں غلط طور پر فیصلہ لے جاتا ہے۔ (فرض کیجیے کسی زمین کے ٹکڑے کے بارے میں کوئی تنازعہ تھا اور ایک شخص غلط طور پر بات ثابت کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے گیا۔) لیکن اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح وہ زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ جہنم کا ٹکڑا لے کر گیا ہے۔ یعنی خود رسول اللہﷺ جو بھی فیصلے کرتے تھے شہادتوں کے اعتبار سے کرتے تھے‘ حضورﷺ کے لیے اللہ کی طرف سے ہر وقت اور ہر مرحلے پر تو وحی نازل نہیں ہوتی تھی‘ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا آپؐ کو متنبہ فرما دیتا تھا۔ اس لیے آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرما دی کہ اگر کچھ لوگ اس دنیا میں جھوٹ‘ فریب اور غلط فیصلے کے ذریعے کوئی مفاد حاصل کر بھی لیتے ہیں تو انہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایک دن اُس کی عدالت میں بھی پیش ہونا ہے جہاں جھوٹ اور غلط بیانی سے کام نہیں چلے گا‘ وہاں ان کے حق میں اللہ سے کون جھگڑے گا؟

آیت ۱۱۰ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ’’اور جو کوئی بُری حرکت کرے یا اپنی جان پر کوئی ظلم کر بیٹھے اور پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو پائے گا بخشنے والا‘ بہت رحم کرنے والا۔‘‘

اس سلسلے میں سیدھی روش یہی ہے کہ غلطی یا خطا ہوگئی ہے تو اس کا اعتراف کر لو‘ اس جرم کی جو دُنیوی سزا ہے وہ بھگت لو اور اللہ سے استغفار کرو۔ اس طرح آخرت کی سزا سے چھٹکارا مل جائے گا۔

آیت ۱۱۱ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾﴾ ''جو کوئی بھی گناہ کماتا ہے تو وہ اس کا وبال اپنی ہی جان پر لیتا ہے۔ اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔''

آیت ۱۱۲ ﴿وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــئًا﴾ ''اور جو کوئی کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' پھر اس کا الزام کسی بے گناہ پر لگا دیتا ہے''

﴿فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾﴾ ''تو اس نے اپنے سر ایک بہت بڑا بہتان اور بہت صریح گناہ کا بوجھ لے لیا۔''

کسی نے کوئی گناہ کمایا' کوئی خطا کی' کوئی غلطی کی' کوئی جرم کیا' پھر اس کی تہمت کسی بے قصور شخص پر لگا دی تو بہت بڑے بہتان اور کھلم کھلا گناہ کا بار سمیٹ لیا۔ مذکورہ معاملے میں یہودی تو بے قصور تھا' جو لوگ اس کو سزا دلوانے کے لیے تُل گئے تو ان کا یہ فعل یَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا کے زُمرے میں آ گیا۔ کسی بے گناہ پر اس طرح کا بہتان لگانا اللہ کے نزدیک بہت سنجیدہ معاملہ ہے۔

اس کے بعد اب اُس یہودی اور منافق کے مقدمے کے کچھ مزید پہلوؤں کے بارے میں حضور ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ﴾ ''اور (اے نبیؐ) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپؐ کے شاملِ حال نہ ہوتی تو اُن (منافقین) کا ایک گروہ تو اس پر تُل گیا تھا کہ آپ کو گمراہ کر دے۔''

وہ لوگ تو اس پر کمر بستہ تھے کہ آپؐ کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے آپؐ سے غلط فیصلہ کروائیں' عدالتِ محمدی ﷺ سے ظلم پر مبنی فیصلہ صادر ہو جائے' گناہ گار چھوٹ جائے اور جو اصل مجرم نہیں تھا' بالکل بے گناہ تھا' اس کو پکڑ لیا جائے۔

﴿وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''اور حقیقت میں وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور (اے نبیؐ) وہ آپؐ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

ہم ایسے مواقع پر بروقت آپ ﷺ کو مطلع کرتے رہیں گے۔

﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ﴾ ''اور اللہ نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے اور حکمت بھی' اور آپؐ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپؐ نہیں جانتے تھے۔''

﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ کا فضل ہے آپؐ پر بہت بڑا۔''

آیت ۱۱۴ ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ ''ان (منافقین) کی سرگوشیوں میں سے اکثر میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی''

منافقین کی منفی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ علیحدہ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنا' دوسروں کو دیکھ کر مسکرانا اور ساتھ اشارے بھی کرنا تاکہ دیکھنے والے کے دل میں خلجان پیدا ہو کہ میرے بارے میں بات ہو رہی ہے' آج بھی ہماری مجلسوں میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ سارے معاملات جوں کے توں انسانی معاشرے کے اندر ویسے ہی آج بھی موجود ہیں۔ مگر اللہ کا فرمان ہے کہ اس انداز کی خفیہ سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔

﴿اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۢ بَيۡنَ النَّاسِ ؕ﴾ ''اِلّا یہ کہ کوئی تلقین کرے صدقہ وخیرات کی' یا نیکی کی یا لوگوں کے معاملات کو درست کرنے کی۔''

خیر والی سرگوشی یہ ہو سکتی ہے کہ خاموشی سے کسی کو علیحدگی میں لے جا کر اس کو صدقہ وخیرات کی تلقین کی جائے کہ بھائی دیکھو آپ کو اللہ نے غنی کیا ہے' فلاں شخص محتاج ہے' میں اس کو جانتا ہوں' آپ کو اس کی مدد کرنی چاہیے' وغیرہ۔ پھر معروف اور بھلائی کے امور میں خفیہ صلاح مشورے اگر کیے جائیں تو اس میں بھی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی غلط فہمی یا جھگڑے کی صورت میں فریقین میں صلح صفائی کرانے کی غرض سے بھی خفیہ مذاکرات کسی سازش کے زمرے میں نہیں آتے۔ مثلاً دو بھائی جھگڑ پڑے ہیں' اب آپ ایک کی بات علیحدگی میں سنیں اور دوسرے کے پاس جا کر اس بات کو بہتر انداز میں پیش کریں کہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے' انہوں نے یہ بات یوں نہیں' یوں کہی تھی۔ اس طرح کی علیحدہ علیحدہ گفتگو جو نیک نیتی سے کی جا رہی ہو' یہ یقیناً نیکی اور بھلائی کی بات ہے' جو باعث اجر وثواب ہے۔

﴿وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ فَسَوۡفَ نُـؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿١١٤﴾﴾ ''اور جو شخص اس طرح (کی سرگوشی) کرے گا اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے تو عنقریب ہم اسے دیں گے بہت بڑا اجر۔''

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَـهُ الۡهُدٰى﴾ ''اور جو رسولؐ کی مخالفت پر تل گیا' اس کے بعد کہ اُس پر ہدایت واضح ہو چکی''

یعنی جو کوئی خفیہ سازشوں اور چوری چھپے کی لگائی بجھائی کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف بھڑکاتا ہے کہ دیکھو جی یہ اپنے لوگوں کو نواز رہے ہیں۔ جیسا کہ غزوۂ حنین میں ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے ان مسلمانوں کو جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے' مالِ غنیمت میں سے ان کی دلجوئی کے لیے (جسے قرآن میں تالیفِ قلوب کہا گیا ہے) ذرا زیادہ مال دے دیا تو اس پر بعض لوگوں نے شور مچا دیا کہ دیکھ لیا' جب کڑا وقت تھا' مشکل وقت تھا تو اسے ہم جھیلتے رہے' اب یہ اچھا وقت آیا ہے تو اپنے رشتہ دار یاد آ گئے ہیں۔ ظاہر ہے مکہ والے حضور ﷺ کے رشتہ دار تھے' قریش کا قبیلہ حضور ﷺ کا اپنا قبیلہ تھا۔ تو طرح طرح کی باتیں جو آج کے دور میں بھی ہوتی ہیں ویسی ہی باتیں ہمیشہ ہوتی رہی ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے جو ہمیشہ ایک سی رہی ہے' اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا۔

﴿وَيَتَّبِعُ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور وہ اہلِ ایمان کے راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے''

﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ﴾ ''تو ہم بھی اس کو اُسی طرف پھیر دیتے ہیں جس طرف اُس نے خود رُخ اختیار کر لیا ہو اور ہم اسے پہنچائیں گے جہنم میں۔''

﴿وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾﴾ ''اور وہ بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔''

یہ آیت اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اجماعِ اُمتّ کی سند اس آیت میں ہے۔ یہ بات تو بہت واضح ہے کہ اسلامی قوانین کے لیے بنیادی ماخذ قرآن ہے' پھر حدیث وسنت ہے۔ اسی طرح اجتہاد کا معاملہ بھی سمجھ میں آتا ہے' مگر اجماع کس چیز کا نام ہے؟ اس کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اجماع کی دلیل قرآن سے تلاش کرنے کی کوشش کی اور قرآن کو شروع سے آخر تک تین سو مرتبہ پڑھا مگر مجھے اجماع کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ پھر بالآخر تین سو ایک مرتبہ پڑھنے پر میری نظر جا کر اس آیت پر جم گئی: ﴿وَيَتَّبِعُ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔ گویا اہلِ ایمان کا جو راستہ ہے' جس پر اجماع ہو گیا ہو اہلِ ایمان کا' وہ خود اپنی جگہ بہت بڑی سند ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَةٍ))(۱) ''میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔''

آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ
ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾
لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ مُّحِيۡطًا ﴿۱۲۶﴾﴾

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ﴾ ''اللہ ہرگز نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے' اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لیے چاہے گا۔''

گویا یہ بھی کوئی فری لائسنس نہیں ہے۔ یاد رہے کہ یہ آیت اس سورۂ مبارکہ میں دوسری بار آ رہی ہے۔

﴿وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور جو شرک کرتا ہے اللہ کے ساتھ وہ تو پھر گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بھی بہت دور نکل گیا۔''

آیت ۱۱۷ ﴿اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰـثًا ۚ وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا ﴿۱۱۷﴾﴾ ''نہیں پکارتے یہ لوگ اللہ کے سوا مگر دیویوں کو' اور وہ نہیں پکارتے کسی کو سوائے سرکش شیطان کے۔''

یہاں پہلی مرتبہ مشرکین مکہ کی بات بھی ہو رہی ہے۔ مشرکین مکہ نے اپنی دیویوں کے مؤنث نام رکھے ہوئے تھے' جیسے لات' منات' عزیٰ وغیرہ۔ لیکن اصل میں نہ لات کا کوئی وجود ہے اور نہ ہی منات کی کچھ حقیقت ہے۔ البتہ شیطان ضرور موجود ہے جو ان کی پکار سن رہا ہے۔

آیت ۱۱۸ ﴿لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ﴾ ''اللہ نے اُس پر لعنت فرما دی ہے۔''

﴿وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ﴿۱۱۸﴾﴾ ''اور اُس نے کہا (اے اللہ) میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ تو لے کر ہی چھوڑوں گا۔''

ان لوگوں کو میں اپنے ساتھ جہنم میں پہنچا کر رہوں گا۔ گویا: ع

''ہم تو ڈوبے ہیں صنم' تم کو بھی لے ڈوبیں گے!''

آیت ۱۱۹ ﴿وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ﴾ ''اور میں لازماً ان کو بہکاؤں گا اور ان کو بڑی بڑی امیدیں دلاؤں گا''

ان کے دلوں میں بڑی امیدوں کے چراغ روشن کروں گا کہ یہ بہت تابناک کیریئر ہے' لگے رہو اسی کام میں' اس میں بڑا فائدہ ہے' ناجائز ہے تو خیر ہے' اللہ بخش ہی دے گا۔ ہم تو اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے اُمتی ہیں' ہمیں خوف کس بات کا ہے؟ جس طرح یہودیوں کو یہ زعم ہو گیا تھا کہ ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں' ہم اس کے بڑے چہیتے ہیں' وغیرہ۔ ان کو میں اس طرح کی لمبی لمبی امیدوں اور لمبے لمبے منصوبوں میں اُلجھا دوں گا۔ اسی کو 'طولِ امل' کہتے ہیں۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ﴾ ''اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ چوپایوں کے کان چیر دیں گے''

اس کی تفصیل سورۃ الانعام میں آئے گی کہ فلاں بت یا فلاں دیوی کے نام پر کسی جانور کے کان چیر کر اسے آزاد کر دیا گیا

ہے‘اب اس کو کوئی چھیڑ نہیں سکتا‘اس کا گوشت نہیں کھایا جا سکتا‘اس پر سواری نہیں ہو سکتی۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور میں انہیں حکم دوں گا تو (اس کی تعمیل میں) وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں گے۔''

جیسے آج جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مردوں میں عورتوں کے سے انداز اپنائے جا رہے ہیں اور عورتوں میں مردوں کے سے طور طریقے اختیار کیے جا رہے ہیں۔لیکن سائنس کے میدان میں‘ خاص طور پر Genetics میں جو کچھ آج ہو رہا ہے وہ تو بہت ہی نازک صورتِ حال ہے۔سائنسی ترقی کے سبب انسان آج اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ وہ اپنا اختیار استعمال کر کے جینیاتی تبدیلیوں کے ذریعے سے اللہ کی تخلیق میں تغیر و تبدّل کر رہا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾﴾ ''اور جس کسی نے بھی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لیا تو وہ بہت کھلے خسارے (اور تباہی) میں پڑ گیا۔''

آیت ۱۲۰ ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾﴾ ''وہ (شیطان) ان سے وعدے بھی کرتا ہے اور انہیں اُمیدیں بھی دلاتا ہے‘اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے کا۔''

شیطان ان کو وعدوں کے بہلاوے دیتا ہے اور آرزوؤں میں پھنساتا ہے‘ سبز باغ دکھاتا ہے‘ مگر شیطان کے دعوے سراسر فریب ہیں۔

آیت ۱۲۱ ﴿اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے‘ اور وہاں سے وہ فرار کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔''

وہاں سے بھاگنے کا انہیں کوئی راستہ نہیں ملے گا۔دوسری طرف اہل ایمان کی شان کیا ہوگی‘اگلی آیت میں اس کی تفصیل ہے۔دو گروہوں یا دو پہلوؤں کے درمیان فوری تقابل (simultaneous contrast) کا یہ انداز قرآن میں ہمیں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

آیت ۱۲۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں انہیں ہم عنقریب داخل کریں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی''

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾﴾ ''اللہ کا یہ وعدہ سچا ہے‘اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے؟''

آیت ۱۲۳ ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ﴾ ''(اے مسلمانو!) نہ تمہاری خواہشات پر (موقوف ہے) اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر۔''

تنبیہہ آ گئی کہ تمہارے اندر بھی بلا جواز اور بے بنیاد خواہشات پیدا ہو جائیں گی۔ یہود و نصاریٰ کی طرح تم لوگ بھی بڑی دل خوش کن آرزوؤں (wishful thinkings) کے عادی ہو جاؤ گے‘ شفاعت کی امید پر تم بھی حرام خوریاں کرو گے‘ اللہ کی نافرمانیاں جیسی کچھ انہوں نے کی تھیں تم بھی کرو گے۔ لیکن جان لو کہ اللہ کا قانون اٹل ہے‘ بدلے گا نہیں۔ تمہاری خواہشات سے‘ تمہاری آرزوؤں سے اور تمہاری تمناؤں سے کچھ نہیں ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے اہلِ کتاب کی خواہشات سے کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ:

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ﴾ ”جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا اس کو مل کر رہے گی“

اگرچہ اللہ کے ہاں اس قانون میں نرمی کا ایک پہلو موجود ہے‘ لیکن اپنی جگہ یہ بہت سخت الفاظ ہیں۔ بعض اوقات بدی کی جگہ پر نیکی اُس کے منفی اثرات کو دھو دیتی ہے‘ لیکن اس آیت کی رو سے برائی کا حساب تو ہو کر رہنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان سے جس بدی کا ارتکاب ہوتا ہے وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے‘ اس کا احتساب ہو کر رہے گا۔ اگر کسی کی نیکی نے اس کی بدی کو چھپا بھی لیا‘ کسی نے غلطی کی اور پھر صدقِ دل سے توبہ کر لی تو اس کے سبب اس کی بدی کے اثرات جاتے رہے‘ لیکن معاملہ account for ضرور ہوگا۔ توبہ کو دیکھا جائے گا‘ کہ آیا توبہ واقعتاً سچی تھی؟ توبہ کرنے والا اپنے کیے پر نادم ہوا تھا؟ واقعی اس نے عادتِ بد کو چھوڑ دیا تھا؟ یا صرف زبان سے ”اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ“ کی گردان ہو رہی تھی اور ساتھ نافرمانی اور حرام خوری بھی جوں کی توں چل رہی تھی۔ تو احتساب کے کٹہرے میں ہر شخص اور ہر معاملے کو لایا جائے گا اور کھرا کھوٹا دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ پھر جو مجرم پایا گیا‘ اسے اس کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔

﴿وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٣﴾﴾ ”اور وہ نہیں پائے گا اپنے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔“

آیت ۱۲۴ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ”اور جو کوئی نیک عمل کرے گا‘ خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور ہو وہ صاحبِ ایمان“

﴿فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾﴾ ”تو یہ وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل کے برابر بھی کوئی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔“

آیت ۱۲۵ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ”اور اُس سے بہتر دین کس کا ہوگا جس نے اپنا چہرہ (سر) اللہ کے سامنے جھکا دیا‘ اور (اس کے بعد) احسان (کے درجے) تک پہنچ گیا“

اللہ کی بندگی میں خوبصورتی لا کر‘ خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ‘ پورے دین کا اتباع کر کے‘ تفریق بین الدّین سے بچ کر اور total submission کے ذریعے سے اُس نے احسان کے درجے تک رسائی حاصل کر لی۔

﴿وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط﴾ ''اور اُس نے پیروی کی دینِ ابراہیمؑ کی یکسو ہو کر (یا پیروی کی اُس ابراہیمؑ کے دین کی' جو یکسو تھا)۔''

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾﴾ ''اور اللہ نے تو ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔''

آیت ۱۲۶ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

آیات ۱۲۷ تا ۱۳۴

﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ لا وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ لا وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ط وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ط وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾﴾

اب جو آیات آ رہی ہیں ان میں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے لیکن ان کی حیثیت ''استدراک'' کی ہے اور ان کا تعلق اس سورۃ کی ابتدائی آیات کے ساتھ ہے۔ سورۃ النساء کے آغاز میں خواتین کے مسائل کے بارے میں کچھ احکام نازل ہوئے تھے' جن میں یتیم بچیوں سے نکاح کے بارے میں بھی معاملات زیر بحث آئے تھے اور کچھ طلاق وغیرہ کے مسائل تھے۔ اس میں کچھ نکات لوگوں کے لیے وضاحت طلب تھے' لہٰذا ایسے نکات کے بارے میں مسلمانوں کی طرف سے کچھ سوالات کیے گئے اور حضورﷺ سے کچھ وضاحتیں طلب کی گئیں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحتیں نازل کی ہیں اور اس سوال کا حوالہ دے کر

بات شروع کی گئی ہے جس کا جواب دیا جانا مقصود ہے۔

آیت ۱۲۷ ﴿وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ ط﴾ ''(اے نبیؐ) یہ لوگ آپؐ سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔''

﴿قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ لا﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے (وضاحت کرتا ہے) ان کے بارے میں''

﴿وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ﴾ ''اور جو تمہیں (پہلے سے) سنایا جا رہا ہے کتاب میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں''

یہ اسی سورۃ کی آیت ۳ کی طرف اشارہ ہے۔ آیت زیر نظر کے ساتھ مل کر اُس آیت کی تشریح بھی بالکل واضح ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ وہاں جو فرمایا گیا تھا ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی﴾ تو اس سے اصل مراد ''یَتٰمَی النِّسَآءِ'' تھا۔ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے شادی کرو گے تو ان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے (اس لیے کہ ان کی طرف سے کوئی نہیں جو ان کے حقوق کا پاسدار ہو اور تم سے باز پرس کر سکے) تو پھر ان سے شادی مت کرو' بلکہ دوسری عورتوں سے شادی کر لو۔ اگر ایک سے زائد نکاح کرنا چاہتے ہو تو اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے' دو دو' تین تین یا چار چار سے کر لو ﴿فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج﴾۔ مگر ایسی بے سہارا یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کرو' کیونکہ:

﴿الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ﴾ ''جن کو تم دیتے نہیں ہو جو اللہ نے اُن کے لیے لکھ دیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح بھی کر لو''

یتیم سمجھ کر مہر ادا کیے بغیر ان سے نکاح کرنے کے خواہش مند رہتے ہو۔

﴿وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ لا﴾ ''اور (اسی طرح) وہ بچے جو کمزور ہیں (جن پر ظلم ہوتا ہے)''

﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ط﴾ ''اور یہ (ہم نے تمہیں اتنے تفصیلی احکام دیے ہیں) کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر کاربند رہو۔''

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِهٖ عَلِیْمًا ۝۱۲۷﴾ ''اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے واقف ہے۔''

وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ اُس نے شریعت کے احکام نازل کر دیے ہیں' بنیادی ہدایات تمہیں دے دی گئی ہیں۔ اب اضافی چیز تو بس یہی ہے کہ تمہاری نیّت صاف ہونی چاہیے۔ کیونکہ ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط﴾ (البقرۃ:۲۲۰) اللہ جانتا ہے کہ کون حقیقت میں شرارتی ہے اور کس کی نیت صحیح ہے۔

آیت ۱۲۸ ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا﴾ ''اور اگر کسی عورت کو اندیشہ ہو اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رُخی کا''

ایک ''نشوز'' تو وہ تھا جس کا تذکرہ اسی سورۃ کی آیت ۳۴ میں عورت کے لیے ہوا تھا: ﴿وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو''۔ یعنی وہ عورتیں' وہ بیویاں جو خاوندوں سے سرکشی کرتی ہیں' ان کے احکام نہیں مانتیں' ان کی اطاعت نہیں کرتیں' اپنی ضد پر اَڑی رہتی ہیں' ان کے بارے میں حکم تھا کہ اُن کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے۔ اب یہاں ذکر ہے اُس ''نشوز'' کا جس کا اظہار خاوند کی طرف سے ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر ظلم کر رہا ہو' اس کے حقوق ادا کرنے میں پہلوتہی کر رہا ہو' اپنی ''قوّامیت'' کے حق کو غلط طریقے سے استعمال کر رہا ہو' بے جا رُعب ڈالتا ہو' دھونس دیتا ہو' یا بلاوجہ ستاتا ہو' تنگ کرتا ہو' اور تنگ کر کے مہر معاف کروانا چاہتا ہو' یا اگر بیوی کے والدین اچھے کھاتے پیتے ہوں تو ہوسکتا ہے اسے بلیک میل کر کے اس کے والدین سے دولت ہتھیانا چاہتا ہو۔ یہ ساری خباثتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور عورتیں بیچاری ظلم وستم کی اس چکی میں پستی رہتی ہیں۔ آیت زیر نظر میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے اندیشہ ہو جائے کہ وہ زیادتی کرے گا' یا اگر شوہر زیادتی کر رہا ہو اور وہ بیوی کے حقوق ادا نہ کر رہا ہو' یا اس کی طرف میلان ہی نہ رکھتا ہو' کوئی نئی شادی رچالی ہو اور اب ساری توجہ نئی دلہن کی طرف ہو۔

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ﴾ ''تو ان دونوں پر کوئی الزام نہیں ہوگا کہ وہ آپس میں صلح کرلیں۔''

یہاں صلح سے مراد یہ ہے کہ سارے معاملات باہم طے کر کے عورت خلع لے لے۔ لیکن خلع لینے میں' جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں جبکہ عورت کو مہر چھوڑنا پڑے گا' اور اگر لیا تھا تو کچھ واپس کرنا پڑے گا۔

﴿وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ﴾ ''اور صلح بہر حال بہتر ہے۔ البتہ انسانی نفس پر لالچ مسلط رہتا ہے۔''

مرد چاہے گا کہ میرا پورا مہر واپس کیا جائے جبکہ عورت چاہے گی کہ مجھے کچھ بھی واپس نہ کرنا پڑے۔ یہ مضامین سورۃ البقرۃ میں بیان ہو چکے ہیں۔

﴿وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾﴾ ''اور اگر تم احسان کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو جان لو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔''

تم مرد ہو' مردانگی کا ثبوت دو' اس معاملے میں اپنے اندر نرمی پیدا کرو' بیوی کا حق فراخ دلی سے ادا کرو۔

آیت ۱۲۹ ﴿وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ﴾ ''اور تمہارے لیے ممکن ہی نہیں کہ تم عورتوں کے درمیان پورا پورا انصاف کرسکو' چاہے تم اس کے لیے کتنے ہی حریص ہو''

سورۃ کے آغاز (آیت ۳) میں فرمایا گیا تھا: ﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً﴾ یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم اپنی

بیویوں میں (اگر ایک سے زائد ہیں) عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفا کرو‘ دوسری شادی مت کرو۔ اگر تمہیں کلی طور پر اطمینان ہے‘ اپنے اوپر اعتماد ہے کہ تم عدل کر سکتے ہو تب دوسری شادی کرو‘ ورنہ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو گنتی اور ناپ تول کی ہوتی ہیں‘ ان میں تو عدل کرنا ممکن ہے‘ لیکن جو قلبی میلان ہے یہ تو انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ حضورﷺ نے اپنی تمام ازواج کے لیے ہر چیز گن گن کر طے کی ہوئی تھی۔ شب بسری کے لیے سب کی باریاں مقرر تھیں۔ دن میں بھی آپؐ ہر گھر میں چکر لگاتے تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیان تھوڑی تھوڑی دیر ہر زوجہ محترمہ کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اگر کہیں زیادہ دیر ہو جاتی تو گویا کھلبلی مچ جاتی تھی کہ آج وہاں زیادہ دیر کیوں ٹھہر گئے؟ یہ چیزیں انسانی معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ حضورﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا آپس کا معاملہ بہت اچھا تھا‘ لیکن سوکناپے کے اثرات کچھ نہ کچھ تو ہوتے ہیں‘ یہ عورت کی فطرت ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو اس لیے فرمایا کہ مکمل انصاف کرنا تمہارے بس میں نہیں۔ اس سے مراد دراصل قلبی میلان ہے۔ ایک حدیث میں بھی اس کی وضاحت ملتی ہے کہ نبی اکرمﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں نے ظاہری چیزوں میں پورا پورا عدل کیا ہے‘ باقی جہاں تک میرے دل کے میلان کا تعلق ہے تو مجھے امید ہے کہ اس بارے میں تُو مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ تم چاہو بھی تو عدل نہیں کر سکتے۔

﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ﴾ ”تو ایسا نہ ہو کہ تم ایک ہی کی طرف پورے کے پورے جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلّق کر کے چھوڑ دو۔“

دوسری بیوی اس طرح معلّق ہو کر نہ رہ جائے کہ اب وہ نہ شوہر والی ہے اور نہ آزاد ہے۔ اس سے خاوند کا گویا کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾﴾ ”اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بھی غفور اور رحیم ہے۔“

اب اگلی آیت میں طلاق کے معاملے میں ایک اہم نکتہ بیان ہو رہا ہے۔ طلاق یقیناً ایک نہایت سنجیدہ مسئلہ ہے‘ اس لیے رسول اللہﷺ نے فرمایا: ((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى الطَّلَاقُ))[1] ”حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے“۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس کو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ لڑائیاں ہو رہی ہیں‘ مقدمات چل رہے ہیں‘ مزاجوں میں موافقت نہیں ہے‘ ایک دوسرے کو کوس رہے ہیں‘ دن رات کا جھگڑا ہے‘ لیکن طلاق نہیں دینی۔ یہ طرزِ عمل نہایت احمقانہ ہے اور شریعت کی منشاء کے بالکل خلاف بھی۔ اس آیت میں آپ دیکھیں گے کہ ایک طرح سے طلاق کی ترغیب دی گئی ہے۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ﴾ ”اور اگر وہ (میاں بیوی) دونوں علیحدہ ہو جائیں گے تو اللہ ان کو اپنی کشادگی سے غنی کر دے گا۔“

ہو سکتا ہے کہ اس عورت کو بھی کوئی بہتر رشتہ مل جائے جو اس کے ساتھ مزاجی موافقت رکھنے والا ہو اور اس شوہر کو بھی اللہ

تعالیٰ کوئی بہتر بیوی دے دے۔ میاں بیوی کا ہر وقت لڑتے رہنا' دنگا فساد کرنا اور عدمِ موافقت کے باوجود طلاق کا اختیار (option) استعمال نہ کرنا' یہ سوچ ہمارے ہاں ہندو معاشرت اور عیسائیت کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ہندو مت کی طرح عیسائیت میں بھی طلاق حرام ہے۔ دراصل انجیل میں تو شریعت اور قانون ہے ہی نہیں' صرف اخلاقی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ جس طرح نبی اکرمﷺ نے فرمایا: ((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ)) ایسی ہی کوئی بات حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی فرمائی تھی کہ کوئی شخص بلاوجہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے کہ معاشرے میں اس کے منفی اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہے۔ طلاق شدہ عورت کی دوسری شادی نہ ہونے کی صورت میں اس کے آوارہ ہو جانے کا امکان ہے اور اگر ایسا ہوا تو اس کا وبال اسے بلاوجہ طلاق دینے والے کے سر جائے گا۔ لیکن یہ محض اخلاقی تعلیم تھی' کوئی قانونی شق نہیں تھی۔ عیسائیت کا قانون تو وہی ہے جو تورات کے اندر ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام فرما گئے ہیں کہ یہ نہ سمجھو کہ میں قانون کو ختم کرنے آیا ہوں' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تم پر بدستور نافذ رہے گی۔ قانون بہرحال قانون ہے' اخلاقی ہدایات کو قانون کا درجہ تو نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن عیسائیت میں اس طرح کی اخلاقی تعلیمات کو قانون بنا دیا گیا' جس کی وجہ سے بلا جواز پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ان کے ہاں کوئی شخص اپنی بیوی کو اُس وقت تک طلاق نہیں دے سکتا جب تک اس پر بدکاری کا جرم ثابت نہ کرے۔ لہٰذا وہ طلاق دینے کے لیے طرح طرح کے طریقے استعمال کر کے بیوی کو پہلے بدکردار بناتے ہیں' پھر اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں' تب جا کر اس سے جان چھڑاتے ہیں۔ تو شریعت کے درست اور آسان راستے اگر چھوڑ دیے جائیں تو پھر اسی طرح غلط اور مشکل راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں عدمِ موافقت کی صورت میں طلاق کے بارے میں ایک طرح کی ترغیب نظر آتی ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾﴾ ''اور اللہ بڑی وسعت رکھنے والا' حکمت والا ہے۔''

اللہ کے خزانے بڑے وسیع ہیں اور اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

آیت ۱۳۱ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ ''اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ﴾ ''اور (دیکھو مسلمانو!) تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہیں بھی ہم نے وصیت کی تھی اور اب تمہیں بھی یہی وصیّت ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

احکامِ شریعت کی تعمیل کے سلسلے میں اصل جذبۂ محرکہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بغیر شریعت بھی مذاق بن جائے گی۔ رسول اللہﷺ کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ بہت مشہور ہیں اور خطباتِ جمعہ میں بھی اکثر انہیں شامل کیا جاتا ہے: ((اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ)) (۱) ''مسلمانو! میں تمہیں بھی اور اپنے نفس کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیّت کرتا ہوں''۔ قرآن حکیم میں جابجا اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سورۃ التحریم میں ارشاد ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ

وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا﴾ (آیت:٦) ''اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے''۔ یہاں بھی تقویٰ کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ دیا جا رہا ہے۔

﴿وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيۡدًا ﴿١٣١﴾﴾ ''اور اگر تم نہ مانو گے تو (یاد رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے' اور اللہ تعالیٰ تو خود غنی ہے' اپنی ذات میں خودستودہ صفات ہے۔''

آیت ۱۳۲ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿١٣٢﴾﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے' اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے اعتبار سے۔''

اگر میاں بیوی میں واقعی نباہ نہیں ہو رہا تو بے شک وہ علیحدگی اختیار کر لیں' دونوں کا کارساز اللہ ہے۔ عورت بھی یہ سمجھے کہ میرا شوہر مجھ پر جو ظلم کر رہا ہے اور میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہا ہے' اس صورت میں اگر میں اس سے تعلق منقطع کر لوں گی تو اللہ کارساز ہے' وہ میرے لیے کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسی طرح کی سوچ مرد کی بھی ہونی چاہیے۔ اس کے برعکس یہ سوچ انتہائی احمقانہ اور خلافِ شریعت ہے کہ ہر صورت میں عورت سے نباہ کرنا ہے' چاہے اللہ سے بغاوت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ لہٰذا ہر چیز کو اُس کے مقام پر رکھنا چاہیے۔

آیت ۱۳۳ ﴿اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۡتِ بِاٰخَرِيۡنَ ؕ﴾ ''اے لوگو! وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے۔''

اللہ کے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے سامنے تم سب نفسِ واحد کی طرح ہو' جب چاہے اللہ تعالیٰ سب کو نسیاً منسیاً کر دے اور نئے لوگوں کو پیدا کر دے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيۡرًا ﴿١٣٣﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔''

آیت ۱۳۴ ﴿مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ﴾ ''جو کوئی بھی دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے پاس ہے ثواب دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔''

جو شخص اپنی ساری بھاگ دوڑ اور دن رات کی محنت دنیا کمانے' دولت اور جائیداد بڑھانے' عہدوں میں ترقی پانے اور مادی طور پر پھلنے پھولنے میں لگا رہا ہے' دوسری طرف اللہ کے احکام اور حقوق کو نظر انداز کر رہا ہے' اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا کے خزانے بھی ہیں اور آخرت کے بھی۔ اور یہ کہ وہ صرف دنیاوی چیزوں کی خواہش کر کے گویا سمندر سے قطرہ حاصل کرنے پر اکتفا کر رہا ہے۔ بقولِ علامہ اقبالؒ

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے!

لہٰذا اللہ سے دنیا بھی مانگو اور آخرت بھی۔ اور اس طرح مانگو جس طرح اس نے مانگنے کا طریقہ بتایا ہے: ﴿رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِي الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾﴾ (البقرۃ)۔ تم لوگ اللہ کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرو'

اس کے ساتھ اپنا تعلق خلوص و اخلاص کی بنیادوں پر استوار کرو‘ اس کی طرف سے جو ذمہ داریاں ہیں ان کو ادا کرو‘ پھر اللہ تعالیٰ یقیناً دنیا میں بھی نوازے گا اور آخرت میں بھی۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝۱۳۴﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

آیات ۱۳۵ تا ۱۴۱

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۟ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۳۵ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۳۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝۱۳۷ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝۱۳۸ ۨ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ۝۱۴۰ ۨ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱﴾

آیت ۱۳۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ ”اے اہل ایمان‘ کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر“

یہ آیت قرآن کریم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ سورۂ آل عمران (آیت ۱۸) میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ﴾ ”اللہ گواہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ اور سارے فرشتے اور اہلِ علم بھی اس پر گواہ ہیں‘ وہ عدل کا قائم کرنے والا ہے“۔ اللہ تعالیٰ اس زمین پر عدل قائم کرنا چاہتا ہے‘ اس کے لیے وہ اپنے دین کا غلبہ چاہتا ہے‘ اور اس عظیم کام کے لیے اُس کے کارندے اور سپاہی اہل ایمان ہی ہیں۔ انہی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عدل قائم کرے گا۔ لیکن اہل ایمان کو اس عظیم مقصد کے لیے کوشش کرنی ہو گی‘ جانوں کا

نذرانہ پیش کرنا ہوگا' ایثار کرنا ہوگا' قربانیاں دینی ہوں گی' تب جا کر کہیں دین غالب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت ہی اہم معاملہ ہے۔ معاشرے میں عدل وقسط کے قیام کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو ''اللہ کے گواہ'' کہا گیا ہے۔ عدلِ اجتماعی (Social Justice) پر اسلام نے جتنا زور دیا ہے بدقسمتی سے آج ہمارا مذہبی طبقہ اتنا ہی اس سے بے بہرہ ہے۔ آج کے مسلم معاشروں میں سرے سے شعور ہی نہیں کہ عدلِ اجتماعی کی بھی کوئی اہمیت اسلام میں ہے۔ اسلامی قوانین اور حدود وتعزیرات کے نفاذ کی اہمیت تو سب جانتے ہیں' لیکن باطل نظام کی ناانصافیاں' یہ جاگیردارانہ ظلم و ستم اور غریبوں کا استحصال (exploitation) کس طرح ختم ہوگا؟ سرمایہ دار غریبوں کا خون چوس چوس کر روز بروز موٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ نظام ایک ایسی چکی ہے جو آٹا پیس پیس کر ایک ہی طرف ڈالتی جا رہی ہے' جبکہ دوسری طرف محرومی ہی محرومی ہے۔ یہاں دولت کی تقسیم کا نظام ہی غلط ہے' ایک طرف وسائل کی ریل پیل ہے تو دوسری طرف بھوک ہی بھوک۔ ایک طرف امیر امیر تر ہو رہے ہیں تو دوسری طرف غریب غریب تر' اور غربت تو ایسی لعنت ہے جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے' از روئے حدیثِ نبویؐ: ((كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا)) [(1)] لہٰذا سب سے پہلے وہ نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جس میں عدل ہو' انصاف ہو' جس میں ضمانت دی گئی ہو کہ ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہوگی۔ کفالتِ عامہ کی یہ ضمانت نظامِ خلافت میں دی جاتی ہے۔ جب نظام درست ہو جائے تو پھر حدود وتعزیرات کا نفاذ ہو۔ پھر جو کوئی چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لیکن موجودہ حالات میں اگر اسلامی قوانین نافذ ہوں گے تو ان کا فائدہ الٹا لٹیروں اور حرام خوروں کو ہوگا' بلیک مارکیٹنگ کرنے والے ان سے مستفید ہوں گے۔ جنہوں نے حرام خوری سے دولت جمع کر رکھی ہے' وہ خوب پاؤں پھیلا کر سوئیں گے۔ چور کا ہاتھ کٹے گا تو انہیں چوری کا ڈر رہے گا نہ ڈاکے کا۔ تو اصل کام نظام کا بدلنا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) شریعت نافذ نہ کی جائے' بلکہ مقصد یہ ہے کہ شریعت نافذ کرنے سے پہلے نظام (system) کو بدلا جائے' دین کا نظام قائم کیا جائے اور پھر اس نظام کو قائم رکھنے کے لیے' اس کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے لیے' اسے مستقل طور پر چلانے کے لیے قانون نافذ کیا جائے۔ کیونکہ قانون ہی کسی نظام کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے' قانون کے صحیح نفاذ سے ہی کوئی نظام مضبوط ہوتا ہے۔

یہی مضمون آگے چل کر سورۃ المائدہ (آیت ۸) میں بھی آئے گا' لیکن وہاں اس کی ترتیب بدل گئی ہے۔ وہاں ترتیب اس طرح ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫﴾۔ اس ترتیب کے بدلنے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اللہ اور عدل وقسط گویا مترادف الفاظ ہیں۔ ایک جگہ حکم ہے ''گواہ بن جاؤ اللہ کے'' اور دوسری جگہ فرمایا: ''گواہ بن جاؤ قسط کے''۔ ایک جگہ فرمایا: ''کھڑے ہو جاؤ قسط (عدل وانصاف) کے لیے'' جبکہ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ ''کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے''۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور قسط کے الفاظ جو ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں' آپس میں مترادف ہیں۔

﴿وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ﴾ ''خواہ یہ (انصاف کی بات اور شہادت) تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے یا تمہارے قرابت داروں کے۔''

ایک مؤمن کا تعلق عدل وانصاف اور قسط کے ساتھ ہونا چاہیے' رشتہ داری کے ساتھ نہیں۔ یہاں پر حرفِ جار کے بدلنے

سے معانی میں ہونے والی تبدیلی مدّنظر رہے۔ شھادۃ علٰی کا مطلب ہے لوگوں پر گواہی' اُن کے خلاف گواہی' جبکہ شھادۃ لِلّٰہ کا مطلب ہے اللہ کے لیے گواہی' لہٰذا شُھَدَآءَ لِلّٰہ کے معنی ہیں اللہ کے گواہ۔

﴿اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِهِمَا ۟ ﴾ ''چاہے وہ شخص غنی ہے یا فقیر' اللہ ہی دونوں کا پشت پناہ ہے۔''

اللہ ہر کسی کا کفیل ہے' تم کسی کے کفیل نہیں ہو۔ تمہیں تو فیصلہ کرنا ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہونا چاہیے' تمہیں کسی کی جانب داری نہیں کرنی' نہ ماں باپ کی' نہ بھائی کی اور نہ خود اپنی۔ ایک چور دروازہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کا حق تو نہیں بنتا' لیکن یہ غریب ہے' لہٰذا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ فرمایا کہ فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب' تمہیں اس کی جانب داری نہیں کرنی۔ یہ حکم ہمیں واضح طور پر ہمارا فرض یاد دلاتا ہے کہ ہم سب اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ ہر حق بات جو اللہ کی طرف سے ہو اس کے علمبردار بن جائیں اور اس حق کو قائم کرنے کے لیے تن' من اور دھن کی قربانی دینے کے لیے اپنی کمر کس لیں۔

﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۱۳۵﴾﴾ ''تو تم خواہشات کی پیروی نہ کرو' مبادا کہ تم عدل سے ہٹ جاؤ۔ اگر تم زبانوں کو مروڑو گے یا اعراض کرو گے تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔''

یعنی اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا حق گوئی سے پہلوتہی کی تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ کو اس کی پوری پوری خبر ہے۔ ''تَلۡوٗا'' کا صحیح مفہوم آج کی زبان میں ہوگا chewing your words۔ یعنی اس طریقے سے زبان کو حرکت دینا کہ بات کہنا بھی چاہتے ہیں لیکن کہہ بھی نہیں پا رہے ہیں' حق بات زبان سے نکالنا نہیں چاہتے' غلط بات نکل نہیں رہی ہے۔ یا پھر ویسے ہی حق بات کہنے والی صورتِ حال کا سامنا کرنے سے کنی کترا رہے ہیں' موقع سے ہی بچ نکلنا چاہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ ایسی کسی کوشش سے انسانوں کو تو دھوکہ دیا جا سکتا ہے مگر اللہ تو تمہاری ہر سوچ' ہر نیت اور ہر حرکت سے باخبر ہے۔

اس کے بعد جو مضمون آ رہا ہے وہ شاید اس سورۂ مبارکہ کا اہم ترین مضمون ہے۔

آیت ۱۳۶ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡکِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَالۡکِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ﴾ ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر' اُس کے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے نازل فرمائی اپنے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے پہلے نازل فرمائی۔''

ایمان والوں سے یہ کہنا کہ ایمان لاؤ بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ ''اے ایمان والو' ایمان لاؤ!'' چہ معنی دارد؟ اس کا مطلب ہے کہ اقرار باللّسان والا ایمان تو تمہیں موروثی طور پر حاصل ہو چکا ہے۔ مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا ہو گئے تو وراثت میں ایمان بھی مل گیا' یا یہ کہ جب پورا قبیلہ اسلام لے آیا تو اس میں پکے مسلمانوں کے ساتھ کچھ کچے مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ انہوں نے بھی کہا: ''اَشۡهَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ''۔ اس طرح ایمان ایک درجے

(اقرار باللّسان) میں تو حاصل ہو گیا۔ یہ ایمان کا قانونی درجہ ہے۔ پیچھے اسی سورۃ (آیت ۹۴) میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ اگر کوئی شخص راستے میں ملے اور وہ اپنا اسلام ظاہر کرے تو تم اس کو یہ نہیں کہہ سکتے ہو کہ تم مؤمن نہیں ہو' کیونکہ جس نے زبان سے کلمہ شہادت ادا کر لیا تو قانونی طور پر وہ مؤمن ہے۔ لیکن کیا حقیقی ایمان یہی ہے؟ نہیں' بلکہ حقیقی ایمان ہے یقینِ قلبی۔ اس لیے فرمایا: ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر......''۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لیے ہم اِس آیت کا ترجمہ اس طرح کریں گے کہ ''اے اہلِ ایمان! ایمان لاؤ اللہ پر جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے' مانو رسول ﷺ کو جیسا کہ ماننے کا حق ہے......'' اور یہ حق اُسی وقت ادا ہوگا جب اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان دل میں گھر کر گیا ہو۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سورۃ الحجرات (آیت ۷) میں فرمایا گیا: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ ''اللہ نے ایمان کو تمہارے نزدیک محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مُزیّن کر دیا ہے''۔ آگے چل کر اسی سورۃ (آیت ۱۴) میں کچھ لوگوں کے بارے میں یوں فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ ''یہ بدّو لوگ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے نبی (ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' ہاں یوں کہہ سکتے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں' لیکن ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔ چنانچہ اصل ایمان وہ ہے جو دل میں داخل ہو جائے۔ یہ درجہ تصدیق بالقلب کا ہے۔ یاد رہے کہ آیت زیر مطالعہ میں دراصل روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ وہ زبانی ایمان تو لائے تھے لیکن وہ ایمان اصل ایمان نہیں تھا' اس میں دل کی تصدیق شامل نہیں تھی۔ (عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے حضرات یہ نکتہ بھی نوٹ کریں کہ قرآن کے لیے اس آیت میں لفظ نَزَّلَ اور تورات کے لیے اَنْزَلَ استعمال ہوا ہے۔)

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾﴾ ''اور جو کوئی کفر (انکار) کرے گا اللہ کا' اس کے فرشتوں کا' اس کی کتابوں کا' اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا' تو وہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دُور نکل گیا۔''

یہ تمام آیات بہت اہم ہیں اور مفہوم کے لحاظ سے ان میں بڑی گہرائی ہے۔

آیت ۱۳۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر ایمان لائے' پھر کفر کیا' پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے''

یہاں کفر سے مراد کفر حقیقی' کفر معنوی' کفر باطنی یعنی نفاق ہے' قانونی کفر نہیں۔ کیونکہ منافقین کے ہاں کفر و ایمان کے درمیان جو بھی کشمکش اور کھینچا تانی ہو رہی تھی' وہ اندر ہی اندر ہو رہی تھی' لیکن ظاہری طور پر تو ان لوگوں نے اسلام کا انکار نہیں کیا تھا۔

﴿لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾﴾ ''تو اللہ نہ ان کی مغفرت کرنے والا ہے اور نہ وہ انہیں راہِ راست دکھائے گا۔''

واضح رہے کہ منافقت کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی دن میں کوئی شخص منافق ہو گیا ہو۔ منافقین میں ایک تو شعوری منافق تھے' جو باقاعدہ ایک فیصلہ کر کے اپنی حکمتِ عملی اختیار کرتے تھے' جیسے ہم سورۂ آل عمران میں ان کی پالیسی کے بارے میں پڑھ آئے ہیں کہ صبح ایمان کا اعلان کریں گے' شام کو پھر کافر ہو جائیں گے' مرتد ہو جائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ ایمان انہیں نصیب ہوا ہی نہیں اور انہیں بھی معلوم تھا کہ وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ دل سے جانتے تھے کہ ہم ایمان لائے ہی نہیں ہیں' ہم تو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ شعوری منافقت ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگ غیر شعوری منافق تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول تو کیا تھا' ان کے دل میں دھوکہ دینے کی نیت بھی نہیں تھی' لیکن انہیں اصل صورتِ حال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پھولوں کی سیج ہے' لیکن ان کی توقعات کے بالکل برعکس وہ نکلا کانٹوں والا بستر۔ اب انہیں قدم قدم پر رکاوٹ محسوس ہو رہی ہے' ارادے میں پختگی نہیں ہے' ایمان میں گہرائی نہیں ہے' لہٰذا ان کا معاملہ ''ہر چہ بادا باد'' والا نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا حال ہم سورۃ البقرۃ کے آغاز (آیت ۲۰) میں پڑھ آئے ہیں کہ کچھ روشنی ہوئی تو ذرا چل پڑے' اندھیرا ہوا تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ کچھ ہمت کی' دو چار قدم چلے' پھر حالات ناموافق دیکھ کر ٹھٹک گئے' رک گئے' پیچھے ہٹ گئے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ لوگ ان کو ملامت کرتے کہ یہ تم کیا کرتے ہو؟ تو اب انہوں نے یہ کیا کہ جھوٹے بہانے بنانے لگے' اور پھر اس سے بھی بڑھ کر جھوٹی قسمیں کھانی شروع کر دیں' کہ خدا کی قسم یہ مجبوری تھی' اس لیے میں رُک گیا تھا' ایسا تو نہیں کہ میں جہاد میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ میری بیوی مر رہی تھی' اُسے چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی جھوٹی قسمیں کھانا ایسے منافقین کا آخری درجے کا حربہ ہوتا ہے۔ تو ایمان اور کفر کا یہ معاملہ ان کے ہاں یوں ہی چلتا رہتا ہے' اگرچہ اوپر ایمان باللّسان کا پردہ موجود رہتا ہے۔ جب کوئی شخص ایمان لے آیا اور اُس نے ارتداد کا اعلان بھی نہیں کیا تو قانونی طور پر تو وہ مسلمان ہی رہتا ہے' لیکن جہاں تک ایمان بالقلب کا تعلق ہے تو وہ ''مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ'' کی کیفیت میں ہوتا ہے اور اس کے اندر ہر وقت تذبذب اور اہتزاز (oscillation) کی کیفیت رہتی ہے کہ ابھی ایمان کی طرف آیا' پھر کفر کی طرف گیا' پھر ایمان کی طرف آیا' پھر کفر کی طرف گیا۔ اس کی مثال بعینہٖ اُس شخص کی سی ہے جو دریا یا تالاب کے گہرے پانی میں ڈوبتے ہوئے کبھی نیچے جا رہا ہے' پھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے تو ایک لمحے کے لیے پھر اوپر آ جاتا ہے مگر اوپر ٹھہر نہیں سکتا اور فوراً نیچے چلا جاتا ہے۔ بالآخر نیچے جا کر اوپر نہیں آتا اور ڈوب جاتا ہے۔ بالکل یہی نقشہ ہے جو اس آیت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اگلی آیت میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ کن لوگوں کا تذکرہ ہے۔

آیت ۱۳۸ ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳۸﴾﴾ ''(اے نبیﷺ!) ان منافقوں کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یعنی واضح طور پر فرما دیا گیا کہ یہ لوگ منافق ہیں اور ان کو عذاب کی بشارت بھی دے دی گئی۔ یہ عذاب کی بشارت دینا طنزیہ انداز ہے۔

یہاں پر قبولِ حق کے دعویداروں کو یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں' اللہ کو اپنا ربّ مانتے ہیں' ان کے لیے یہاں پھولوں کی سیج نہیں ہے' اس لیے جو شخص اس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ یکسو ہو کر آئے' دل میں تحفظات (reservations) رکھ کر نہ آئے۔ یہاں تو قدم قدم پر آزمائشیں آئیں گی' یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۵۵)۔ یہاں تو علی الاعلان بتایا جا رہا ہے: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ﴾ (آل عمران:۱۸۶)۔ یہاں تو مال و جان کا نقصان اٹھانا پڑے گا' ہر قسم کی تلخ و نازیبا باتیں سننی پڑیں گی' کڑوے گھونٹ بھی حلق سے اُتارنے پڑیں گے' قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بسے　　شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!

آیت ۱۳۹ ﴿الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ﴾ ''جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں۔''

ان منافقین کا وطیرہ یہ بھی تھا کہ وہ کفار کے ساتھ بھی دوستی رکھتے تھے اور اپنی عقل سے اس پالیسی پر عمل پیرا تھے کہ: Don't keep all your eggs in one basket۔ ان کا خیال تھا کہ آج اگر ہم سب تعلق' دوستیاں چھوڑ کر' یکسو ہو کر مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تو کل کا کیا پتا؟ کیا معلوم کل حالات بدل جائیں' حالات کا پلڑا کفار کی طرف جھک جائے۔ تو ایسے مشکل وقت میں پھر یہی لوگ کام آئیں گے' اس لیے وہ ان سے دوستیاں رکھتے تھے۔

﴿اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ ''کیا وہ ان کے قرب سے عزت چاہتے ہیں؟''

کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں؟ کیا ان کی محفلوں میں جگہ پا کر وہ معزز بننا چاہتے ہیں؟ جیسے آج امریکہ جانا اور صدرِ امریکہ سے ملنا گویا بہت بڑا اعزاز ہے' جسے پانے کے لیے کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ چند منٹ کی ایسی ملاقات کے لیے کس کس انداز سے lobbying ہوتی ہے' خواہ اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو اور ان کی پالیسیاں جوں کی توں چلتی رہیں۔

﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾﴾ ''حالانکہ عزت تو کل کی کل اللہ کے اختیار میں ہے۔''

لیکن وہ اللہ کو چھوڑ کر کہاں عزت ڈھونڈ رہے ہیں؟

آیت ۱۴۰ ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ﴾ ''اور یہ بات وہ تم پر نازل کر چکا ہے کتاب میں''

﴿اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا﴾ ''کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے''

﴿فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۡ﴾ ''تو ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی

اور بات میں لگ جائیں‘‘

یہ سورۃ الانعام کی آیت ۶۸ کا حوالہ ہے جس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب تمہارے سامنے کافر لوگ اللہ کی آیات کا استہزاء کر رہے ہوں‘ قرآن کا مذاق اڑا رہے ہوں تو تم وہاں بیٹھو نہیں‘ وہاں سے اُٹھ جاؤ۔ یہ مکّی آیت ہے۔ چونکہ اُس وقت مسلمانوں میں اتنا زور نہیں تھا کہ کفار کو ایسی حرکتوں سے زبردستی منع کر سکتے اس لیے ان کو بتایا گیا کہ ایسی محفلوں میں تم لوگ مت بیٹھو۔ اگر کسی محفل میں ایسی کوئی بات ہو جائے تو احتجاجاً وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ ایسی باتوں سے تمہاری غیرتِ ایمانی میں بھی کچھ کمی آ جائے یا تمہاری ایمانی حس کُند پڑ جائے۔ ہاں جب وہ لوگ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں تو پھر دوبارہ ان کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں۔ دراصل یہاں غیر مسلموں سے تعلق منقطع کرنا مقصود نہیں کیونکہ اُن کو تبلیغ کرنے کے لیے ان کے پاس جانا بھی ضروری ہے۔

﴿اِنَّكُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ ؕ﴾ ’’ورنہ تم بھی انہی کی مانند ہو جاؤ گے۔‘‘

اگر اس حالت میں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو گے تو پھر تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡكٰفِرِيۡنَ فِىۡ جَهَنَّمَ جَمِيۡعَا ۝۱۴۰﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ جمع کرنے والا ہے منافقوں کو بھی اور کافروں کو بھی جہنم میں سب کے سب۔‘‘

آیت ۱۴۱ ﴿الَّذِيۡنَ يَتَرَبَّصُوۡنَ بِكُمۡ ۚ﴾ ’’وہ لوگ جو تمہارے لیے انتظار کی حالت میں ہیں۔‘‘

منافق تمہارے معاملہ میں گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یہ لوگ ’’تیل دیکھو‘ تیل کی دھار دیکھو‘‘ کی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں اور نتیجے کے انتظار میں ہیں کہ آخری فتح کس کی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کا طے شدہ منصوبہ ہے کہ دونوں طرف کچھ نہ کچھ تعلقات رکھو‘ تاکہ وقت جیسا بھی آئے‘ جو بھی صورت حال ہو‘ ہم اس کے مطابق اپنے بچاؤ کی کچھ صورت بنا سکیں۔

﴿فَاِنۡ كَانَ لَـكُمۡ فَتۡحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ نَـكُنۡ مَّعَكُمۡ ۖ﴾ ’’تو اگر تم لوگوں کو اللہ کی طرف سے کوئی فتح حاصل ہو جائے تو یہ کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟‘‘

اگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمان فتح حاصل کر لیتے ہیں تو وہ آ جائیں گے باتیں بناتے ہوئے کہ ہم بھی تو آپ کے ساتھ تھے‘ مسلمان تھے‘ مالِ غنیمت میں سے ہمارا بھی حصہ نکالیے۔

﴿وَاِنۡ كَانَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نَصِيۡبٌ ۙ﴾ ’’اور اگر کوئی حصہ پہنچ جائے کافروں کو‘‘

کبھی وقتی طور پر کفار کو فتح حاصل ہو جائے‘ جنگ میں ان کا پلڑا بھاری ہو جائے۔

﴿قَالُوۡۤا اَلَمۡ نَسۡتَحۡوِذۡ عَلَيۡكُمۡ وَنَمۡنَعۡكُمۡ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ﴾ ’’تو وہ کہیں گے (اپنے کافر ساتھیوں سے) کیا ہم نے تمہارا گھیراؤ نہیں کر لیا تھا؟ اور ہم نے بچایا نہیں تم کو مسلمانوں سے؟‘‘

یعنی ہم نے تو آپ کو مسلمانوں سے بچانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا‘ ہم تو آپ کے لیے آڑ بنے ہوئے تھے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے آئے تھے؟ نہیں‘ ہم تو اس لیے آئے تھے کہ وقت آنے پر مسلمانوں کے حملوں سے آپ کو بچا سکیں۔

﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ’’تو اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے مابین قیامت کے دن۔‘‘

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾﴾ ’’اور اللہ اہلِ ایمان کے مقابلے میں کافروں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔‘‘

جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورۃ النساء کا بڑا حصہ منافقین سے خطاب پر مشتمل ہے‘ اگرچہ اُن سے براہِ راست خطاب میں یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ نَافَقُوْا کے الفاظ کہیں استعمال نہیں ہوئے‘ بلکہ انہیں یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایمان کے دعوے دار تھے‘ ایمان کے مدّعی تھے‘ قانونی طور پر مسلمان تھے۔ یہ ایک طویل مضمون ہے جو آئندہ آیاتِ مبارکہ میں انجام پذیر (conclude) ہو رہا ہے۔

آیات ۱۴۲ تا ۱۵۲

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ
النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖۗ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ
دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ
الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ
وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾ مَا
يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٧﴾ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ
بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا
عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا
بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ
سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۵۲

آیت ۱۴۲ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ ''یقیناً منافق کوشش کر رہے ہیں اللہ کو دھوکہ دینے کی''

یہ مضمون سورۃ البقرہ کے دوسرے رکوع میں بھی آ چکا ہے۔ **مُخَادَعة** بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس باب میں کسی کے مقابلے میں کوشش کے معنی شامل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں دو فریقوں میں مقابلہ ہوتا ہے اور پتا نہیں ہوتا کہ کون جیتے گا اور کون ہارے گا۔ لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ ہوگا کہ ''وہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں''۔ اس کے جواب میں اللہ کی طرف سے فرمایا گیا:

﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج﴾ ''اور وہ ان کو دھوکہ دے کر رہے گا۔''

خَادِع ثلاثی مجرد سے اسمِ فاعل ہے اور یہ نہایت زوردار تاکید کے لیے آتا ہے' اس لیے ترجمہ میں تاکیدی الفاظ آئیں گے۔ یہاں منافقین کے لیے دھوکہ والا پہلو یہ ہے کہ اللہ نے ان کو جو ڈھیل دی ہوئی ہے اس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو رہے ہیں' ہمارے اوپر ابھی تک کوئی آنچ نہیں آئی' کوئی پکڑ نہیں ہوئی' کوئی گرفت نہیں ہوئی' ہم دونوں طرف سے بچے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے وہ اپنی اس ڈھیل کی وجہ سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور درحقیقت یہی دھوکہ ہے جو اللہ کی طرف سے ان کو دیا جا رہا ہے۔ یعنی اللہ نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ﴾ ''اور جب وہ کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لیے تو کھڑے ہوتے ہیں بڑی کسل مندی کے ساتھ''

یہ منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ طبیعت میں بشاشت نہیں ہے' آمادگی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا بھی ضروری ہے لہٰذا مجبوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ **قَامَ** فعل ہے اور اس کے معنی ہیں کھڑے ہونا' جبکہ **قَائِم** اس سے اسمِ فاعل ہے۔ مختلف زبانوں میں عام طور پر verb کے بعد prepositions کی تبدیلی سے معنی اور مفہوم بدل جاتے ہیں۔ مثلاً انگریزی میں to give ایک خاص مصدر ہے۔ اگر to give up ہو تو معنی یکسر بدل جائیں گے۔ پھر اگر یہ to give in ہو تو بالکل ہی الٹی بات ہو جائے گی۔ اسی طرح عربی میں بھی حروفِ جار کے تبدیل ہونے سے معانی بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر **قَامَ عَلٰی** ہو' جیسے ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ میں ہے تو اس کے معنی ہوں گے حاکم ہونا' سربراہ ہونا' کسی کے حکم کا نافذ ہونا۔ لیکن اگر **قَامَ اِلٰی** ہو (جیسے آیت زیرِ نظر میں ہے) تو اس کا مطلب ہوگا کسی شے کے لیے کھڑے ہونا' کسی شے کی طرف کھڑے ہونا' کوئی کام کرنے کے لیے اٹھنا' کوئی کام کرنے کا ارادہ کرنا۔ اس سے پہلے ہم **قَامَ 'بِ'** کے ساتھ بھی پڑھ چکے ہیں: **قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ** اور **قَآئِمًا بِالْقِسْطِ**۔ یہاں اس کے معنی ہیں کسی شے کو قائم کرنا۔ تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ حروفِ جار (prepositions) کی تبدیلی سے کسی فعل کے اندر کس طرح اضافی معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔

﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ﴾ ''محض لوگوں کو دکھانے کے لیے''

﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾﴾ ''اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

یعنی ذکرِ الٰہی جو نماز کا اصل مقصد ہے ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿١٤﴾﴾ (طٰہٰ) وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا۔ مگر ممکن ہے اس بے دھیانی میں کسی وقت کوئی آیت بجلی کے کڑکے کی طرح کڑک کر ان کے شعور میں کچھ نہ کچھ اثرات پیدا کر دے۔

آیت ۱۴۳ ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ﴾ ''یہ اس کے مابین مذبذب (ہو کر رہ گئے) ہیں۔''

کفر اور ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہیں' کسی طرف بھی یکسو نہیں ہو رہے۔ اسی لیے قرآن میں حضرت ابرہیم علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ حَنِیف کا لفظ بار بار آتا ہے۔ دین کے بارے میں اللہ کی طرف سے ترغیب یہی ہے کہ یکسو ہو جاؤ۔ دنیا میں اگر انسان کفر پر بھی یکسو ہوگا تو کم از کم اس کی دنیا تو بن جائے گی' لیکن اگر دنیا اور آخرت دونوں بنانے ہیں تو پھر ایمان کے ساتھ یکسو ہونا ضروری ہے۔ لیکن جو لوگ بیچ میں رہیں گے' اِدھر کے نہ اُدھر کے' ان کے لیے تو ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ کے مصداق دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا اور نقصان ہوگا۔

﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ﴾ ''نہ تو یہ اِن کی جانب ہیں اور نہ ہی اُن کی جانب ہیں۔''

نہ اہلِ ایمان کے ساتھ مخلص ہیں اور نہ اہلِ کفر کے ساتھ۔ نہ اِن کے ساتھ یکسو ہیں اور نہ اُن کے ساتھ۔

﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾﴾ ''اور جسے اللہ ہی نے گمراہ کر دیا ہو تو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔''

یعنی جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہرِ تصدیق ثبت ہو چکی ہو' اس کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

آیت ۱۴۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ﴾ ''اے اہلِ ایمان' مت بناؤ کافروں کو اپنا دلی دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔''

یہ مضمون پہلے آیت ۱۳۹ میں بھی آ چکا ہے۔ یہ بھی نفاق کی ایک علامت ہے کہ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستیوں کی پینگیں بڑھائی جائیں' ان کو اپنا حمایتی' مددگار اور راز دار بنایا جائے۔

﴿اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے خلاف اللہ کے ہاتھ میں ایک صریح حجت دے دو؟''

اس طرح تم لوگ خود ہی اپنے خلاف ایک حجت فراہم کر رہے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہارا محاسبہ کرے گا' تب اس سوال کا کیا جواب دو گے کہ تمہاری دوستیاں کافروں کے ساتھ کیوں تھیں؟ اس طرح تمہارا یہ فعل تمہارے اپنے خلاف حجت

قاطع بن جائے گا۔

اب جو آیت آ رہی ہے وہ ایک اعتبار سے منافقین کے حق میں قرآنِ حکیم کی سخت ترین آیت ہے۔ اگرچہ بعض دوسرے اعتبارات سے‘ بلکہ ایک خاص لطیف پہلو سے ایک آیت اس سے بھی سخت تر ہے جو سورۃ التوبہ میں آئے گی۔ دراصل طویل سورتوں میں سے سورۃ النساء اور سورۃ التوبہ دو ایسی سورتیں ہیں جن میں نفاق کا مضمون بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

آیت ۱۴۵ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾﴾ ’’یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے‘ اور تم نہ پاؤ گے ان کے لیے کوئی مددگار۔‘‘

اگلی آیت میں ان لوگوں کے لیے ایک رعایت کا اعلان ہے۔ منافقت کا پردہ کلی طور پر تو سورۃ التوبہ میں چاک ہوگا۔ یعنی اُن کے لیے آخری احکام سن ۹ ہجری میں آئے تھے‘ جبکہ ابھی سن ۴ ہجری کے دور کی باتیں ہو رہی ہیں۔ تو ابھی ان کے لیے رعایت رکھی گئی ہے کہ توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ فرمایا:

آیت ۱۴۶ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ﴾ ’’سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور اصلاح کر لیں اور اللہ سے چمٹ جائیں‘‘

اللہ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں‘ ایمان کے ساتھ یکسو ہو جائیں۔ ’’کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ‘‘ کے مصداق اللہ والے بن جائیں۔ شیطان سے محبت کی پینگیں نہ بڑھائیں‘ شیطان کے ایجنٹوں سے دوستیاں نہ کریں‘ اور اپنے آپ کو دین اسلام کے ساتھ وابستہ کر لیں کہ ہر چہ بادا باد‘ اب تو ہم اسلام کی اس کشتی پر سوار ہو گئے ہیں‘ اگر یہ تیرتی ہے تو ہم تیریں گے‘ اور اگر خدانخواستہ اس کے مقدر میں کوئی حادثہ ہے تو ہم بھی اس حادثے میں شامل ہوں گے۔

﴿وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ﴾ ’’اور اپنی اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کر لیں‘‘

یہ نہ ہو کہ زندگی کے کچھ حصے میں اطاعت اللہ کی ہو رہی ہے‘ کچھ حصے میں کسی اور کی ہو رہی ہے کہ کیا کریں جی! یہ معاملہ تو رواج کا ہے‘ برادری کو چھوڑ تو نہیں سکتے نا! معلوم ہوا آپ نے اپنی اطاعت کے علیحدہ علیحدہ حصے کر لیے ہیں اور پھر ان میں انتخاب کرتے ہیں کہ یہ حصّہ تو برادری کی اطاعت میں جائے گا اور یہ حصہ اللہ کی اطاعت کے لیے ہوگا۔ اطاعت جب تک کل کی کل اللہ کے لیے نہ ہو‘ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۹۳) میں ہم نے پڑھا تھا: ﴿وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ؕ﴾ یہاں پر دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی سطح پر دین اللہ کے لیے ہو جائے‘ یعنی اسلامی ریاست قائم ہو جائے‘ پورا اسلامی نظام قائم ہو جائے‘ شریعتِ اسلامی کا نفاذ عمل میں آ جائے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو کم از کم ایک شخص انفرادی سطح پر تو اپنی اطاعت اللہ کے لیے خالص کر لے۔ یہ گویا انفرادی توحیدِ عملی ہے۔

﴿فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۴۶﴾﴾ ’’تو پھر یہ لوگ اہل ایمان میں شامل ہو جائیں گے‘ اور اللہ اہل ایمان کو عنقریب بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔‘‘

یعنی ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے‘ سچی توبہ کرنے کے بعد ان کو معافی مل سکتی ہے۔ ابھی ان کے لیے point of no return نہیں آیا ہے۔

آیت ۱۴۷ ﴿مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ ﴾ ’’(اے منافقو ذرا سوچو!) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟‘‘

اللہ تعالیٰ معاذ اللہ کوئی ایذا پسند (sadist) ہستی نہیں ہے کہ اُسے لوگوں کو دکھ پہنچا کر خوشی ہوتی ہو۔ اس طرح کے رویے تو perverted قسم کے انسانوں کے ہوتے ہیں‘ جن کی شخصیتیں مسخ ہو چکی ہوتی ہیں‘ جو دوسروں کو تکلیف میں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں‘ دوسروں کو تکلیف اور کوفت پہنچا کر انہیں راحت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تو ایسا نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تمہیں عذاب دے کر تم سے کیا لے گا؟

﴿اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَ اٰمَنۡتُمۡ ؕ﴾ ’’اگر تم شکر اور ایمان کی روش اختیار کرو۔‘‘

﴿وَ کَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیۡمًا ﴿۱۴۷﴾﴾ ’’اور اللہ بہت ہی قدر دانی فرمانے والا اور ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔‘‘

جو بندہ اُس کے لیے کام کرے‘ محنت کرے‘ اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے۔ اور جو کوئی جو کچھ بھی کرتا ہے سب اُس کے علم میں ہوتا ہے۔ انسان کا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ہاں unaccounted رہ جائے‘ اور اسے اس کا اجر نہ مل سکے۔

اب اس سورۃ کے آخری حصے میں فلسفۂ دین کے بہت اہم بنیادی نکات کی کچھ تفصیل آئے گی۔ اس ضمن میں پہلی بات تو تمدنی اور معاشرتی معاملات ہی سے متعلق ہے۔ معاشرے کے اندر کسی بُری بات کا چرچا کرنا بالفعل کوئی اچھی بات نہیں ہے‘ لیکن اس میں ایک استثناء رکھا گیا ہے‘ اور وہ ہے مظلوم کا معاملہ۔ اگر مظلوم کی زبان سے ظلم کے ردِّعمل کے طور پر کچھ نازیبا کلمات‘ جلے کٹے الفاظ بھی نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔

آیت ۱۴۸ ﴿لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الۡجَہۡرَ بِالسُّوۡٓءِ مِنَ الۡقَوۡلِ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ ؕ﴾ ’’اللہ کو بالکل پسند نہیں ہے کہ کسی بُری بات کو بلند آواز سے کہا جائے‘ سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہے۔‘‘

جس کا دل دکھا ہے‘ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے‘ نہ صرف یہ کہ اس کے جواب میں اس کی زبان سے نکلنے والے کلمات پر گرفت نہیں‘ بلکہ مظلوم کی دعا کو بھی قبولیت کی سند عطا ہوتی ہے۔ کسی فارسی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے: ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کر دن   اِجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

کہ مظلوم کی آہوں سے ڈرو کہ اس کی زبان سے نکلنے والی فریاد ایسی دعا بن جاتی ہے جس کی قبولیت خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا استقبال کرنے کے لیے عرش سے آتی ہے۔

﴿وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیۡعًا عَلِیۡمًا ﴿۱۴۸﴾﴾ ’’اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔‘‘

اسے سب معلوم ہے کہ جس کے دل سے یہ آواز نکلی ہے وہ کتنا دکھی ہے۔ اس کے احساسات کتنے مجروح ہوئے ہیں۔

آیت ۱۴۹ ﴿اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ ﴾ ’’اگر تم بھلائی کو ظاہر کر دو یا اسے چھپاؤ‘‘

جہاں تک تو خیر کا معاملہ ہے تم اسے بلند آواز سے کہو‘ ظاہر کرو یا چھپاؤ برابر کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے خیر تو ہر حال میں خیر ہی ہے‘ عیاں ہو یا خفیہ۔

﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾﴾ ’’یا تم برائی کو معاف کر دیا کرو تو یقیناً اللہ بھی معاف فرمانے والا‘ قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘

اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو معاف کر دینا یقیناً نیکی کا ایک اونچا درجہ ہے۔ اس لیے یہاں ترغیب کے انداز میں مظلوم سے بھی کہا جا رہا ہے کہ اگرچہ تمہیں چھوٹ ہے‘ تمہاری بدگوئی کی بھی تم پر کوئی گرفت نہیں‘ لیکن زیادتی کی تلافی کا اس سے اعلیٰ اور بلند تر درجہ بھی ہے‘ تم اس بلند درجے کو حاصل کیوں نہیں کرتے؟ وہ یہ کہ تم اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو معاف کر دو۔ اس کے ساتھ اللہ کی قدرت کا ذکر بھی ہوا ہے کہ انسان تو بسا اوقات بدلہ لینے کی طاقت نہ ہونے کے باعث معاف کرنے پر مجبور بھی ہو جاتا ہے‘ جبکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے‘ قدیر ہے‘ وہ تو جب چاہے‘ جیسے چاہے (there & then) خطا کار کو فوراً سزا دے کر حساب چکا سکتا ہے۔ لیکن اتنی قدرت کے باوجود بھی وہ معاف فرما دیتا ہے۔

آئندہ آیات میں پھر وحدت الادیان جیسے اہم مضمون کا تذکرہ ہونے جا رہا ہے اور اس سلسلے میں یہاں تمام غلط نظریات کی جڑ کاٹی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ بات زیر بحث آ چکی ہے کہ فلسفۂ وحدتِ ادیان کا ایک حصہ صحیح ہے۔ وہ یہ کہ اصل (origin) سب ادیان کی ایک ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مختلف ادیان کی موجودہ شکلوں میں بھی یک رنگی اور ہم آہنگی ہے تو اس سے بڑی حماقت‘ جہالت‘ ضلالت اور گمراہی کوئی نہیں۔

یہاں پر اب کانٹے کی بات بتائی جا رہی ہے کہ دین میں جس چیز کی وجہ سے بنیادی خرابی پیدا ہوتی ہے وہ اصل میں کیا ہے۔ وہ غلطی یا خرابی ہے اللہ اور رسولوں میں تفریق! ایک تفریق تو وہ ہے جو رسولوں کے درمیان کی جاتی ہے‘ اور دوسری تفریق اللہ اور رسول ﷺ کو علیحدہ علیحدہ کر دینے کی شکل میں سامنے آتی ہے‘ اور یہ سب سے بڑی جہالت ہے۔ فتنۂ انکارِ حدیث اور انکارِ سنت اسی جہالت و گمراہی کا شاخسانہ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہلِ قرآن سمجھتے ہیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کا کام قرآن پہنچا دینا تھا‘ سو انہوں نے پہنچا دیا‘ اب اصل معاملہ ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اللہ کی کتاب عربی زبان میں ہے‘ ہم اس کو خود سمجھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ رسول ﷺ نے اپنے زمانے میں مسلمانوں کو جو اس کی تشریح سمجھائی تھی اور اُس زمانے کے لوگوں نے اسے قبول کیا تھا‘ وہ اُس زمانے کے لیے تھی۔ گویا رسولؐ کی تشریح کوئی دائمی چیز نہیں‘ دائمی شے صرف قرآن ہے۔ اس طرح انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کو جدا کر دیا۔ یہاں اسی گمراہی کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۱۵۰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور وہ چاہتے ہیں کہ تفریق کر دیں اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین‘‘

اکبر کے ’’دینِ الٰہی‘‘ کا بنیادی فلسفہ بھی یہی تھا کہ بس دین تو اللہ ہی کا ہے‘ رسول ﷺ کی نسبت ضروری نہیں‘ کیونکہ جب

دین کی نسبت رسول کے ساتھ ہو جاتی ہے تو پھر دین رسول کے ساتھ منسوب ہو جاتا ہے کہ یہ دینِ موسیٰؑ ہے‘ یہ دینِ عیسیٰؑ ہے‘ یہ دینِ محمد ﷺ ہے۔ اگر رسولوں کا یہ تفرقی عنصر (differentiating factor) درمیان سے نکال دیا جائے تو مذاہب کے اختلافات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اللہ تو سب کا مشترک (common) ہے‘ چنانچہ جو دین اُسی کے ساتھ منسوب ہو گا وہ دینِ الٰہی ہو گا۔

﴿وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ کو مانیں گے اور کچھ کو نہیں مانیں گے‘‘

یعنی اللہ کو مانیں گے‘ رسولوں کا ماننا ضروری نہیں ہے۔ اللہ کی کتاب کو مانیں گے‘ رسول ﷺ کی سنت کا ماننا کوئی ضروری نہیں ہے‘ وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾﴾ ’’اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے بین بین ایک راستہ نکال لیں۔‘‘

اللہ کو ایک طرف کر دیں اور رسول کو ایک طرف۔

آیت ۱۵۱ ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ﴿۱۵۱﴾﴾ ’’یہی لوگ حقیقت میں پکے کافر ہیں‘ اور ہم نے ان کافروں کے لیے بڑا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

آیت ۱۵۲ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ﴾ ’’اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں پر اور انہوں نے ان میں سے کسی کے مابین کوئی تفریق نہیں کی‘‘

نہ اللہ کو رسول سے جدا کیا اور نہ رسول کو رسول سے جدا کیا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سب کو مانتے ہیں: لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (البقرۃ:۲۸۵)۔ ہم اُن رسولوں کو بھی مانتے ہیں جن کے نام قرآن مجید میں آ گئے ہیں‘ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کے علاوہ بھی اللہ کی طرف سے بے شمار نبی اور رسول آئے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ ۭ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ ان کے اجر عطا فرمائے گا‘ اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔‘‘

آیات ۱۵۳ تا ۱۶۲

﴿یَسْئَلُکَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْھِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓی اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْھُمُ الصّٰعِقَۃُ بِظُلْمِھِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَ

تُهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ
وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ
طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا
عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ
وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ
وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۢ ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا
لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

آیت ۱۵۳ ﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ”(اے نبیﷺ) اہل کتاب آپؐ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لائیں“

یعنی جیسے تورات اُتری تھی‘ ویسے ہی تحریری شکل میں ایک کتاب آسمان سے اترنی چاہیے۔ آپؐ تو کہتے ہیں مجھ پر وحی آتی ہے‘ لیکن کہاں لکھی ہوئی ہے وہ وحی؟ کون لایا ہے؟ ہمیں تو پتا نہیں۔ موسٰیؑ کو تو اُن کی کتاب لکھی ہوئی ملی تھی اور وہ پتھر کی تختیوں کی صورت میں اسے لے کر آئے تھے۔ آپ پر بھی اسی طرح کی کتاب نازل ہو تو ہم مانیں۔

﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ ”(یہ تعجب کی بات نہیں) انہوں نے موسٰیؑ سے اس سے بھی بڑھ کر مطالبے کیے تھے“

اے نبیﷺ آپ فکر نہ کریں‘ ان کی پروانہ کریں۔ انہوں نے‘ ان کے آباء واَجداد نے حضرت موسٰیؑ سے اس سے بھی بڑے بڑے مطالبات کیے تھے۔

﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ”انہوں نے تو (اُن سے یہ بھی) کہا تھا کہ ہمیں دکھاؤ اللہ کو علانیہ“
کہ ہم خود اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھنا چاہتے ہیں‘ جب دیکھیں گے تب مانیں گے۔

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ﴾ ”تو ان کو آ پکڑا تھا کڑک نے ان کے اس گناہ کی پاداش میں۔“

﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ ’’پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اس کے بعد کہ اُن کے پاس بہت واضح نشانیاں آ چکی تھیں‘‘

ان لوگوں کی نا ہنجاری کا اندازہ کریں کہ نو نو معجزے حضرت موسٰی علیہ السلام کے ہاتھوں دیکھنے کے بعد بھی انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔

﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾﴾ ’’تو ہم نے ان تمام چیزوں سے بھی درگزر کیا‘ اور ہم نے موسٰی کو عطا کیا بڑا واضح غلبہ۔‘‘

فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔

آیت ۱۵۴ ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ’’اور ہم نے ان کے سروں پر معلق کر دیا تھا طور پہاڑ کو جب کہ ان سے عہد لیا جا رہا تھا اور ہم نے اُن سے کہا کہ دروازے میں داخل ہوں جھک کر‘‘

یعنی جب اریحا (Jericho) شہر تمہارے ہاتھوں فتح ہو جائے اور اس میں داخل ہونے کا مرحلہ آئے تو اپنے سروں کو جھکا کر عاجزی کے ساتھ داخل ہونا۔

﴿وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ﴾ ’’اور ہم نے ان سے (یہ بھی) کہا تھا کہ سبت (ہفتے کے دن کے قانون) میں حد سے تجاوز نہ کرنا‘‘

﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾﴾ ’’اور ہم نے ان سے (ان تمام باتوں کے بارے میں) بڑے گاڑھے قول وقرار لیے تھے۔‘‘

آیت ۱۵۵ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ ’’تو انہوں نے جو اپنے اس میثاق کو توڑ ڈالا اس کے سبب‘‘

اب ان کے جرائم کی فہرست آ رہی ہے‘ اور یوں سمجھئے کہ مبتدأ ہی کی تکرار ہو رہی ہے اور اس میں جو اصل خبر ہے وہ گویا محذوف ہے۔ گویا بات یوں بنے گی: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ کہ انہوں نے جو اپنے میثاق کو توڑا اور توڑتے رہے‘ ہمارے ساتھ انہوں نے جو بھی وعدے کیے تھے‘ جب ان کا پاس انہوں نے نہ کیا تو ہم نے ان پر لعنت کر دی۔ لیکن یہ ’’لَعَنّٰهُمْ‘‘ اتنی واضح بات تھی کہ اس کو کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی‘ بلکہ ان کے جرائم کی فہرست بیان کر دی گئی۔

﴿وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ’’اور اُن کے اللہ کی آیات کے انکار اور انبیاء کو ناحق قتل کرنے (کے سبب سے)‘‘

﴿وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾﴾ ’’اور ان کے اس طرح کہنے (کی پاداش) میں کہ ہمارے دِل تو غلافوں میں بند ہیں۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان (کے دلوں) پر مہر

کر دی ہے ان کے کفر کے باعث‘ پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت ہی شاذ۔‘‘

آیت ۱۵۶ ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾﴾ ’’اور بسبب ان کے کفر کے اور اُن باتوں کے جو انہوں نے مریم کے خلاف کیں ایک بہت بڑے بہتان کے طور پر۔‘‘

حضرت مریم سلامٌ علیہا پر یہودیوں نے بہتان لگایا کہ انہوں نے (معاذ اللہ) زنا کیا ہے اور مسیحؑ دراصل یوسف نجار کا بیٹا ہے۔ ان کی روایات کے مطابق یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم کی نسبت ہو چکی تھی‘ لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے مابین تعلق قائم ہو گیا‘ جس کے نتیجے میں یہ بیٹا پیدا ہو گیا۔ اس طرح انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ولد الزّنا قرار دیا۔ یہ ہے وہ اتنی بڑی بات جو یہودی کہتے ہیں اور آج بھی اس گمراہ کن نظریے پر مبنی ’’Son of Man‘‘ جیسی فلمیں بنا کر امریکہ میں چلاتے ہیں‘ جن میں عیسائیوں کو بتایا جاتا ہے کہ جس مسیح کو تم لوگ Son of God کہتے ہو وہ حقیقت میں son of man ہے۔

آیت ۱۵۷ ﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ﴾ ’’اور بسبب ان کے یہ کہنے کے کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو‘ اللہ کے رسول کو!‘‘

یعنی اللہ کے رسول کو قتل کر دیا! یہاں یہ ’’رَسُوْلَ اللّٰهِ‘‘ کے الفاظ اُن کے نہیں ہیں‘ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں استعجابیہ نشان (sign of exclamation) کے ساتھ‘ کہ اچھا ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے! جبکہ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کا تو فیصلہ ہے‘ ایک طے شدہ امر ہے‘ اللہ کی طرف سے لکھا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ﴾ (المجادلۃ:۲۱) تو ان کی یہ جرأت کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول کو قتل کیا ہے!

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ﴾ ’’حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی دی‘ بلکہ اس کی شبیہہ بنا دی گئی ان کے لیے۔‘‘

معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور ایک شخص کی حضرت مسیحؑ جیسی صورت بنا دی گئی‘ ان کے ساتھ مشابہت کر دی گئی۔ چنانچہ انہوں نے جس کو مسیح سمجھ کر سولی پر چڑھایا‘ وہ مسیحؑ نہیں تھا‘ ان کی جگہ کوئی اور تھا۔ انجیل برنباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا نام ’’یہودا اسخریوطی‘‘ (Judas Iscariot) تھا اور وہ آپؑ کے حواریوں میں سے تھا۔ ویسے اُس کی نیت کچھ اور تھی‘ اُس میں بدنیتی بہرحال نہیں تھی (تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے) لیکن چونکہ اُس نے آپؑ کو گرفتار کرایا تھا‘ چنانچہ اس گستاخی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل حضرت مسیح علیہ السلام جیسی بنا دی اور حضرت مسیحؑ کی جگہ وہ پکڑا گیا اور سولی چڑھا دیا گیا۔

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ﴾ ’’اور جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں وہ یقیناً شکوک و شبہات میں ہیں۔‘‘

انہیں خود پتا نہیں کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟

﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾﴾ ''اُن کے پاس اس ضمن میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اس کے کہ گمان کی پیروی کر رہے ہیں' اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔''

حضرت مسیح علیہ السلام ہرگز قتل نہیں ہوئے اور نہ ہی آپؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا۔

آیت ۱۵۸ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾﴾ ''بلکہ اللہ نے اسے اٹھا لیا اپنی طرف' اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے کمال حکمت والا۔''

اس واقعہ کی تفصیل انجیل برنباس میں موجود ہے۔

آیت ۱۵۹ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ﴾ ''اور نہیں ہوگا اہلِ کتاب میں سے کوئی بھی مگر اُس پر ایمان لا کر رہے گا اس کی موت سے قبل۔''

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام فوت نہیں ہوئے' زندہ ہیں' انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور وہ دوبارہ زمین پر آئیں گے' اور جب آئیں گے تو اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں رہے گا کہ جو ان پر ایمان نہ لے آئے۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾﴾ ''اور قیامت کے دن وہی ان کے خلاف گواہ (بن کر کھڑا) ہو گا۔''

یہ گواہی والا معاملہ وہی ہے جس کی تفصیل ہم آیت ۴۱ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝﴾ کہ ہر نبی کو اپنی اُمت کے خلاف گواہی دینی ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام اپنی اُمت کے خلاف گواہی دیں گے۔

آیت ۱۶۰ ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ ''تو بسبب اُن یہودی بن جانے والوں کی ظالمانہ روش کے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دیں جو اصلاً ان کے لیے حلال تھیں'

اللہ تعالیٰ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ کوئی قوم اگر کسی معاملے میں حد سے گزرتی ہے تو سزا کے طور پر اسے حلال چیزوں سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں پر یہی اصول بیان ہو رہا ہے۔ مثلاً اگر حضرت یعقوبؑ نے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے تورات میں اس کی صراحت نہیں کی کہ یہ حرام نہیں ہے' یہ تو محض تمہارے نبیؑ کا بالکل ذاتی قسم کا فیصلہ ہے' بلکہ اللہ نے کہا کہ ٹھیک ہے' ان کی یہی سزا ہے کہ ان پر تنگی رہے اور اس طرح ان کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر حلال چیزیں بھی اُن پر حرام کر دیں۔

﴿وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾﴾ ''اور بسبب اس کے کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے (خود رُکتے

ہیں اور دوسروں کو بھی) روکتے ہیں۔‘‘

یہ لوگ اللہ کے راستے سے خود بھی رکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی روکتے ہیں۔ تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور ان پر بعض حلال چیزیں بھی حرام کر دیں۔

آیت ۱۶۱ ﴿وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ﴾ ’’اور بسبب ان کے سود کھانے کے جبکہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا‘‘

شریعتِ موسوی میں سود حرام تھا‘ آج بھی حرام ہے‘ لیکن انہوں نے اس حکم کا اپنا ایک من پسند مفہوم نکال لیا‘ جس کے مطابق یہودیوں کا آپس میں سود کا لین دین تو حرام ہے‘ کوئی یہودی دوسرے یہودی سے سودی لین دین نہیں کر سکتا‘ لیکن غیر یہودی سے سود لینا جائز ہے‘ کیونکہ وہ ان کے نزدیک Gentiles اور Goyems ہیں‘ انسان نما حیوان ہیں‘ جن سے فائدہ اٹھانا اور ان کا استحصال کرنا ان کا حق ہے۔ ہم سورۂ آل عمران (آیت ۷۵) میں یہود کا یہ قول پڑھ چکے ہیں: ﴿لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ﴾ کہ ان اُمیین کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت ہے ہی نہیں‘ کوئی ذمہ داری ہے ہی نہیں۔ ہم جیسے چاہیں لوٹ مار کریں‘ جس طرح چاہیں انہیں دھوکہ دیں‘ ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لہٰذا سود کھانے میں اُن کے ہاں عمومی طور پر کوئی قباحت نہیں ہے۔

﴿وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ﴾ ’’اور بسبب ان کے لوگوں کے مال ناحق ہڑپ کرنے کے۔‘‘

﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾﴾ ’’اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

آیت ۱۶۲ ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ’’البتہ جو لوگ ان میں سے پختہ علم والے ہیں اور اہلِ ایمان ہیں‘‘

یعنی یہود میں سے اہلِ علم لوگ جیسے عبداللہ بن سلام علیہ السلام اور ایسے ہی راست باز لوگ جنہوں نے تورات کے علم کی بنا پر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آپؐ پر ایمان لائے۔

﴿يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ’’وہ ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو (اے نبیؐ) آپؐ پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا‘‘

﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ ’’اور وہ نماز قائم کرنے والے ہیں‘ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں‘ اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ پر بھی اور یومِ آخرت پر بھی‘‘

﴿اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم ضرور اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔‘‘

ان آیات میں ابھی بھی تھوڑی سی گنجائش رکھی جا رہی ہے کہ اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا عنصر اگر اب بھی موجود ہو جو حق کی

طرف مائل ہو۔اب بھی اگر کوئی سلیم الفطرت فرد کہیں کونے کھدرے میں پڑا ہو‘ اگر اس کان میں ہیرے کا کوئی ٹکڑا کہیں ابھی تک پڑا رہ گیا ہو تو وہ بھی نکل آئے اس سے پہلے کہ آخری دروازہ بھی بند کر دیا جائے۔ تو ابھی آخری دروازہ نہ تو منافقین پر بند کیا گیا ہے اور نہ ان اہل کتاب پر‘ بلکہ لٰـــکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ فرما کر ایک دفعہ پھر صلائے عام دے دی گئی ہے کہ اہل کتاب میں سے اب بھی اگر کچھ لوگ مائل بہ حق ہیں تو وہ متوجہ ہو جائیں۔

آیات ۱۶۳ تا ۱۶۹

﴿اِنَّـــآ اَوْحَیْنَـــآ اِلَـیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَـآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ ج وَاَوْحَیْـنَـآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْـمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّـوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ج وَاٰتَـیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَـدْ قَـصَصْنٰـھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَـبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ ط وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَکَـانَ الـلّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰـــکِـنِ الـلّٰـہُ یَشْھَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَـیْکَ اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ ج وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَشْھَدُوْنَ ط وَکَـفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّـذِیْـنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا ۢ بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّـذِیْـنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾﴾

اس رکوع کے شروع میں انبیاء اور رسولوں کے ناموں کا ایک خوبصورت گلدستہ نظر آتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں ایسے گلدستے خوبصورتی سے سجائے گئے ہیں۔ یہاں آپ کو پے بہ پے انبیاء اور رسولوں کے نام ملیں گے اور پھر اُن میں سے بعض کی اضافی شانوں کا ذکر بھی ملے گا۔ اس کے بعد فلسفہ قرآن کے اعتبار سے ایک بہت اہم آیت بھی آئے گی‘ جس میں نبوت کا بنیادی مقصد اور اساسی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۱۶۳ ﴿اِنَّـآ اَوْحَیْنَـآ اِلَـیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَـآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ ج﴾ ’’(اے نبیﷺ) ہم نے آپ کی جانب بھی وحی کی ہے جیسے ہم نے نوحؑ اور ان کے بعد بہت سے انبیاء پر وحی کی تھی۔‘‘

﴿وَاَوْحَیْنَـآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ﴾ ’’اور ہم نے ابراہیمؑ‘ اسماعیلؑ‘ اسحاقؑ‘ یعقوبؑ اور اُن کی اولاد کی طرف بھی وحی کی‘‘

﴿وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ج وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾﴾ ’’اور عیسٰیؑ ‘ ایوبؑ‘ یونسؑ‘ ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف (بھی وحی کی)۔ اور داؤدؑ کو تو ہم نے زبور (جیسی کتاب) عطا فرمائی۔‘‘

آیت ۱۶۴ ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰـھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ ط﴾ ’’اور (بھیجے) وہ

رسول جن کا ہم اس سے پہلے آپؐ کے سامنے تذکرہ کر چکے ہیں اور ایسے رسول (بھی) جن کے حالات ہم نے آپؐ کے سامنے بیان نہیں کیے"

پوری دنیا کی تاریخ بیان کرنا تو قرآن مجید کا مقصد نہیں ہے کہ تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام کی مکمل فہرست دے دی جاتی۔ یہ تو کتاب ہدایت ہے' تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝١٦٤﴾ "اور موسیٰ سے تو کلام کیا اللہ نے جیسے کہ کلام کیا جاتا ہے۔"

یہ خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امتیازی شان بیان ہوئی ہے۔ لیکن یہ مکالمہ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ تھا' یعنی پردے کے پیچھے سے' البتہ تھا دُو بدو کلام۔ اب اس کے بعد وہ آیت آ رہی ہے جس میں نبوت کا اساسی مقصد بیان ہوا ہے کہ یہ تمام رسولؑ کس لیے بھیجے گئے تھے۔

آیت ۱۶۵ ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ "یہ رسولؑ (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر"

﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ﴾ "تاکہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل) رسولوں کے آنے کے بعد۔"

یہاں پر ایک طرف لِلنَّاسِ کا 'ل' نوٹ کیجیے اور دوسری طرف عَلَى اللّٰهِ کا عَلٰی۔ یہ دونوں حروف متضاد معانی پیدا کر رہے ہیں۔ لِلنَّاسِ کے معنی ہیں لوگوں کے حق میں حجت' جبکہ عَلَى اللّٰهِ کے معنی ہیں اللہ کے خلاف حجت۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝١٦٥﴾ "اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔"

اب آپ آخرت کے احتساب کے فلسفے کو سمجھئے۔ قیامت کے دن ہر کسی کا امتحان ہوگا اور امتحان سے پھر نتائج نکلیں گے' کوئی پاس ہوگا اور کوئی فیل۔ لیکن امتحان سے پہلے کچھ پڑھایا جانا بھی ضروری ہے' کسی کو جانچنے سے پہلے اُسے کچھ دیا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ ہمیں دیکھنا ہے کہ قیامت کے امتحان کے لیے ہمیں کیا پڑھایا گیا ہے؟ اس آخری جانچ پڑتال سے پہلے ہمیں کیا کچھ دیا گیا ہے؟ قرآن مجید کے بنیادی فلسفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمع' بصر اور عقل تین بڑی چیزیں دی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر روح بھی ودیعت کی ہے اور نفسِ انسانی میں خیر اور شر کا علم بھی رکھا ہے۔ ان باتوں کی بنا پر انسان وحیٔ الٰہی کی راہنمائی کے بغیر بھی اللہ کے حضور جواب دہ (accountable) ہے کہ جب تمہاری فطرت میں نیکی اور بدی کی تمیز رکھ دی گئی تھی تو تم بدی کی طرف کیوں گئے؟ تو گویا اگر کوئی نبی یا رسول نہ بھی آتا' کوئی کتاب نازل نہ بھی ہوتی' تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ ناحق نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ بنیادی چیزیں جو امتحان اور احتساب کے لیے ضروری تھیں وہ اللہ تعالیٰ انسان کو دے چکا تھا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ پھر بھی انسانوں پر اتمامِ حجت کرتا ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ حجت کیا ہے؟ بنیادی حجت تو عقل ہے جو اللہ نے ہمیں دے رکھی ہے: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝٣٦﴾ (بنی اسرائیل)۔ انسانی نفس کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز بھی ودیعت کر دی گئی ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝٧ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا

وَتَقْوٰىهَا ﴿٨﴾ (الشمس) پھر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی گئی ہے۔ ان تمام صلاحیتوں اور اہلیتوں کی بنا پر جوابدہی (accountability) کا جواز برحق ہے۔ کوئی نبی آتا یا نہ آتا' اللہ کی یہ حجت تمام انسانوں پر بہرحال قائم ہے۔

اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کرنے کے لیے اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ یہ اضافی شے ہے کہ اللہ نے تم ہی میں سے کچھ لوگوں کو چنا' جو بڑے ہی اعلیٰ کردار کے لوگ تھے۔ تم جانتے تھے کہ یہ ہمارے ہاں کے بہترین لوگ ہیں' ان کے دامنِ کردار پر کوئی داغ دھبہ نہیں ہے' ان کی سیرت و اخلاق کھلی کتاب کی مانند تمہارے سامنے تھے۔ ان کے پاس اللہ نے اپنی وحی بھیجی اور واضح طور پر بتا دیا کہ انسان کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ اس طرح اُس نے تمہارے لیے اس امتحان کو آسان کر دیا' تاکہ اب کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے' کوئی یہ دلیل پیش نہ کر سکے کہ مجھے تو علم ہی نہیں تھا۔ پروردگار! میں تو بے دین ماحول میں پیدا ہو گیا تھا' وہاں سب کے سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ پروردگار! میں تو اپنی دو وقت کی روٹی کے دھندے میں ہی ایسا مصروف رہا کہ مجھے کبھی ہوش ہی نہیں آیا کہ دین و ایمان اور اللہ و آخرت کے بارے میں سوچتا۔ لیکن جب رسولؑ آ جاتے ہیں اور رسولوں کے آنے کے بعد حق کھل کر سامنے آ جاتا ہے' حق و باطل کے درمیان امتیاز بالکل واضح طور پر قائم ہو جاتا ہے تو پھر کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے محاسبہ کے مقابلے میں پیش کرنے کے لیے کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ تو یہ ہے اتمامِ حجت کا فلسفہ اور طریقہ اللہ کی طرف سے۔ رسولؑ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟ کسی کو زبردستی تو ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ ہاں جن کے اندر احساس جاگ جائے گا وہ رسولؑ کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں گے' ان سے فائدہ اٹھائیں گے' سیدھے راستے پر چلیں گے۔ ان کے لیے اللہ کے رسول ''مبشر'' ہوں گے' اللہ کے فضل اور جنت کی نعمتوں کی بشارت دینے والے: ﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾﴾ (الواقعہ)۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی غلط راستوں پر چلتے رہیں گے' تعصبّ میں' ضد اور ہٹ دھرمی میں' مفادات کے لالچ میں' اپنی چودھراہٹیں قائم رکھنے کے لالچ میں' ان کے لیے رسولؑ ''نذیر'' ہوں گے۔ اُن کو خبردار کریں گے کہ اب تمہارے لیے بدترین انجام کے طور پر جہنم تیار ہے۔ تو رسولوںؑ کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی ہے' یعنی تبشیر اور انذار۔

اس ساری وضاحت کے بعد اب دوبارہ آیت کے الفاظ کو سامنے رکھیے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ ''رسول بھیجے گئے بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر'' یہ تبشیر اور انذار کس لیے؟ ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ ''تاکہ باقی نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت' کوئی عذر' کوئی بہانہ' رسولوں کے آنے کے بعد''۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکیم ہے''۔ وہ عزیز ہے' غالب ہے' زبردست ہے' بغیر رسولوں کے بھی محاسبہ کر سکتا ہے' اس کا اختیار مطلق ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ حکیم بھی ہے' اُس نے محاسبۂ اُخروی کے لیے یہ مبنی برحکمت نظام بنایا ہے۔ اس ضمن میں ایک بات اور نوٹ کر لیجیے کہ رسالت کا ایک تکمیلی مقصد بھی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر کامل ہوا' اور وہ ہے روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب کرنا۔ آپؐ نے دعوت کا آغاز اسی تبشیر اور انذار ہی سے فرمایا' جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾﴾ بحیثیتِ رسولؐ یہ آپؐ کی رسالت کے بنیادی مقصد کا اظہار ہے' لیکن اس سے بلند تر درجے میں آپؐ کی

رسالت کی تکمیلی حیثیت کا اظہار سورۃ التوبہ آیت ۳۳‘ سورۃ الفتح آیت ۲۸ اور سورۃ الصّف آیت ۹ میں ایک جیسے الفاظ میں ہوا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ ’’وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمدﷺ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق دے کر تاکہ وہ اسے غالب کر دے پورے دین پر‘‘۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں یہ آپؐ کی امتیازی شان ہے۔ میری کتاب ’’نبی اکرمﷺ کا مقصدِ بعثت‘‘ میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

آیت ۱۶۶ ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾﴾ ’’لیکن اللہ گواہ ہے کہ جو کچھ اُس نے نازل کیا ہے (اے نبیﷺ) آپؐ کی طرف وہ اُس نے نازل کیا ہے اپنے علم سے‘ اور فرشتے بھی اس پر گواہ ہیں‘ اگرچہ اللہ (اکیلا ہی) گواہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔‘‘

آیت ۱۶۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾﴾ ’’بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا (خود کو بھی اور دوسروں کو بھی) تو یقیناً وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔‘‘

اب آخری رسولؐ کے آنے کے بعد بھی جو لوگ کفر پر اَڑے رہے‘ اللہ کے راستے سے رُکے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے‘ وہ راہِ حق سے بہک گئے‘ بھٹک گئے‘ اور اپنے بھٹکنے میں‘ بہکنے میں‘ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

آیت ۱۶۸ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ظلم (شرک) کے مرتکب ہوئے اللہ انہیں ہرگز بخشنے والا نہیں ہے‘ اور نہ انہیں کسی راستے کی ہدایت دے گا۔‘‘

آیت ۱۶۹ ﴿اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾﴾ ’’سوائے جہنم کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے‘ اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔‘‘

اب ذرا اس آیت کا تقابل کیجیے آیت ۱۴۷ کے ساتھ ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ ...... ﴾ ’’اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا......؟‘‘ یقیناً اللہ ایذا پسند (sadist) نہیں ہے‘ اُسے لوگوں کو عذاب دے کر خوشی نہیں ہوگی۔ لیکن یہ اُس کا ضابطہ اور قانون ہے‘ اسی پر اس نے دنیا بنائی ہے‘ اور اپنے اسی ضابطے اور قانون کے عین مطابق وہ مستحقین کو جزا و سزا دے گا۔ یہ اُس پر کوئی بھاری گزرنے والی بات نہیں ہے کہ وہ اپنی ہی مخلوق کو سزا دے۔ بعض ملنگ قسم کے صوفی اس طرح کی باتیں بھی کرتے ہیں کہ اللہ بڑا رحیم ہے‘ کیا وہ اپنی ہی مخلوق کو جہنم میں جھونک دے گا؟ یہ تو ایسے ہی ڈراوے کے لیے‘ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے عذاب اور سزا کی باتیں کی گئی ہیں۔ جیسے باپ بچوں کو ڈانٹتا ہے میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا‘ ماں کہتی ہے میں تیرا قیمہ کر دوں گی۔ تو کیا وہ سچ مچ اپنے بچوں کا قیمہ کر دے گی؟ لہٰذا یہ تو صرف ڈراوا ہے‘ حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا‘ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے خیالات ونظریات گمراہ کن ہیں۔ ماں کے لیے تو اپنے بچے کو بڑے سے بڑے قصور پر بھی آگ میں ڈالنا

ممکن نہیں ہے‘ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝﴾ اللہ کے لیے یہ بہت آسان ہے‘ بہت ہلکی بات ہے۔

آیات ۱۷۰ تا ۱۷۵

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١٧٠ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڛ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝١٧١ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝١٧٢ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝١٧٣ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝١٧٤ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝١٧٥﴾

اب اگلی آیات ایک طرح سے اِس سورۃ کا ”حرفِ آخر“ ہیں۔

آیت ۱۷۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ﴾ ”اے لوگو! تمہارے پاس آچکا ہے رسولؐ حق کے ساتھ‘ تو اب تم ایمان لے آؤ‘ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“

بلکہ آخری الفاظ کا صحیح تر ترجمہ یہ ہوگا کہ ”ایمان لے آؤ‘ اسی میں تمہاری خیریت ہے“۔ اس آیت کے ایک ایک لفظ میں بہت زور اور جلال ہے اور اب بات بالکل دوٹوک انداز اور حتمی طور پر کی جا رہی ہے۔ یعنی اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی طرف سے کوئی راہنمائی نہیں کی گئی‘ ہمیں کچھ پتا نہیں تھا‘ ہم پر بات واضح نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے آخری نبیﷺ کے آ جانے کے بعد تمہارا یہ بہانہ اب ختم ہوگیا۔

﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١٧٠﴾ ”اور اگر تم لوگ کفر پر اَڑے رہو گے تو (اللہ کا کیا بگاڑ لو گے؟) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے‘ اور اللہ علیم بھی ہے‘ حکیم بھی۔“

آ گے اہل کتاب سے جو خطاب ہے اس کے مخاطب خاص طور پر عیسائی ہیں' جو حضرت مسیح علیہ السلام کی عقیدت و محبت میں حد سے گزر گئے تھے۔

آیت ۱۷۱ ﴿یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ‌ؕ﴾ ''اے اہل کتاب' اپنے دین میں غلو (مبالغہ) نہ کرو' اور اللہ کی طرف کوئی شے منسوب نہ کرو سوائے اس کے جو حق ہو۔''

تم آپس کے معاملات میں تو جھوٹ بولتے ہی ہو' مگر اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنا' جھوٹ بول کر اللہ پر اسے تھوپنا کہ اللہ کا یہ حکم ہے' اللہ نے یوں کہا ہے' یہ تو وہی بات ہوئی: بازی بازی باریش بابا ہم بازی!

﴿اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ﴾ ''دیکھو مسیح عیسیٰؑ ابن مریم تو بس اللہ کے رسولؑ تھے''

وہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک رسولؑ تھے اور بس! اُلوہیّت میں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہے' وہ خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔

﴿وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَ لۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ‌ ﴾ ''اور وہ اُس کا ایک کلمہ تھے' جو اُس نے اِلقا کیا مریمؑ پر اور ایک روح تھے اُس کی طرف سے''

یعنی حضرت مریمؑ کے رحم میں جو حمل ہوا تھا وہ اللہ کے کلمہ ' کُن کے طفیل ہوا۔ بچے کی پیدائش کے طبعی عمل میں ایک حصہ باپ کا ہوتا ہے اور ایک ماں کا۔ اب حضرت مسیحؑ کی ولادت میں ماں کا حصہ تو پورا موجود ہے۔ حضرت مریمؑ کو حمل ہوا' نو مہینے آپؑ رحم میں رہے' لیکن یہاں باپ والا حصہ بالکل نہیں ہے اور باپ کے بغیر ہی آپؑ کی پیدائش ممکن ہوئی۔ ایسے معاملات میں جہاں اللہ کی مشیّت سے ایک لگے بندھے طبعی عمل میں سے اگر کوئی کڑی اپنی جگہ سے ہٹائی جاتی ہے تو وہاں پر اللہ کا مخصوص امر کلمہ ' کُن کی صورت میں کفایت کرتا ہے۔ یہاں پر اللہ کے ''کلمہ'' کا یہی مفہوم ہے۔

جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کو ''رُوۡحٌ مِّنۡهُ'' قرار دینے کا تعلق ہے تو اگرچہ سب انسانوں کی روح اللہ ہی کی طرف سے ہے' لیکن تمام روحیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ بعض روحوں کے بڑے بڑے اونچے مراتب ہوتے ہیں۔ ذرا تصور کریں روحِ محمدی ﷺ کی شان اور عظمت کیا ہوگی! روحِ محمدیؐ کو عام طور پر ہمارے علماء ''نورِ محمدیؐ'' کہتے ہیں۔ اس لیے کہ روح ایک نورانی شے ہے۔ ملائکہ بھی نور سے پیدا ہوئے ہیں اور انسانی ارواح بھی نور سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن سب انسانوں کی ارواح برابر نہیں ہیں۔ حضور ﷺ کی روح کی اپنی ایک شان ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کی اپنی ایک شان ہے۔

﴿فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ‌ ۖ وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ‌ ؕ﴾ ''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر' اور تثلیث (تین خداؤں) کا دعویٰ مت کرو۔''

﴿اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ‌ ؕ﴾ ''باز آجاؤ' اسی میں تمہاری بہتری (خیریت) ہے۔''

یہ مت کہو کہ الوہیت تین میں ہے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک کا عقیدہ مت گھڑو۔

﴿اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ یَّـكُوۡنَ لَـهٗ وَلَـدٌ ۘ ﴾ ''جان لو کہ اللہ تو بس ایک ہی الٰہِ واحد ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اُس کا کوئی بیٹا ہو۔''

﴿لَـهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿۱۷۱﴾﴾ ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ اُسی کا ہے' اور اللہ کافی ہے بطورِ کارساز۔''

آیت ۱۷۲ ﴿لَـنۡ یَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّـكُوۡنَ عَبۡدًا لِّـلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ﴾ ''مسیحؑ کو تو اس میں ہر گز کوئی عار نہیں ہے کہ وہ بنے اللہ کا بندہ اور نہ ہی ملائکہ مقربین کو اس میں کوئی عار ہے (کہ انہیں اللہ کا بندہ سمجھا جائے)۔''

مسیح علیہ السلام کو تو اللہ کا بندہ ہونے میں اپنی شان محسوس ہوگی۔ جیسے ہم بھی حضور ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں: وَنَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ ۔تو عبدیت کی شان تو بہت بلند و بالا ہے' رسالت سے بھی اعلیٰ اور اَرفع۔ (یہ ایک علیحدہ مضمون ہے' جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔) چنانچہ حضرت مسیحؑ کے لیے یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

﴿وَمَنۡ یَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَیَسۡتَكۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُهُمۡ اِلَیۡهِ جَمِیۡعًا ﴿۱۷۲﴾﴾ ''اور جو کوئی بھی عار سمجھے گا اُس کی بندگی میں اور تکبر کرے گا تو اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔''

آیت ۱۷۳ ﴿فَاَمَّا الَّـذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَیَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ۚ﴾ ''پس جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے تو ان کو تو ان کا پورا پورا اجر بھی دے گا اور انہیں مزید بھی دے گا اپنے خاص فضل میں سے۔''

ایسے لوگوں کو ان کے اجر کے علاوہ بونس بھی ملے گا۔ جیسے آپ کسی کام کرنے والے کو اچھا کام کرنے پر اُجرت کے علاوہ انعام (tip) بھی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ فضل سے انہیں ان کے مقررہ اجر سے بڑھ کر نوازے گا۔

﴿وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ﴾ ''اور جنہوں نے (عبدیت کے اندر) عار محسوس کی تھی اور تکبر کیا تھا تو ان کو وہ دردناک عذاب دے گا''

﴿وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷۳﴾﴾ ''اور وہ نہیں پائیں گے اپنے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۷۴ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ﴾ ''اے لوگو! آچکی ہے تمہارے پاس ایک برہان تمہارے ربّ کی طرف سے''

یہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن اور محمد ﷺ مل کر برہان ہوں گے۔ تعارفِ قرآن کے دوران ذکر ہو چکا ہے کہ کتاب اور رسول ﷺ مل کر بیّنہ بنتے ہیں' جیسا کہ سورۃ البیّنہ (آیات ۱ تا ۳) میں ارشاد ہوا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اسی بیّنہ کو بُرھان کہا گیا ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾﴾ ''اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کر دیا ہے۔''

یہاں چونکہ نور کے ساتھ لفظ انزال آیا ہے اس لیے اس سے مراد لازماً قرآن مجید ہی ہے۔

آیت ۱۷۵ ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ﴾ ''پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور اُس کے ساتھ چمٹ جائیں گے''

یکسو ہو جائیں گے' خالص اللہ والے بن جائیں گے' مذبذب نہیں رہیں گے کہ کبھی اِدھر کبھی اُدھر' بلکہ پوری طرح سے یکسو ہو کر اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جائیں گے۔

﴿فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾﴾ ''تو انہیں وہ داخل کرے گا اپنی رحمت اور اپنے فضل میں' اور انہیں ہدایت دے گا اپنی طرف صراطِ مستقیم کی۔''

یَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ یعنی اپنی طرف ہدایت دے گا۔ انہیں سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر چلنے کی توفیق بخشے گا اور سہج سہج' رفتہ رفتہ انہیں اپنے خاص فضل و کرم اور جوارِ رحمت میں لے آئے گا۔

آیت ۱۷۶

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾﴾

اس آخری آیت میں پھر ایک استفتاء ہے۔ آیت ۱۲ میں قانونِ وراثت کے ضمن میں ایک لفظ آیا تھا کلالہ' یعنی وہ مرد یا عورت جس کے نہ تو والدین زندہ ہوں اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ اس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ اگر اُس کے بہن بھائی ہوں تو اس کی وراثت کا حکم یہ ہے۔ لیکن وہ حکم لوگوں پر واضح نہیں ہو سکا تھا۔ لہٰذا یہاں اس حکم کی مزید وضاحت کی گئی ہے۔ آیت ۱۲ کے حکم کو صرف اَخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ مخصوص مان لینے کے بعد اس توضیحی حکم میں کلالہ کی وراثت کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۷۶ ﴿یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ ؕ﴾ ”(اے نبی ﷺ) یہ آپؐ سے فتویٰ مانگ رہے ہیں۔ کہو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دے رہا ہے۔“

﴿اِنِ امۡرُؤٌا ہَلَکَ لَیۡسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَہٗۤ اُخۡتٌ فَلَہَا نِصۡفُ مَا تَرَکَ ۚ﴾ ”اگر کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس کی کوئی اولاد نہیں (اور نہ ماں باپ ہیں) اور اس کی صرف ایک بہن ہے تو اس کے لیے اس کے ترکے میں سے نصف ہے۔“

ایسی صورت میں اس کی بہن ایسے ہی ہے جیسے ایک بیٹی ہو تو اسے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا۔

﴿وَہُوَ یَرِثُہَاۤ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہَا وَلَدٌ ؕ﴾ ”اور وہ مرد (بھائی) اس (بہن) کا مکمل وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہیں۔“

یعنی اگر کلالہ عورت تھی جس کی کوئی اولاد نہیں‘ کوئی والدین نہیں تو اس کا وارث اس کا بھائی بن جائے گا‘ اس کی پوری وراثت اس کے بھائی کو چلی جائے گی۔

﴿فَاِنۡ کَانَتَا اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ ؕ﴾ ”پھر اگر دو (یا دو سے زیادہ) بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی۔“

﴿وَاِنۡ کَانُوۡۤا اِخۡوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ﴾ ”اور اگر کئی بہن بھائی ہوں تو ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔“

یعنی بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا۔ البتہ یہ بات اہم ہے کہ آیت ۱۲ میں جو حکم دیا گیا تھا وہ اَخیافی بہن بھائیوں کے بارے میں تھا۔ یعنی ایسے بہن بھائی جن کی ماں ایک ہو اور باپ علیحدہ علیحدہ ہوں۔ اُس زمانے کے عرب معاشرے میں تعدّدِ ازواج کے عام رواج کی وجہ سے ایسے مسائل معمولات کا حصہ تھے۔ باقی عینی یا علاتی بہن بھائیوں (جن کے ماں اور باپ ایک ہی ہوں یا مائیں الگ الگ ہوں اور باپ ایک ہی ہو) کا وہی عام قانون ہوگا جو بیٹے اور بیٹی کا ہے۔ جس نسبت سے بیٹے اور بیٹی میں وراثت تقسیم ہوتی ہے ایسے ہی ان بہن بھائیوں میں ہوگی۔

﴿یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۷۶﴾﴾ ” اللہ واضح کیے دیتا ہے تمہارے لیے مبادا کہ تم گمراہ ہو جاؤ‘ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

تعارفِ قرآن کے دوران میں نے بتایا تھا کہ قرآن حکیم کی ایک تقسیم سات احزاب یا منزلوں کی ہے۔ اس اعتبار سے سورۃ النساء پر پہلی منزل ختم ہوگئی ہے۔ **فالحمد للّٰہ علی ذٰلک!**

❀❀❀

سُورۃُ المَائِدَۃ

تمہیدی کلمات

سورۃ المائدۃ سے قرآن مجید کی دوسری منزل کا آغاز ہوتا ہے' لیکن قرآن حکیم کے مکی اور مدنی سورتوں کے جو گروپس ہیں' ان کے اعتبار سے پہلا گروپ ابھی ختم نہیں ہوا' بلکہ سورۃ المائدۃ اس گروپ کی آخری سورت ہے۔ ان گروپس کی تفصیل قبل ازیں بیان ہو چکی ہے۔ اُن میں سے پہلا گروپ ایک مکی سورۃ (الفاتحہ) اور چار مدنی سورتوں (البقرۃ' آل عمران' النساء اور المائدۃ) پر مشتمل ہے۔ مضامین کی مماثلت کے اعتبار سے سورۃ المائدۃ کا ''جوڑا'' سورۃ النساء کے ساتھ بنتا ہے۔ ان دونوں سورتوں کا اسلوب بھی کافی حد تک آپس میں ملتا جلتا ہے' البتہ یہاں زیادہ زور اہل کتاب پر ہے۔ اس گروپ کی مدنی سورتوں (البقرۃ' آل عمران' النساء اور المائدۃ) کے بنیادی موضوعات دو ہیں' یعنی اہل کتاب پر اتمام حجت اور احکام شریعتِ اسلامی۔ ان سورتوں میں ان دونوں موضوعات کا ایک تسلسل ہے جو تدریجاً نظر آتا ہے۔ لہٰذا شریعتِ اسلامی کا جو ابتدائی خاکہ ہمیں سورۃ البقرۃ میں ملتا ہے اور پھر سورۂ آل عمران اور سورۃ النساء میں اس کے خدوخال مزید واضح ہوئے ہیں' یہاں سورۃ المائدۃ میں آ کر یہ تکمیلی رنگ اختیار کرتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی بلندترین (حکومتی) سطح کے احکام بھی ہمیں اس سورۃ میں ملتے ہیں۔ اسی طرح اہل کتاب سے جس خطاب کی ابتدا سورۃ البقرۃ میں ہوئی تھی' یہاں آ کر وہ بھی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔

سورۃ النساء کا آغاز ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ'' سے ہوا تھا' جبکہ سورۃ المائدۃ کا آغاز ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات ۱ تا ۵

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ① یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ

رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۲ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ
الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ
اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ
الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ
اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۴ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۠ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ
مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا
مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۵ ﴾

آیت ۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے عہد و پیمان (قول و قرار) کو پورا کیا کرو۔''

عقدہ گرہ کو کہتے ہیں جس میں مضبوطی سے بندھنے کا مفہوم شامل ہے۔ لہٰذا ''عُقُود'' سے مراد وہ معاہدے ہیں جو باقاعدہ طے پا گئے ہوں۔ معاہدوں اور قول و قرار کی اہمیت یوں سمجھ لیجیے کہ ہماری پوری کی پوری سماجی و معاشرتی زندگی قائم ہی معاہدوں پر ہے۔ معاشرتی زندگی کا بنیادی یونٹ ایک خاندان ہے‘ جس کی بنیاد ایک معاہدے پر رکھی جاتی ہے۔ شادی کیا ہے؟ مرد اور عورت کے درمیان ایک ساتھ زندگی گزارنے کا معاہدہ ہے۔ اس معاہدے سے انسانی معاشرے کی بلند و بالا عمارت کی بنیادی اینٹ رکھی جاتی ہے۔ اس معاہدے کے مطابق فریقین کے کچھ حقوق ہیں اور کچھ فرائض۔ ایک طرف بیوی کے حقوق اور اس کے فرائض ہیں اور دوسری طرف شوہر کے حقوق اور اس کے فرائض۔ بڑے بڑے کاروبار بھی معاہدوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ آجر اور مُستاجر کا تعلق بھی ایک معاہدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح کاروبارِ حکومت‘ حکومتی اداروں میں عہدے اور مناصب‘ چھوٹے بڑے اہلکاروں کی ذمہ داریاں‘ ان کی مراعات اور اختیارات کا معاملہ ہے۔ گویا تمام معاشرتی‘ معاشی اور سیاسی معاملات قرآن حکیم کے ایک حکم پر عمل کرنے سے درست سمت پر چل سکتے ہیں‘ اور وہ حکم ہے ''اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ''۔

﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ ''تمہارے لیے حلال کر دیے گئے ہیں مویشی قسم کے

تمام حیوانات‘ سوائے اِن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جا رہے ہیں“

جن کا حکم آگے چل کر تمہیں بتایا جائے گا‘ یعنی خنزیر‘ مردار‘ وغیرہ حرام ہیں۔ باقی جو مویشی قسم کے جانور ہیں‘ وحوش نہیں (مثلاً شیر‘ چیتا وغیرہ وحشی ہیں) وہ حلال ہیں‘ جیسے ہرن‘ نیل گائے اور اس طرح کے جانور جو عام طور پر گوشت خور نہیں ہیں بلکہ سبزے پر ان کا گزارا ہے‘ ان کا گوشت تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ البتہ استثنائی صورتوں کی تفصیل بعد میں تمہیں بتا دی جائے گی۔

﴿غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ﴾ ”نہ جائز کرتے ہوئے شکار کو جبکہ تم حالتِ احرام میں ہو۔“

یعنی اگر تم نے حج یا عمرے کے لیے احرام باندھا ہوا ہے تو تم اس حالت میں ان حلال جانوروں کا بھی شکار نہیں کر سکتے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ①﴾ ”بے شک اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔“

یہ اللہ کا اختیار ہے‘ وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے‘ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

آیت ۲ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ ”اے اہلِ ایمان! مت بے حرمتی کرو اللہ کے شعائر کی اور نہ حُرمت والے مہینے کی“

یعنی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اپنی خواہش کے مطابق حلال مت کر لیا کرو۔

﴿وَلَا الْهَدْیَ﴾ ”اور نہ ہدی کے جانوروں کی (بے حرمتی کرو)“

یعنی قربانی کے وہ جانور جو حج یا عمرے پر جاتے ہوئے لوگ ساتھ لے کر جاتے تھے۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ حج یا عمرے پر جاتے وقت قربانی کے جانور ساتھ لے کر جاتے تھے۔ یہاں ان جانوروں کی بے حرمتی کی ممانعت بیان ہو رہی ہے۔

﴿وَلَا الْقَلَآىِٕدَ﴾ ”اور نہ (اُن جانوروں کی بے حرمتی ہونے پائے) جن کی گردنوں میں پٹے ڈال دیے گئے ہوں“

یہ پٹے (قلادے) علامت کے طور پر ڈال دیے جاتے تھے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور کعبے کی طرف جا رہے ہیں۔

﴿وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ﴾ ”اور نہ عازمینِ بیت الحرام (کی عزت و احترام میں فرق آئے)“

یعنی وہ لوگ جو بیت الحرام کی طرف چل پڑے ہوں‘ حج یا عمرے کا قصد کر کے سفر کر رہے ہوں‘ اب ان کی بھی اللہ کے گھر کے ساتھ ایک نسبت ہو گئی ہے‘ وہ اللہ کے گھر کے مسافر ہیں‘ جیسا کہ اہلِ عرب حجاج کرام کو کہتے ہیں: مَرْحَبًا بِضُیُوْفِ الرَّحْمٰن ”مرحبا ان لوگوں کو جو رحمٰن کے مہمان ہیں“۔ یعنی تمام حُجاجِ کرام اصل میں اللہ کے مہمان ہیں‘ اللہ ان تمام زائرین کعبہ کا میزبان ہے۔ تو اللہ کے ان تمام مہمانوں کی ہتکِ عزت اور بے حرمتی سے منع کر دیا گیا۔

﴿یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ﴾ ”وہ طلب گار ہیں اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے۔“

یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں‘ اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں مکانِ محترم (کعبہ) کی طرف جا رہے ہیں۔

﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ط﴾ ”ہاں جب تم حلال ہو جاؤ (احرام کھول دو) تو پھر تم شکار کرو۔“

حلال ہو جانا ایک اصطلاح ہے‘ یعنی احرام کھول دینا‘ حالتِ احرام سے باہر آ جانا۔ اب تمہیں شکار کی آزادی ہے‘ اس پر پابندی صرف احرام کی حالت میں تھی۔

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ ”اور تمہیں آمادہ نہ کر دے کسی قوم کی دشمنی“

﴿اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ”کہ انہوں نے روکے رکھا تمہیں مسجدِ حرام سے“

﴿اَنْ تَعْتَدُوْا ے﴾ ”کہ (تم بھی ان پر) زیادتی کرنے لگو۔“

یعنی جیسے اہلِ مکہ نے تم لوگوں کو چھ سات برس تک حج وعمرہ سے روکے رکھا‘ اب کہیں اس کے جواب میں تم لوگ بھی ان پر زیادتی نہ کرنا۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص﴾ ”اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو“

﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص﴾ ”اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو“

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۲﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘ یقیناً اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔“

دیکھئے یہ انداز بالکل وہی ہے جو سورۃ النساء کا تھا‘ وہی معاشرتی معاملات اور ان کے بارے میں بنیادی اصول بیان ہو رہے ہیں۔ اب آ رہے ہیں وہ استثنائی احکام جن کا ذکر آغازِ سورۃ میں ہوا تھا کہ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ. کھانے پینے کے لیے جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں ان کا ذکر یہاں آخری مرتبہ آ رہا ہے اور وہ بھی بہت وضاحت کے ساتھ:

آیت ۳ ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ﴾ ”حرام کیا گیا تم پر مُردار“

وہ جانور جو خود اپنی موت مر گیا ہو وہ حرام ہے۔

﴿وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ﴾ ”اور خون اور خنزیر کا گوشت“

﴿وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ”اور جس پر پکارا گیا اللہ کے سوا کسی اور کا نام“

یعنی وہ جانور جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نامزد ہے‘ اور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کو ذبح کیا جا رہا ہے۔

﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ ”اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو“

﴿وَالْمَوْقُوْذَةُ﴾ ”اور چوٹ لگنے سے جس جانور کی موت واقع ہو گئی ہو“

﴿وَالْمُتَرَدِّيَةُ﴾ ''اور جو جانور کسی اونچی جگہ سے گر کر مر گیا ہو''

﴿وَالنَّطِيحَةُ﴾ ''اور جو جانور کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے ہلاک ہو گیا ہو''

﴿وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ﴾ ''اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے''

یعنی ''اَلْمَيْتَة'' کی یہ پانچ قسمیں ہیں۔کوئی جانور ان میں سے کسی سبب سے مر گیا' ذبح ہونے کی نوبت نہیں آئی' اس کے جسم سے خون نکلنے کا امکان نہ رہا' بلکہ خون اس کے جسم کے اندر ہی جم گیا اور اس کے گوشت کا حصہ بن گیا تو وہ مردار کے حکم میں ہو گا۔

﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف﴾ ''مگر یہ کہ جسے تم (زندہ پا کر) ذبح کر لو۔''

یعنی مذکورہ بالا اقسام میں سے جو جانور ابھی مرا نہ ہو اور اسے ذبح کر لیا جائے تو اسے کھایا جا سکتا ہے۔مثلاً شیر نے ہرن کا شکار کیا' لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہرن مرتا شیر نے کسی سبب سے اسے چھوڑ دیا۔اس حالت میں اگر اسے ذبح کر لیا گیا اور اس میں سے خون بھی نکلا تو وہ حلال جانا جائے گا۔ جہاں جہاں شیر کا منہ لگا ہو وہ حصہ کاٹ کر پھینک دیا جائے تو باقی گوشت کھانا جائز ہے۔

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ ''اور وہ جانور جو کسی استھان پر ذبح کیا گیا ہو''

یعنی کسی خاص آستانے پر' خواہ وہ کسی ولی اللہ کا مزار ہو یا دیوتا' دیوی کا کوئی استھان ہو' ایسی جگہوں پر جا کر ذبح کیا گیا جانور بھی حرام ہے۔

﴿وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط﴾ ''اور یہ کہ جوئے کے تیروں کے ذریعے سے تقسیم کرو۔''

یہ بھی جوئے کی ایک قسم تھی۔عربوں کے ہاں رواج تھا کہ قربانی کے بعد گوشت کے ڈھیر لگا دیتے تھے اور تیروں کے ذریعے گوشت پر جوا کھیلتے تھے۔

﴿ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط﴾ ''یہ تمام گناہ کے کام ہیں۔''

﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ﴾ ''اب یہ کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں''

یعنی یہ لوگ اب یہ حقیقت جان چکے ہیں کہ اللہ کا دین غالب ہوا چاہتا ہے اور اس کا راستہ روکنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' سورۃ المائدۃ نزول کے اعتبار سے آخری سورتوں میں سے ہے۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب عرب میں اسلام کے غلبہ کے آثار صاف نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط﴾ ''تو ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔''

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے''

﴿وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ ''اور تم پر اتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا''

﴿وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡـنًا﴾ ''اور تمہارے لیے میں نے پسند کرلیا ہے اسلام کو بحیثیت دین کے۔''
میرے ہاں پسندیدہ اور مقبول دین ہمیشہ ہمیش کے لیے صرف اسلام ہے۔

﴿فَمَنِ اضۡطُرَّ فِىۡ مَخۡمَصَةٍ﴾ ''لیکن جو شخص بھوک میں مضطر ہو جائے (اور کوئی حرام شے کھالے)''
شدید فاقہ کی کیفیت ہو' بھوک سے جان نکل رہی ہو تو ان حرام کردہ چیزوں میں سے جان بچانے کے بقدر کھا سکتا ہے۔

﴿غَيۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ﴾ ''(بشرطیکہ) اس کا گناہ کی طرف کوئی رُجحان نہ ہو''
نیت میں کوئی فتور نہ ہو' بلکہ حقیقت میں جان پر بنی ہو اور دل میں نافرمانی کا کوئی خیال نہ ہو۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝٣﴾ ''تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

آیت ۴ ﴿يَسۡـئَلُوۡنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمۡ﴾ ''(اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کیا حلال ہے؟''

﴿قُلۡ اُحِلَّ لَـكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ ''آپ (ﷺ انھیں) بتائیں کہ تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں ہیں''

﴿وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُكَلِّبِيۡنَ تُعَلِّمُوۡنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور یہ جو تم سدھاتے ہو شکاری جانوروں کو' پھر چھوڑتے ہو ان کو شکار کے لیے' انہیں تم نے سکھایا ہے اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے''

﴿فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ﴾ ''تو تم ان کے اُس شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے روکے رکھیں''

﴿وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ﴾ ''اور اس پر اللہ کا نام لے لو۔''

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝٤﴾ ''یقیناً اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔''
اسے حساب لینے میں دیر نہیں لگتی۔

آیت ۵ ﴿اَلۡيَوۡمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ ''آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں۔''
یہ وہی اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡـنَكُمۡ .... والا انداز ہے۔
یعنی اس سے پہلے اگر مختلف مذاہب کے احکام کی وجہ سے' یہود کی شریعت یا حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذاتی پسند و ناپسند کی بنا پر اگر کوئی رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں یا معاشرے میں رائج مشرکانہ رسومات و اوہام کی وجہ سے تمہارے ذہنوں میں کچھ اُلجھنیں تھیں تو آج ان سب کو صاف کیا جا رہا ہے اور آج تمہارے لیے تمام صاف ستھری اور پاکیزہ چیزوں کے حلال ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

﴿وَطَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡـكِتٰبَ حِلٌّ لَّـكُمۡ﴾ ''اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔''

لیکن یہ صرف اُس صورت میں ہے کہ وہ کھانا اصلاً حلال ہو' کیونکہ اگر ایک عیسائی سُوَر کھا رہا ہو گا تو وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہوگا۔ اِس کھانے میں اُن کا ذبیحہ بھی شامل ہے' دو بنیادی شرائط کے ساتھ: ایک یہ کہ جانور حلال ہو اور دوسرے یہ کہ اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔

﴿وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ ''اسی طرح تمہارا کھانا بھی ان کے لیے حلال ہے۔''

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ ''اور (تمہارے لیے حلال ہیں) اہلِ ایمان میں سے خاندانی عورتیں''

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اور خاندانی عورتیں اُن لوگوں کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی''

یعنی مسلمان مرد عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔

﴿اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ''جب کہ تم انہیں ادا کر دو ان کے مہر''

﴿مُحْصِنِيْنَ﴾ ''قیدِ نکاح میں لا کر ان کے محافظ بنتے ہوئے''

نیت یہ ہو کہ تم نے ان کو اپنے گھر میں بسانا ہے' مستقل طور پر ایک خاندان کی بنیاد رکھنی ہے۔

﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ ''نہ کہ آزاد شہوت رانی کے لیے''

﴿وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ ''اور نہ ہی چوری چھپے آشنائی کرنے کے لیے۔''

بلکہ معروف طریقے سے علی الاعلان نکاح کر کے تم انہیں اپنے گھروں میں آباد کرو اور ان کے محافظ بنو۔ اس ضمن میں بعض اشکالات کا رَفع کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک شریعتِ اسلامی کا حکم ہے تو شریعت رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو چکی ہے' اب اس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے یہ قانون اپنی جگہ قائم ہے اور قائم رہے گا۔ یہ تو ہے اس کا جواز' البتہ اگر آج اس کے خلاف کسی کو کوئی مصلحت نظر آتی ہے تو وہ اپنی جگہ درست ہو سکتی ہے' لیکن اس کے باوجود قانون کو بدلا نہیں جا سکتا۔ البتہ اگر ایک خالص اسلامی ریاست ہو تو حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر کچھ عرصے کے لیے کسی ایسی اجازت یا حکم کو موقوف کیا جا سکتا ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے زمانے میں قحط کے سبب قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو موقوف کر دیا تھا۔ اس طرح کسی قانون میں اسلامی حکومت کے کسی عارضی انتظامی حکم (Executive Order) کے ذریعے سے کوئی عارضی تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ مزید برآں اس اجازت کے پس منظر میں جو فلسفہ اور حکمت ہے اس کی اصل روح کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ اجازت صرف مسلمان مَردوں کو دی گئی ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں' مسلمان عورت عیسائی یا یہودی مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مرد عورت پر غالب ہوتا ہے' لہٰذا امکانِ غالب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اسلام کی طرف راغب کر لے گا۔ دوسرے یہ کہ اُس زمانے میں یہ بات مسلّمہ تھی کہ اولاد مرد کی ہے' اور مرد کے غالب اور فعّال ہونے کا

مطلب تھا کہ ایسے میاں بیوی کی اولاد عیسائی یا یہودی نہیں بلکہ مسلمان ہوگی۔ اُس وقت ویسے بھی مسلمانوں کا غلبہ تھا اور یہودی اور عیسائی ان کے تابع ہو چکے تھے۔ آج کل حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ آج عیسائی اور یہودی غالب ہیں' جبکہ مسلمان انتہائی مغلوب۔ دوسری طرف بین الاقوامی سیاست میں عورتوں کا غلبہ ہے۔ لہٰذا موجودہ حالات میں مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی شادیاں نہ ہوں' لیکن بہرحال ان کو حرام نہیں کہا جا سکتا' کیونکہ اس کے جواز کا واضح حکم موجود ہے۔ ہاں اگر کوئی اسلامی ریاست کہیں قائم ہو جائے تو وہ عارضی طور پر (جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہ آ جائے) اس اجازت کو منسوخ کر سکتی ہے۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ز﴾ ''تو جس شخص نے ایمان کے ساتھ کفر کیا اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے''

اس میں اشارہ اہلِ کتاب کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک محمد رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے تھے تب تک وہ اہلِ ایمان تھے لیکن اب اگر وہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان نہیں لا رہے تو گویا وہ کفر کر رہے ہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان کا مدعی ہو کر کافرانہ حرکتیں کرے تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞﴾ ''اور آخرت میں وہ ہوگا خسارہ اٹھانے والوں میں۔''

آیات ۶ تا ۱۱

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ط وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ط مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ لا اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞﴾

آیت ۶ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم کھڑے ہونماز کے لیے''
یعنی نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو۔
﴿فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡھَکُمۡ وَاَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ﴾ ''تو دھولیا کرو اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ بھی کہنیوں تک''
﴿وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ﴾ ''اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو''
﴿وَاَرۡجُلَکُمۡ اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ ؕ﴾ ''اور (دھولیا کرو) اپنے دونوں پاؤں بھی ٹخنوں تک۔''
یہاں پر واضح رہے کہ اَرۡجُلَکُمۡ اور اَرۡجُلِکُمۡ دونوں قراءتیں مستند ہیں' لہٰذا اہل تشیّع اس کو مستقلاً اَرۡجُلِکُمۡ پڑھتے ہیں اور ان کے نزدیک اس میں پاؤں پر مسح کا حکم ہے۔ چنانچہ وہ ﴿وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ وَاَرۡجُلِکُمۡ﴾ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ''اور مسح کرلیا کرو اپنے سروں پر بھی اور اپنے پاؤں پر بھی''۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک یہ اَرۡجُلَکُمۡ ہے اور اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ کے اضافے سے یہاں پاؤں کو دھونے کا حکم بالکل واضح ہوگیا ہے۔ اگر صرف مسح کرنا مطلوب ہوتا تو اس میں کوئی حد بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ کی شرط سے یہ ٹکڑا ﴿فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡھَکُمۡ وَاَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ﴾ کے بالکل مساوی ہوگیا ہے۔ جیسے ہاتھوں کا دھونا ہے کہنیوں تک' ایسے ہی پاؤں کا دھونا ہے ٹخنوں تک۔ اس حکم میں وضو کے فرائض بیان ہوئے ہیں۔
﴿وَاِنۡ کُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوۡا ؕ﴾ ''اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو پھر تم اور زیادہ پاکی حاصل کرو۔''
یعنی پورے جسم کا غسل کرو۔ جنابت کی حالت میں نماز پڑھنا یا قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔
﴿وَاِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ﴾ ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو''
﴿اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ﴾ ''یا تم میں سے کوئی کسی نشیبی جگہ سے ہو کر آئے''
یہ استعارہ ہے قضائے حاجت کے لیے۔ عام طور پر لوگ قضائے حاجت کے لیے نشیبی جگہوں پر جاتے تھے۔
﴿اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ﴾ ''یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو''
﴿فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً﴾ ''اور تمہیں پانی دستیاب نہ ہو''
﴿فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا﴾ ''تو ارادہ کرلو پاک مٹی کا''
یعنی پاک مٹی سے تیمّم کرلیا کرو۔
﴿فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡھِکُمۡ وَاَیۡدِیۡکُمۡ مِّنۡہُ ؕ﴾ ''تو اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو مل لو۔''
﴿مَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیَجۡعَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ﴾ ''اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے''

﴿وَّلٰـكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ﴾ ''بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کردے''

﴿وَلِيُـتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۞﴾ ''اور تم پر اپنی نعمت کا اِتمام فرمائے تا کہ تم شکر گزار بن سکو۔''

آیت ۷ ﴿وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ﴾ ''اور اللہ نے تمہیں جو اپنی نعمت عطا کی ہے اس کو یاد رکھو اور اس معاہدے کو بھی جو اُس نے تم سے باندھ لیا ہے (یا جس میں اس نے تمہیں باندھ لیا ہے)''

ایک میثاق وہ تھا جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا' اب ایک میثاق یہ ہے جو اہلِ ایمان سے ہو رہا ہے۔ چونکہ یہ سورۃ شروع ہوئی تھی یٰۤـاَيُّـهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا سے' یعنی اہلِ ایمان سے خطاب ہے' لہٰذا اس میثاق میں بھی اہل ایمان ہی مخاطب ہیں۔

﴿اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا﴾ ''جب تم نے کہا تھا ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔''

سورۃ البقرۃ کی (آخری آیت سے پہلے والی آیت میں اہلِ ایمان کا یہ اقرار موجود ہے: ﴿سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا غُفۡرَانَكَ رَبَّـنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ ۞﴾۔ اب جو مسلمان بھی سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا کہتا ہے وہ گویا ایک میثاق اور ایک بہت مضبوط معاہدے کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندھ جاتا ہے۔ یعنی اب اُسے اللہ کی شریعت کی پابندی کرنی ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۞﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔''

آیت ۸ ﴿يٰۤـاَيُّـهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ''

یہاں پر سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کا حوالہ ضروری ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ اور زیر مطالعہ آیت (المائدۃ: ۸) میں ایک ہی مضمون بیان ہوا ہے' فرق صرف یہ ہے کہ ترتیب عکسی ہے (دونوں سورتوں کی نسبتِ زوجیت بھی مدنظر رہے)۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿يٰۤـاَيُّـهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ اور یہاں الفاظ ہیں: ﴿يٰۤـاَيُّـهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ﴾۔ ایک حقیقت تو میں نے اُس وقت بیان کردی تھی کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ گویا ''اللہ'' اور ''قسط'' مترادف ہیں۔ ایک جگہ فرمایا: ''قسط کے لیے کھڑے ہو جاؤ'' اور دوسری جگہ فرمایا: ''اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ''۔ اسی طرح ایک جگہ ''اللہ کے گواہ بن جاؤ'' اور دوسری جگہ ''قسط کے گواہ بن جاؤ'' فرمایا۔ تو گویا ''اللہ'' اور ''قسط'' ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر آئے ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ اِس آیت سے ہمارے سامنے یہ آ رہا ہے کہ معاشرے میں عدل قائم کرنے کا حکم ہے۔ انسان فطرتاً انصاف پسند ہے۔ انصاف عام انسان کی نفسیات اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ آج پوری نوعِ انسانی انصاف کی تلاش میں

سرگرداں ہے۔ انصاف ہی کے لیے انسان نے بادشاہت سے نجات حاصل کی اور جمہوریت کو اپنایا تا کہ انسان پر انسان کی حاکمیت ختم ہو' انصاف میسر آئے' مگر جمہوریت کی منزل سراب ثابت ہوئی اور ایک دفعہ انسان پھر سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ اب سرمایہ دار اس کے آقا اور ڈکٹیٹر بن گئے۔ اس لعنت سے نجات کے لیے اُس نے کمیونزم (Communism) کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر یہاں بھی متعلقہ پارٹی کی آمریت (One Party Dictatorship) اس کی منتظر تھی۔ گویا ''رُست از یک بند تا اُفتاد در بندے دِگر'' یعنی ایک مصیبت سے نجات پائی تھی کہ دوسری آفت میں گرفتار ہو گئے۔ اب انسان عدل اور انصاف حاصل کرنے کے لیے کہاں جائے؟ کیا کرے؟ یہاں پر ایک روشنی تو انسان کو اپنی فطرت کے اندر سے ملتی ہے کہ اس کی فطرت انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور اپنی فطرت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے وہ عدل قائم کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے' مگر اس سے اوپر بھی ایک منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ ''العدل'' اللہ کی ذات ہے جس کا دیا ہوا نظام ہی عادلانہ نظام ہے۔ ہم اُس کے بندے ہیں' اُس کے وفادار ہیں' لہٰذا اُس کے نظام کو قائم کرنا ہمارے ذمے ہے' ہم پر فرض ہے۔ چنانچہ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘﴾ میں اسی بلندتر منزل کا ذکر ہے۔ یہ صرف فطرتِ انسانی ہی کا تقاضا نہیں بلکہ تمہاری عبدیت کا تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کے رشتے کا تقاضا ہے کہ پوری قوت کے ساتھ' اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ' جو بھی اسباب و ذرائع میسر ہوں ان سب کو جمع کر کے کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے! یعنی اللہ کے دین کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس دین میں جو تصور ہے عدل' انصاف اور قسط کا اُس عدل و انصاف اور قسط کو قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ ہے اس حکم کا تقاضا۔

اب دیکھئے' وہاں (سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں) کیا تھا: ''اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ واسطے کے گواہ بن جاؤ''۔ ﴿وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ﴾ ''اگرچہ اس کی (تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی) زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔''

انصاف سے روکنے والے عوامل میں سے ایک اہم عامل مثبت تعلق یعنی محبت ہے۔ اپنی ذات سے محبت' والدین اور رشتہ داروں وغیرہ کی محبت انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ میں اپنے خلاف کیسے فتویٰ دے دوں؟ اپنے ہی والدین کے خلاف کیونکر فیصلہ سنا دوں؟ سچی گواہی دے کر اپنے عزیز رشتہ دار کو کیسے پھانسی چڑھا دوں؟ لہٰذا ''وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ ......'' فرما کر اس نوعیت کی تمام عصبیتوں کی جڑ کاٹ دی گئی کہ بات اگر حق کی ہے' انصاف کی ہے تو پھر خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جا رہی ہو' تمہارے والدین پر ہی اس کی زد کیوں نہ پڑ رہی ہو' تمہارے عزیز رشتہ دار ہی اس کی کاٹ کے شکار کیوں نہ ہو رہے ہوں' اس کا اظہار بغیر کسی مصلحت کے ڈنکے کی چوٹ پر کرنا ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا عامل منفی تعلق ہے' یعنی کسی فرد یا گروہ کی دشمنی' جس کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے پہلوتہی کر جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ بات تو حق کی ہے مگر ہے تو وہ میرا دشمن' لہٰذا اپنے دشمن کے حق میں آخر کیسے فیصلہ دے دوں؟ آیت زیر نظر میں اس عامل کو بیان کرتے ہوئے دشمنی کی بنا پر بھی کتمان حق سے منع کر دیا گیا:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ﴾ ''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم

عدل سے منحرف ہو جاؤ۔‘‘

﴿اِعۡدِلُوۡا قف﴾ ’’عدل سے کام لو‘‘

﴿هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ز﴾ ’’یہی قریب تر ہے تقویٰ کے‘‘

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾﴾ ’’اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ یقیناً اس سے باخبر ہے۔‘‘

ؔ تمہارا کوئی عمل اور کوئی قول اس کے علم سے خارج نہیں‘ لہٰذا ہر وقت چوکس رہو‘ چوکنے رہو۔ (آیت زیر نظر اور سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کے معانی و مفہوم کا باہمی ربط اور الفاظ کی عکسی اور reciprocal ترتیب کا حسن لائق توجہ ہے۔)

آیت ۹ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۹﴾﴾ ’’اللہ کا وعدہ ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور اجرِ عظیم بھی۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۰﴾﴾ ’’اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں۔‘‘

آیت ۱۱ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ﴾ ’’اے اہل ایمان! ذرا یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر کیا جب ارادہ کیا تھا ایک قوم نے کہ تمہارے خلاف اپنے ہاتھ بڑھائیں‘‘

﴿فَکَفَّ اَیۡدِیَهُمۡ عَنۡکُمۡ ج﴾ ’’تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا تم سے۔‘‘

یہ غزوۂ احزاب کے بعد کے حالات پر تبصرہ ہے۔ اس غزوہ کے بعد ابھی کفار میں سے بہت سے لوگ پیچ و تاب کھا رہے تھے اور بعید نہیں تھا کہ وہ دوبارہ مہم جوئی کرتے‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیے اور ان کے دلوں میں ایسا رُعب ڈال دیا کہ وہ دوبارہ لشکر کشی کی جرأت نہ کر سکے۔ اس صورتِ حال کا ذکر اللہ تعالیٰ یہاں پر اپنے انعام کے طور پر کر رہے ہیں کہ جب کفار نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں‘ تمہارے اوپر زیادتی کرنے کے لیے‘ تم پر فوج کشی کے لیے اقدام کریں۔

اس میں خاص طور پر اشارہ صلح حدیبیہ کی طرف ہے۔ اُس وقت بھی قریش لڑائی کے لیے بیتاب ہو رہے تھے‘ ان کے نوجوانوں کا خون کھول رہا تھا‘ لیکن بالآخر انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ اب ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور ان کے ہاتھوں کو مسلمانوں کے خلاف اٹھنے سے روک دیا۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ’’اور تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘ اور اہل ایمان کو تو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔‘‘ ؔ

آیات ۱۲ تا ۱۹

﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ
لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا
نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰي يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۭ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ
وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ
مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا
يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ
بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲﴾

اب یہاں سے بنی اسرائیل کی تاریخ کے چند واقعات آ رہے ہیں۔

آیت ۱۲ ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی میثاق لیا تھا۔“
یعنی اے مسلمانو! جس طرح آج تم سے یہ میثاق لیا گیا ہے اور اللہ نے تمہیں شریعت کے میثاق میں باندھ لیا ہے، بالکل

اسی طرح کا میثاق اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے بنی اسرائیل سے بھی لیا تھا۔

﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ﴾ ''اور ان میں ہم نے مقرر کیے تھے بارہ نقیب۔''

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے‘ ہر قبیلے میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نقیب مقرر کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انصار میں بارہ نقیب فرمائے تھے‘ نو خزرج میں سے اور تین اوس سے۔

﴿وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ﴾ ''اور اللہ نے (ان سے) فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

میری مدد‘ میری تائید‘ میری نصرت تمہارے ساتھ شاملِ حال رہے گی۔

﴿لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾ ''اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے''

﴿وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ﴾ ''اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے''

﴿وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ﴾ ''اور ان (رسولوں) کی تم مدد کرتے رہے''

یہ جن رسولوں کا ذکر ہے وہ پے درپے بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو رسالت کا یہ سلسلہ ایک تار کی مانند تھا جو چھ سو برس تک ٹوٹا ہی نہیں۔ پھر ذرا سا وقفہ چھ سو برس کا آیا اور پھر اس کے بعد نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

﴿وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''اور اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہے''

یعنی اللہ کے دین کے لیے مال خرچ کرتے رہے۔

﴿لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ﴾ ''تو میں لازماً دور کر دوں گا تم سے تمہاری برائیاں''

﴿وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ﴾ ''اور میں لازماً داخل کر دوں گا تمہیں ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔''

﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ⑫﴾ ''تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر رہ گیا۔''

آیت ۱۳ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ﴾ ''پس ان کے اپنے اس عہد کو توڑنے کے باعث ہم نے ان پر لعنت فرمائی''

میں نے سورۃ النساء آیت ۱۵۵ میں ''لَعَنّٰهُمْ'' محذوف قرار دیا تھا‘ لیکن یہاں پر یہ واضح ہو کر آ گیا ہے کہ ہم نے ان کے اس میثاق کو توڑنے کی پاداش میں اُن پر لعنت فرمائی۔

﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ﴾ ''اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔''

جیسے سورۃ البقرہ (آیت ۷۴) میں فرمایا: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ

قَسْوَۃً ۚ﴾ ''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس کے بعد' پتھروں کی طرح بلکہ پتھروں سے بھی بڑھ کر سخت''۔ یہاں پر وہی بات دہرائی گئی ہے۔

﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ ۙ﴾ ''وہ کلام کو اس کے اصل مقام سے ہٹاتے تھے''

﴿وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ ۚ﴾ ''اور جو کچھ ان کو دیا گیا تھا نصیحت کے طور پر اس کے اکثر حصے کو وہ بھول گئے''۔

اور انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چھوڑ دیا۔

﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنْھُمْ﴾ ''اور (اے نبیؐ) آپ ہمیشہ ان کی طرف سے خیانت کی اطلاع پاتے رہیں گے''

رسول اللہ ﷺ جیسے ہی مدینہ پہنچے تھے تو آپ ﷺ نے اس نئی جگہ پر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے پہلے چھ مہینوں میں جو تین کام کیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہود کے تینوں قبیلوں سے مدینہ کے مشترکہ دفاع کے معاہدے کر لیے کہ اگر مدینے پر حملہ ہوگا تو سب مل کر اس کا دفاع کریں گے' لیکن بعد میں ان میں سے ہر قبیلے نے ایک ایک کر کے غداری کی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی طرف سے مسلسل خیانتیں ہوتی رہیں گی' لہٰذا آپ کو ان کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کا توڑ کرنے کے لیے پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔

﴿اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ﴾ ''سوائے ان میں سے چند ایک کے''

ان میں سے بہت تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

﴿فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاصْفَحْ ۭ﴾ ''لہٰذا (ابھی) آپؐ انہیں معاف کرتے رہیں اور درگزر سے کام لیں۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ﴾ ''اور جن لوگوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں' ہم نے ان سے بھی میثاق لیا''

﴿فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ ۠﴾ ''تو وہ بھی بھول گئے بڑا حصہ اُس کا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی۔''

وہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھانا بھول گئے۔

﴿فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۭ﴾ ''تو ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔''

یہاں ایک اہم نکتہ تو یہ ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان پورے انیس سو برس شدید دشمنی رہی ہے۔ موجودہ دور میں صورتِ حال عارضی طور پر کچھ تبدیل ہوگئی ہے۔ عیسائی جنہیں اللہ کا بیٹا بلکہ خدا سمجھتے ہیں' یہودیوں نے انہیں ولد الزنا قرار

دیا اور کافر و مرتد کہتے ہوئے واجب القتل ٹھہرایا۔ یہ بنیادی اختلاف دونوں مذاہب کے پیروکاروں میں اس قدر اہم اور شدید ہے کہ اس کی موجودگی میں دونوں میں اتحاد و اتفاق ممکن ہی نہیں۔ لیکن آیت زیرِ نظر میں بنیادی طور پر عیسائیوں کی آپس کی دشمنی اور ان کا باہمی بغض وعناد مراد ہے۔ ان کے مختلف فرقوں کے درمیان نظریاتی اختلافات ان کی دلی کدورتوں اور نفرتوں سے بڑھ کر بار ہا باہمی جنگ و جدل کی شکل میں نمودار ہوتے رہے ہیں۔ مذہبی بنیادوں پر عیسائی فرقوں کی آپس کی خانہ جنگیوں کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مذہب کے نام پر عیسائیوں کی خون ریزی اور قتل و غارت گری کی عبرت آموز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفصیلات ''Blood on the Cross'' نامی ضخیم کتاب میں ملتی ہیں' جو لندن سے شائع ہوئی ہے۔ خاص طور پر پروٹسٹنٹس (Protestants) اور کیتھولکس (Catholics) کی باہمی چپقلش تو کوئی پوشیدہ راز نہیں' جس کی ہلکی سی جھلک آج بھی ہمیں آئرلینڈ میں نظر آتی ہے۔

﴿وَسَوۡفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ۝۱۴﴾ ''اور عنقریب اللہ تعالیٰ جتلا دے گا انہیں جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔''

اب پھر وہی انداز ہے جو سورۃ النساء کے آخر میں تھا۔

آیت ۱۵ ﴿يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا﴾ ''اے اہلِ کتاب' آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول''

﴿يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡكِتٰبِ﴾ ''جو ظاہر کر رہا ہے تم پر وہ بہت سی باتیں جن کو تم چھپا رہے تھے کتاب میں سے''

﴿وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ۬ؕ﴾ ''اور بہت سی باتوں سے تو درگزر بھی کر رہا ہے۔''

﴿قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۝۱۵﴾ ''آ چکا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور بھی اور ایک روشن کتاب بھی۔''

یہاں نور سے مراد نبی اکرم ﷺ کی شخصیت بھی ہو سکتی ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۷۴ میں جو فرمایا گیا: ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا﴾ ''اور نازل کر دیا ہے ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور'' وہاں نور سے مراد قرآن ہے' اس لیے کہ حضور ﷺ کے لیے فعل اَنۡزَلۡنَا درست نہیں۔ لیکن یہاں زیادہ احتمال یہی ہے کہ نور سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے' یعنی آپ ﷺ کی روح پُرنور' کیونکہ آپ ﷺ کی روح اور روحانیت آپ ﷺ کے پورے وجود پر غالب تھی' چھائی ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کو نورِ مجسم بھی کہا جا سکتا ہے۔ گویا آپ ﷺ کو استعارۃً ''نور'' کہا گیا ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں نور بھی قرآن پاک ہی کو کہا گیا ہو اور ''وَ'' اس میں واوِ تفسیری ہو۔ اس صورت میں مفہوم یوں ہوگا: ''آ گیا ہے تمہارے پاس نور یعنی کتابِ مبین''۔

آیت ۱۶ ﴿يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ ''اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ رہنمائی فرماتا ہے ان

کی جو اس کی رضا کے طالب ہیں‘ سلامتی کے راستوں کی طرف‘‘

﴿وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾﴾ ’’اور نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور ان کی رہنمائی فرماتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ﴾ ’’یقیناً کفر کیا انہوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔‘‘

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے ہاں جو دو عقیدے رہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ہی مسیحؑ ہے۔ اس عقیدے کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ خدا خود ہی انسانی شکل میں ظہور کر لیتا ہے۔ اس عقیدے کو God Incarnate کہا جاتا ہے‘ یعنی اوتار کا عقیدہ جو ہندوؤں میں بھی ہے۔ جیسے رام چندر جی‘ کرشن جی مہاراج اُن کے ہاں خدا کے اوتار مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں کا فرقہ Jacobites خاص طور پر God Incarnate کے عقیدے کا سختی سے قائل رہا ہے‘ کہ اصل میں اللہ ہی نے حضرت مسیحؑ کی شکل میں دنیا میں ظہور فرمایا۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بعض لوگ نبی مکرم ﷺ کی محبت و عقیدت اور عظمت کے اظہار میں غلو سے کام لے کر حد سے تجاوز کرتے ہوئے یہاں تک کہہ جاتے ہیں: ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر
اُتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

عیسائیوں کے اسی عقیدے کا ابطال اس آیت میں کیا گیا ہے۔

﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ ’’تو ان سے پوچھئے کون ہے جسے اختیار ہو اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی‘‘

﴿اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ﴾ ’’اگر وہ ہلاک کرنا چاہے مسیحؑ ابن مریم کو اور اس کی ماں کو‘‘

﴿وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ﴾ ’’اور جو زمین میں ہیں ان سب کو‘‘

اگر اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اس کا ہاتھ روک لے گا؟

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ﴾ ’’اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے (سب کی)۔‘‘

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ﴾ ’’وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾﴾ ’’اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

وہ جو چاہتا ہے‘ جیسے چاہتا ہے‘ تخلیق فرماتا ہے۔ اُس نے آدم‘ عیسیٰ اور یحییٰ (علیہم السلام) کو تخلیق فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اعجازِ تخلیق کی مختلف مثالیں ہیں۔

آیت ۱۸ ﴿وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰی نَحۡنُ اَبۡنٰٓـؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّـآؤُهٗ ؕ﴾ ’’یہودی اور نصرانی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے بڑے چہیتے ہیں۔‘‘

یعنی بیٹوں کی مانند ہیں‘ بڑے لاڈلے اور پیارے ہیں۔

﴿قُلۡ فَلِمَ یُـعَذِّبُکُمۡ بِذُنُـوۡبِکُمۡ ؕ﴾ ’’(تو ان سے) کہیے کہ پھر وہ تمہیں عذاب کیوں دیتا رہا ہے تمہارے گناہوں کی پاداش میں؟‘‘

اگر تم اللہ کی اولاد ہو‘ اس کے بڑے چہیتے ہو‘ تو کیا اسی لیے بخت نصر (Nebukadnezar) کے ہاتھوں اُس نے تمہیں پٹوایا‘ تمہارے چھ لاکھ افراد قتل کروا دیے‘ چھ لاکھ قیدی بنے‘ تمہارا ہیکلِ اوّل بھی شہید کر دیا گیا۔ پھر آشوریوں نے تمہاری سلطنت اسرائیل کو روند ڈالا۔ پھر یونانیوں کے ہاتھوں تمہارا استحصال ہوا۔ پھر رومیوں نے تمہارے اوپر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے اور رومن جنرل طیطس (Titus) نے تمہارا دوسرا ہیکل بھی مسمار کر دیا۔ کیا ایسے ہی لاڈلے ہوتے ہیں اللہ کے؟ کیا اللہ اتنا ہی لاچار اور عاجز ہے کہ اپنے لاڈلوں کو ذلت و خواری اور ظلم و ستم سے بچا نہیں سکتا؟

﴿بَلۡ اَنۡـتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ؕ﴾ ’’(نہیں) بلکہ تم بھی انسان ہو جیسے دوسرے انسان اس نے پیدا کیے ہیں۔‘‘

﴿یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَـذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ’’وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔‘‘

﴿وَلِـلّٰهِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَهُمَا ۫﴾ ’’اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے‘ سب کی بادشاہی‘‘

﴿وَاِلَـیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۸﴾﴾ ’’اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

آیت ۱۹ ﴿یٰـاَهۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَ کُمۡ رَسُوۡلُـنَا﴾ ’’اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس آ چکا ہے ہمارا رسول‘‘

﴿یُـبَـیِّنُ لَـکُمۡ عَلٰی فَتۡرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ’’جو تمہارے لیے (دین کو) واضح کر رہا ہے‘ رسولوں کے ایک وقفے کے بعد‘‘

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان چھ سو برس ایسے گزرے ہیں کہ اس دوران دنیا میں کوئی نبی‘ کوئی رسول نہیں رہا۔ اس وقفے کو اصطلاح میں ’فترت‘ کہا جاتا ہے۔ پھر حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور پھر اس کے بعد تا قیامِ قیامت رسالت کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿اَنۡ تَـقُوۡلُـوۡا مَـا جَآءَ نَا مِنۡۢ بَشِیۡـرٍ وَّلَا نَذِیۡرٍ ۫﴾ ’’مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس تو آیا ہی نہیں تھا کوئی بشارت دینے والا اور نہ کوئی خبردار کرنے والا‘‘

﴿فَقَدۡ جَآءَ کُمۡ بَشِیۡـرٌ وَّنَذِیۡـرٌ ؕ﴾ ’’تو (سن لو!) آ گیا ہے تمہارے پاس بشارت دینے والا اور خبردار

کرنے والا۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾﴾ ’’اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

سورۃ النساء میں یہی بات اس انداز سے بیان ہو چکی ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾﴾

آیات ۲۰ تا ۲۶

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ڰ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ڬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾﴾

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ آ رہا ہے جب آپؑ مصر سے اپنی قوم کو لے کر نکلے‘ صحرائے سینا میں رہے‘ آپؑ کو کوہِ طور پر بلایا گیا اور تورات دی گئی۔ اس کے بعد انہیں حکم ہوا کہ فلسطین میں داخل ہو جاؤ اور وہاں پر آباد مشرک اور کافر قوم (جو فلسطی کہلاتے تھے) کے ساتھ جنگ کرو اور انہیں وہاں سے نکالو‘ کیونکہ یہ ارضِ مقدس تمہارے لیے اللہ کی طرف سے موعود ہے۔ اس لیے کہ ان کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا تعلق اسی خطہ سے تھا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل مصر میں منتقل ہوئے تو انہیں حکم ہوا کہ اب جاؤ‘ اپنے اصل گھر (ارضِ فلسطین) کو دوبارہ حاصل کرو۔ لیکن جب جنگ کا موقع آیا تو پوری قوم نے کورا جواب دے دیا کہ ہم جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جو تلخی پیدا ہوئی اور طبیعت کے اندر بے زاری کی جو کیفیت پیدا ہوئی‘ اس کی شدت یہاں نظر آتی ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ رسول اپنی اُمت کے حق میں سراپا شفقت ہوتا ہے‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کی مانند ہے۔ جیسے اللہ رؤف بھی ہے‘ وَدُود بھی‘ لیکن ساتھ ہی وہ عزیزٌ ذُوانتقام بھی ہے (اللہ کی یہ دونوں شانیں ایک ساتھ ہیں) اسی طرح رسول کا معاملہ ہے کہ رسول شفیق اور رحیم ہونے کے ساتھ

ساتھ غیور بھی ہوتا ہے۔ نبی کے دل میں دین کی غیرت اپنے پیروکاروں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا قوم کے منفی ردّ عمل پر نبی کی بے زاری لازمی ہے۔

یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ سمجھنے کا یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو پے در پے معجزات کے ظہور نے تساہل پسند بنا دیا تھا۔ پیاس لگی تو چٹان پر موسیٰ علیہ السلام کی ایک ہی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' بھوک محسوس ہوئی تو منّ وسلویٰ نازل ہو گیا' دھوپ نے ستایا تو اَبر کا سائبان ساتھ ساتھ چل پڑا' سمندر راستے میں آیا تو عصا کی ضرب سے راستہ بن گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس لاڈ پیار کی وجہ سے وہ بگڑ گئے' آرام طلب ہو گئے' مشکل کی ہر گھڑی میں انھیں معجزے کے ظہور کی عادت سی پڑ گئی اور جنگ کے موقع پر دشمن کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا' باوجود یکہ اُن کے کم ازکم ایک لاکھ افراد تو ایسے تھے جو جنگ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہی حکمت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں اس قسم کا کوئی معجزہ نظر نہیں آتا' بلکہ یہ نقشہ نظر آتا ہے کہ مسلمانو! تمہیں جو کچھ کرنا ہے اپنی جان دے کر' ایثار وقربانی سے' محنت ومشقت سے' بھوک جھیل کر' فاقے برداشت کر کے کرنا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے برعکس رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں ایثار وقربانی' جراَت وبہادری اور بلند ہمتی نظر آتی ہے' جس کی واضح مثال غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا لَا نَقُوْلُ لَکَ کَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ لِمُوْسٰی ﴿فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ﴾ وَلٰکِنِ امْضِ وَنَحْنُ مَعَکَ' فَکَاَنَّہٗ سُرِّیَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ (۱)

''یارسول اللہ! ہم آپؐ سے بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تم اور تمہارا رب جا کر قتال کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ (ہم کہیں گے) آپؐ قدم بڑھائیے' ہم آپؐ کے ساتھ ہیں! اس پر گویا رسول اللہ ﷺ کی پریشانی کا ازالہ ہو گیا۔''

آیت ۲۰ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ﴾ ''اور یاد کرو جب کہا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے''

﴿یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اُس انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے''

م

﴿اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ﴾ ''جب اُس نے تمہارے اندر نبی اٹھائے''

یعنی خود میں نبی ہوں' میرے بھائی ہارون نبی ہیں۔ حضرت یوسف' حضرت یعقوب' حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سب نبی تھے۔

﴿وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا﴾ ''اور تمہیں بادشاہ بنایا''

اگرچہ اُس وقت تک اُن کی بادشاہت تو قائم نہیں ہوئی تھی مگر ہوسکتا ہے کہ یہ پیشین گوئی ہو کہ آئندہ تمہیں اللہ تعالیٰ زمین کی سلطنت اور خلافت عطا کرنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کی عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار کی طرف اشارہ ہے' وہ اگرچہ مصر کے

بادشاہ تو نہیں تھے لیکن بادشاہوں کے بھی مخدوم وممدوح تھے اور بنی اسرائیل کو مصر میں پیرزادوں کا سا عزت واحترام حاصل ہو گیا تھا۔"

﴿وَّاٰتٰىكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۲۰﴾ ''اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔''

آیت ۲۱ ﴿يٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِىۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ﴾ ''(تو) اے میری قوم کے لوگو! اب داخل ہو جاؤ اس ارضِ مقدس (فلسطین) میں جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے''

اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ زمین تمہیں ملے گی۔

﴿وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰٓى اَدۡبَارِكُمۡ﴾ ''اور اپنی پیٹھوں کے بل واپس نہ پھرنا''

﴿فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ ۝۲۱﴾ ''(اگر ایسا کرو گے) تو ناکام ونامراد پلٹو گے۔''

آیت ۲۲ ﴿قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ﴾ ''انہوں نے کہا اے موسیٰ! اس میں تو بڑے زورآور لوگ ہیں''

ہم فلسطین میں کیسے داخل ہو جائیں؟ یہاں تو جو لوگ آباد ہیں وہ بڑے طاقت ور، گراں ڈیل اور زبردست ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

﴿وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا﴾ ''اور ہم اس (سرزمین) میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔''

﴿فَاِنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ۝۲۲﴾ ''ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے۔''

آیت ۲۳ ﴿قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ﴾ ''کہا دو اشخاص نے جو (اللہ کا) خوف رکھنے والوں میں سے تھے''

﴿اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمَا﴾ ''اور اللہ نے بھی ان دونوں پر انعام کیا تھا''

یہ دو اشخاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور قریبی حواری تھے۔ ایک تو یوشع بن نون تھے، جو حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے جانشین بھی ہوئے اور گمانِ غالب ہے کہ وہ نبی بھی تھے، جبکہ دوسرے شخص کالب بن یفنّا تھے۔ ان دونوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھانا چاہا کہ ہمت کرو:

﴿ادۡخُلُوۡا عَلَيۡهِمُ الۡبَابَ﴾ ''تم ان کے مقابلے میں دروازے کے اندر گھس جاؤ۔''

تم لوگ ایک دفعہ دروازے میں گھس کر ان کا سامنا تو کرو۔

﴿فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡهُ فَاِنَّكُمۡ غٰلِبُوۡنَ﴾ ''اور جب تم اس میں داخل ہو گئے تو لازماً تم غالب ہو جاؤ گے۔''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۲۳﴾ ''اور اللہ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو''۔"

آیت ۲۴ ﴿قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا﴾ ''انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم تو ہرگز اس شہر میں داخل نہیں ہوں

گے“

﴿مَّا دَامُوْا فِيْهَا﴾ ”جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں“

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا﴾ ”بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور جا کر قتال کرو“

گویا وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ساتھ اپنی یہ لٹھیا بھی لیتے جاؤ‘ جس نے بڑے بڑے کارنامے دکھائے ہیں‘ اس کی مدد سے ان جباروں کو شکست دے دو۔

﴿اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾﴾ ”ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔“

ہم تو یہاں ٹکے ہوئے ہیں‘ یہاں سے نہیں ہلیں گے‘ زمیں جنبد‘ نہ جنبد گل محمد!

یہ مقامِ عبرت ہے‘ تورات (Book of Exsodus) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لگ بھگ چھ لاکھ افراد نکلے تھے۔ ان میں سے عورتیں‘ بچے اور بوڑھے نکال دیں تو ایک لاکھ افراد تو جنگ کے قابل ہوں گے۔ مزید محتاط اندازہ لگائیں تو پچاس ہزار جنگجو تو دستیاب ہو سکتے تھے‘ مگر اس قوم کی پست ہمتی اور نظریاتی کمزوری ملاحظہ ہو کہ چھ لاکھ کے ہجوم میں سے صرف دو اشخاص نے اللہ کے اس حکم پر لبیک کہا۔ فاعتبروا یااُولِی الابصار!

اب نبی کی بیزاری ملاحظہ فرمائیں۔ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے اپنے ہم قوم اسرائیلی کی مدافعت کرتے ہوئے ایک مکا رسید کر کے قبطی کی جان نکال دی تھی ﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ﴾ (القصص:١٥) اب اپنی قوم سے کس قدر بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

آیت ٢٥ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ﴾ ”موسیٰؑ نے عرض کیا پروردگار! مجھے تو اختیار نہیں ہے سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی (ہارونؑ کی جان) کے“

باقی یہ پوری قوم انکار کر رہی ہے۔ میرا کسی پر کچھ زور نہیں ہے۔

﴿فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾﴾ ”تو اب تفریق کر دے‘ ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے رویے سے اس درجہ آزردہ خاطر ہوئے کہ قوم سے علیحدگی کی تمنا کرنے لگے کہ میں اب ان ناہنجاروں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔ انہوں نے تیری عطا کردہ کیا کچھ نعمتیں برتی ہیں اور میرے ہاتھوں سے کیا کیا معجزے یہ لوگ دیکھ چکے ہیں‘ اس کے باوجود ان کا یہ حال ہے تو مجھے ان سے علیحدہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی لیکن اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔

آیت ٢٦ ﴿قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ ”فرمایا اب یہ (ارضِ مقدس) حرام رہے گی ان پر چالیس

سال تک۔‘‘

یہ ہماری طرف سے ان کی بزدلی کی سزا ہے۔ اگر یہ بزدلی نہ دکھاتے تو ارضِ فلسطین ابھی ان کو عطا کر دی جاتی‘ مگر اب یہ چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی۔

﴿یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ’’یہ بھٹکتے پھریں گے زمین میں۔‘‘

اس صحرائے سینا میں یہ چالیس سال تک مارے مارے پھرتے رہیں گے۔

﴿فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾﴾ ’’تو (اے موسٰیؑ) آپ افسوس نہ کریں اس فاسق قوم پر۔‘‘

اب آپ ان نافرمانوں کا غم نہ کھایئے۔ اب جو کچھ ان پر بیتے گی اس پر آپؑ کو ترس نہیں کھانا چاہیے۔ آپ بہرحال ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں‘ جب تک زندگی ہے آپ کو ان کے ساتھ رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق بنی اسرائیل چالیس برس تک صحرائے سینا میں بھٹکتے پھرے۔ اس دوران میں وہ سب لوگ مرکھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے اور صحرا میں ایک نئی نسل پروان چڑھی جو خوئے غلامی سے مبرّا تھی۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہدِ خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کر سکیں۔

اب ذرا اس پس منظر میں سورۃ النساء میں نازل ہونے والے حکم کو بھی یاد کریں۔ یہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل ہوا ہے: ﴿لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ﴾ لیکن وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا تھا: ﴿فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَکَ وَ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ (النساء: ۸۴)۔ ’’(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے‘ آپؐ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں‘ البتہ اہل ایمان کو بھی ترغیب دیں‘‘۔ آپؐ پر کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے سوائے اپنی جان کے‘ البتہ آپؐ اہل ایمان کو جس قدر ترغیب و تشویق دلا سکتے ہیں دلائیں‘ ان کے جذباتِ ایمانی کو جس جس انداز سے اپیل کرنا ممکن ہے کریں‘ اور بس اس سے زیادہ آپؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

اب پانچویں رکوع میں قتل ناحق‘ ملک میں فساد پھیلانے اور چوری ڈاکے جیسے جرائم کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر اور پھر ان کی سزاؤں کا ذکر ہوگا۔

آیات ۲۷ تا ۳۴

﴿وَ اتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَ لَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّکَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ

تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَہٗ
نَفْسُہٗ قَتْلَ اَخِیْہِ فَقَتَلَہٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ
لِیُرِیَہٗ کَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَۃَ اَخِیْہِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰٓی اَعَجَزْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ ھٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ
سَوْءَۃَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ ۚ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ
نَفْسًاۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا
النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِی الْاَرْضِ
لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا
اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی
الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾

آیت ۲۷ ﴿وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ﴾ ''اور (اے نبیؐ) ان کو پڑھ کر سنایئے آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ حق کے ساتھ۔''

﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾ ''جبکہ ان دونوں نے قربانی پیش کی''

﴿فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِھِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ﴾ ''تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کر لی گئی' جبکہ دوسرے کی قبول نہیں کی گئی۔''

آدمؑ کے یہ دو بیٹے ہابیل اور قابیل تھے۔ ہابیل بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور قابیل کاشت کار تھا۔ ان دونوں نے اللہ کے حضور قربانی دی۔ ہابیل نے کچھ جانور پیش کیے' جبکہ قابیل نے اناج نذر کیا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی مگر قابیل کی قبول نہیں ہوئی۔ اُس زمانے میں قربانی کی قبولیت کی علامت یہ ہوتی تھی کہ آسمان سے ایک شعلہ نیچے اترتا تھا اور وہ قربانی کی چیز کو جلا کر بھسم کر دیتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے قربانی کو قبول فرما لیا۔

﴿قَالَ لَاَقْتُلَنَّکَ ؕ﴾ ''اُس نے کہا میں تمہیں قتل کر کے رہوں گا۔''

قابیل نے' جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی' حسد کی آگ میں جل کر اپنے بھائی ہابیل سے کہا کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

﴿قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''اُس نے جواب دیا کہ اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے۔''

ہابیل نے کہا بھائی جان‘اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ﴾ ”اگر آپ اپنا ہاتھ چلائیں گے مجھ پر مجھے قتل کرنے کے لیے“ ﴿مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ ج﴾”(تب بھی) میں اپنا ہاتھ نہیں چلاؤں گا آپ کو قتل کرنے کے لیے۔“

یعنی اگر ایسا ہوا تو یہ یکطرفہ قتل ہی ہوگا۔

﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ”مجھے تو اللہ کا خوف ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

آیت ۲۹ ﴿اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِکَ﴾”میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تم ہی اپنے سر لے لو“ ﴿فَتَکُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ج﴾ ”تو پھر تم ہو جاؤ گے جہنم والوں میں سے۔“

اگر آپ اس انتہا تک پہنچ جائیں گے کہ مجھے قتل کر ہی دیں گے تو آپ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ میری خطاؤں کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھا لیں گے۔ ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے والا گویا مقتول کے تمام گناہوں کا بوجھ بھی اپنے سر اُٹھا لیتا ہے۔ یعنی اگر آپ مجھے ناحق قتل کریں گے تو میرے گناہوں کا وبال بھی آپ کے سر ہوگا اور میرے لیے تو یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ البتہ اس جرم کی وجہ سے آپ جہنمی ہو جائیں گے۔

﴿وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ”اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا۔“

آیت ۳۰ ﴿فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ قَتْلَ اَخِیْہِ﴾”بالآخر اُس کے نفس نے آمادہ کر ہی لیا اسے اپنے بھائی کے قتل پر“

ان الفاظ کے بین السطور اس کے ضمیر کی کش مکش کا مکمل نقشہ موجود ہے۔ ایک طرف اللہ کا خوف‘ نیکی کا جذبہ‘ خون کا رشتہ اور دوسری طرف شیطانی ترغیب‘ حسد کی آگ اور نفسانی خواہش کی اُکساہٹ۔ اور پھر بالآخر اس اندرونی کشمکش میں اس کا نفس جیت ہی گیا۔

﴿فَقَتَلَہٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ”تو اس نے اسے قتل کر دیا اور ہو گیا تباہ ہونے والوں میں سے۔“

آیت ۳۱ ﴿فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ﴾ ”تو اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا“

یہ پہلا خون تھا جو نسل آدم میں ہوا۔ قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا لیکن اب اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بھائی کی لاش کا کیا کرے‘ اسے کیسے dispose off کرے‘ تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیج دیا جو اُس کے سامنے اپنی چونچ سے زمین کھودنے لگا۔

﴿لِیُرِیَہٗ کَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَۃَ اَخِیْہِ ط﴾ ”تا کہ (اللہ) اسے دکھا دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔“

کوّے کے زمین کھودنے کے عمل سے اسے سمجھ آ جائے کہ زمین کھود کر لاش کو دفن کیا جا سکتا ہے۔

﴿قَالَ یٰـوَیۡلَتٰۤی اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِثۡلَ ھٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوۡءَۃَ اَخِیۡ ۚ﴾ ”(یہ دیکھا تو) اُس نے کہا ہائے میری شامت! میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔“

افسوس مجھ پر! کیا میرے اندر اس کوّے جیسی عقل بھی نہ تھی کہ یہ طریقہ مجھے خود ہی سوجھ جاتا۔

﴿فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ”پھر وہ بہت پشیمان ہوا۔“

اس احساس پر اس کے اندر بڑی شدید ندامت پیدا ہوئی۔

آیت ۳۲ ﴿مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ ۚ کَتَبۡنَا عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ ”اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (تورات میں) یہ بات لکھ دی تھی“

﴿مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِکَ ۚ﴾ والا فقرہ پچھلی آیت کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اس آیت کے ساتھ بھی' یہ دونوں طرف بامعنی بن سکتا ہے۔

﴿اَنَّہٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ﴾ ”کہ جس کسی نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر کسی قتل کے قصاص کے“

یعنی اگر کسی نے قتل کیا ہے اور وہ اس کے قصاص میں قتل کیا جائے تو یہ قتل ناحق نہیں ہے۔

﴿اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ﴾ ”یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے (کے جرم کی سزا) کے“

اگر کوئی شخص ملک میں فساد پھیلانے کا مجرم ہے اور اسے اس جرم کی سزا کے طور پر قتل کر دیا جائے تو اس کا قتل بھی قتلِ ناحق نہیں۔ لیکن ان صورتوں کے علاوہ اگر کسی نے کسی بے قصور انسان کا قتل کر دیا۔

﴿فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ﴾ ”گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔“

اُس کا یہ فعل ایسا ہی ہے جیسے اُس نے پوری نوعِ انسانی کو تہ تیغ کر دیا۔ اس لیے کہ اُس نے قتلِ ناحق سے تمدن و معاشرت کی جڑ کاٹ ڈالی۔ جان اور مال کا احترام ہی تو تمدن کی جڑ اور بنیاد ہے۔

﴿وَمَنۡ اَحۡیَاھَا فَکَاَنَّمَاۤ اَحۡیَا النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ﴾ ”اور جس نے اُس (کسی ایک انسان) کی جان بچائی تو گویا اُس نے پوری نوعِ انسانی کو زندہ کر دیا۔“

﴿وَلَقَدۡ جَآءَتۡھُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَیِّنٰتِ ۫﴾ ”اور ان کے پاس ہمارے رسول آئے تھے واضح نشانیاں لے کر“

﴿ثُمَّ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡھُمۡ بَعۡدَ ذٰلِکَ فِی الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ”لیکن اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے پھر رہے ہیں۔“

اب ”آیتِ محاربہ“ آ رہی ہے جو اسلامی قوانین کے لحاظ سے بہت اہم آیت ہے۔ محاربہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں

کوئی گروہ فتنہ وفساد مچا رہا ہے' دہشت گردی کر رہا ہے' خونریزی اور قتل و غارت کر رہا ہے' راہزنی اور ڈاکہ زنی کر رہا ہے' گینگ ریپ ہو رہے ہیں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی سزا بیان ہوئی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بات ہو رہی ہے' جہاں اسلامی قانون نافذ ہو' جہاں اسلام کا پورا نظام قائم ہو۔ ورنہ اگر نظام ایسا ہو کہ جھوٹی گواہیاں دینے والے کھلے عام سودے کر رہے ہوں' ایمان فروش موجود ہوں' ججوں کو خریدا جا سکتا ہو اور ایسے نظام کے تحت شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا جائے تو پھر اس سے جو نتائج نکلیں گے ان سے شریعت الٹا بدنام ہو گی۔ لہٰذا ریاست میں حکومتی نظام اور مروّجہ قوانین دونوں کا درست ہونا لازمی ہے۔ اگر ایسا ہو گا تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط و مستحکم کریں گے اور اسی صورت میں مطلوبہ نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ﴾ ''یہی ہے سزا اُن لوگوں کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے''

یعنی اسلامی ریاست کی عملداری کو چیلنج کرتے ہیں۔

﴿وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا﴾ ''اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں''

﴿اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا﴾ ''کہ انہیں (عبرت ناک طور پر) قتل کیا جائے''

واضح رہے کہ یہاں فعل یُقْتَلُوْا استعمال نہیں ہوا بلکہ یُقَتَّلُوْا ہے کہ ان کے ٹکڑے کیے جائیں۔

﴿اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا﴾ ''یا انہیں سولی چڑھایا جائے''

﴿اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ﴾ ''یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں میں کاٹ دیے جائیں''

یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا ایک پاؤں کاٹا جائے۔

﴿اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ﴾ ''یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔''

﴿ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡىٌ فِى الدُّنۡيَا﴾ ''یہ تو ان کے لیے دُنیا کی زندگی میں رسوائی ہے''

﴿وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۳۳﴾ ''اور آخرت میں ان کے لیے (مزید) بہت بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۳۴ ﴿اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهِمۡ﴾ ''سوائے اُن کے جو توبہ کر لیں اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔''

یعنی پکڑے جانے سے پہلے ایسے لوگ اگر توبہ کر لیں تو ان کے لیے رعایت کی گنجائش ہے' لیکن جب پکڑ لیے گئے تو توبہ کا دروازہ بند ہو گیا۔

﴿فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳۴﴾ ''پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والا' مہربان ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا کہ اگر تم اپنے غلط عقیدے کو اپنے تک رکھو تو تمہیں کچھ نہیں کہا

جائے گا‘ لیکن اگر تم خونریزی کرو گے‘ قتل وغارت کرو گے تو پھر تمہارے ساتھ رعایت نہیں کی جاسکتی۔

آیات ۳۵ تا ۴۳

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ
﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ
الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ
مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ
لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی
الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ
لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ۙ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ
اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ
شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ۚ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ
عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۳﴾﴾

آیت ۳۵ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ﴾ ”اے اہل ایمان‘ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی جناب میں اس کا قرب تلاش کرو“

یہاں لفظ ”وسیلہ“ قابل غور ہے اور اس لفظ نے کافی لوگوں کو پریشان بھی کیا ہے۔ لفظ ”وسیلہ“ اردو میں تو ”ذریعہ“ کے معنی میں آتا ہے‘ یعنی کسی تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بنالینا‘ سفارش کے لیے کسی کو وسیلہ بنالینا۔ لیکن عربی زبان میں ”وسیلہ“ کے معنی ہیں ”قرب“۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا عربی میں مفہوم کچھ اور ہے جبکہ اردو میں کچھ اور ہے۔ جیسے لفظ ”ذلیل“ ہے‘ عربی میں اس کے معنی ”کمزور“ جبکہ اردو میں ”کمینے“ کے ہیں۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ

اَذِلَّـــةٌ ج﴾ (آل عمران:۱۲۳) یعنی اے مسلمانو! یاد کرو اللہ نے تمہاری مدد کی تھی بدر میں جب کہ تم بہت کمزور تھے۔ اب اگر یہاں ذلیل کا ترجمہ اردو والا کر دیا جائے تو ہمارے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ اسی طرح عربی میں ''جہل'' کے معنی جذباتی ہونا ہے' اَن پڑھ ہونا نہیں۔ ایک پڑھا لکھا شخص بھی جاہل یعنی جذباتی 'اکھڑ مزاج ہو سکتا ہے لیکن اردو میں جاہل عالم کا متضاد ہے' یعنی جو اَن پڑھ ہو۔ اسی طرح کا معاملہ لفظ ''وسیلہ'' کا ہے۔ اس کا اصل مفہوم ''قرب'' ہے اور یہاں بھی یہی مراد لیا جائے گا۔ یہاں ارشاد ہوا ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (آگے بڑھ کر) اس کا قرب تلاش کرو'

تقویٰ کے معنی ہیں اللہ کے غضب سے' اللہ کی ناراضگی سے اور اللہ کے احکام توڑنے سے بچنا۔ یہ ایک منفی محرک ہے' جبکہ قربِ الٰہی کی طلب ایک مثبت محرک ہے کہ اللہ کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے جاؤ۔ لیکن اس کے قرب کا ذریعہ کیا ہو گا؟

﴿وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

اس سے بات بالکل واضح ہوگئی کہ تقرّب الی اللہ کے لیے جہاد کرو۔ تقویٰ شرطِ لازم ہے۔ یعنی پہلے جو حرام چیزیں ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ' جن چیزوں سے روک دیا گیا ہے ان سے رک جاؤ اور اللہ کی نافرمانی سے باز آ جاؤ۔ اور پھر اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کی راہ میں جدوجہد کرو۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا 'اگر ان کے پاس وہ ساری دولت ہو جو کہ زمین میں ہے کل کی کل اور اس کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہو''

﴿لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''(اور وہ چاہیں) کہ وہ اس کے ذریعے سے فدیہ دے کر چھوٹ سکیں قیامت کے دن کے عذاب سے''

﴿مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ج﴾ ''تو ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔''

یہ حکم گویا ''تعلیق بالمحال'' ہے کہ نہ ایسا ممکن ہے اور نہ ایسا ہوگا۔ لیکن بات کی سختی واضح کرنے کے لیے یہ انداز اپنایا گیا ہے اور آخری درجے میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر بالفرض ان کے پاس اتنی دولت موجود بھی ہو تب بھی اللہ کے ہاں اُن کا فدیہ قبول نہیں ہوگا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ز﴾ ''وہ چاہیں گے کہ آگ سے کسی طرح نکل جائیں لیکن نکل نہیں پائیں گے''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾﴾ ''اور ان کے لیے ہوگا قائم رہنے والا عذاب۔''

یعنی ان کو مسلسل دائم اور قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

آیت ۳۸ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ ''اور چور خواہ مرد ہو یا عورت' ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو''

یعنی چور کا ایک ہاتھ کاٹ دو۔

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ ''یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا''

﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور عبرت ناک سزا ہے اللہ کی طرف سے۔''

دیکھئے قرآن خود اپنی حفاظت کس طرح کرتا ہے اور کیوں چیلنج کرتا ہے کہ اس کلام پر باطل حملہ آور نہیں ہوسکتا کسی بھی جانب سے (حٰمٓ السجدہ: ٤٢)۔ ذرا ملاحظہ کیجیے اس آیت کے ضمن میں غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ یہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کا مطلب ہے کہ ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں کسی کو چوری کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ یہ تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ ایسا نظام ہو' ریاست کی طرف سے کفالتِ عامہ کی سہولت موجود ہوتا کہ کوئی شخص مجبوراً چوری نہ کرے' لیکن ''فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا'' کے الفاظ سے جو مطلب پرویز صاحب نے نکالا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر فرض کرلیں کہ ایسا ہی ہے تو پھر ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ (یہ بدلہ ہے ان کی اپنی کمائی کا) کی کیا تاویل ہوگی؟ یعنی جو کمائی انہوں نے کی ہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ ایک اچھا نظام قائم کردیا جائے؟ اس کے بعد پھر ﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ کے الفاظ مزید آئے ہیں۔ ''نکال'' کہتے ہیں عبرتناک سزا کو۔ تو کیا ایسے نظام کا قائم کرنا اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہوگی؟ آپ نے دیکھا قرآن کے معانی و مفہوم کی حفاظت کے لیے بھی الفاظ کے کیسے کیسے پہرے بٹھائے گئے ہیں!

دراصل حدود و تعزیرات کے فلسفے کو سمجھنا بہت ضروری ہے اور اس کے لیے لفظ ''نَكَال'' بہت اہم ہے۔ قرآن میں تعزیرات اور حدود کے سلسلے میں یہ لفظ اکثر استعمال ہوا ہے۔ یعنی اگر سزا ہوگی تو عبرت ناک ہوگی۔ اسلام میں شہادت کا قانون بہت سخت رکھا گیا ہے۔ ذرا سا شبہ ہو تو اس کا فائدہ ملزم کو دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے سزا کا نفاذ آسان نہیں۔ لیکن اگر تمام مراحل طے کر کے جرم پوری طرح ثابت ہو جائے تو پھر سزا ایسی دی جائے کہ ایک کو سزا ملے اور لاکھوں کی آنکھیں کھل جائیں تاکہ آئندہ کسی کو جرم کرنے کی ہمت نہ ہو۔ یہ فلسفہ ہے اسلامی سزاؤں کا۔ یہ درحقیقت ایک تسدید (deterrence) ہے جس کے سبب معاشرے سے برائی کا استیصال کرنا ممکن ہے۔ آج امریکہ جیسے (نام نہاد) مہذب معاشرے میں بھی آئے دن انتہائی گھناؤنے جرائم ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احتساب اور سزا کا نظام درست نہیں۔ لوگ جرم کرتے ہیں' سزا ہوتی ہے' جیل جاتے ہیں' کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد واپس آتے ہیں' پھر جرم کرتے ہیں' پھر جیل چلے جاتے ہیں۔ جیل کیا ہے؟ سرکاری مہمان داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے معاشروں میں جرائم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِہٖ وَ اَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوۡبُ عَلَیۡہِ ؕ﴾ ''تو جس نے بھی توبہ کر لی اپنے اس ظلم کے بعد اور اصلاح کر لی تو اللہ ضرور قبول کرتا ہے اس کی توبہ کو۔''

﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔''

لیکن اس توبہ سے جرم کی سزا دنیا میں ختم نہیں ہوگی۔ یہ جرم ہے دنیا (قانون) کا اور گناہ ہے اللہ کا۔ جرم کی سزا دنیا میں ملے گی' گناہ کی سزا اللہ نے دینی ہے' اگر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور اگر توبہ نہیں کی تو اس کی سزا بھی ملے گی۔

آیت ۴۰ ﴿اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی؟''

﴿یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''وہ سزا دے گا جس کو چاہے گا اور بخش دے گا جس کو چاہے گا۔''

﴿وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۰﴾﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اب یہاں پھر ذکر آ رہا ہے ان لوگوں کا جو دوغلی پالیسی پر کاربند تھے' لیکن سورۃ البقرۃ کی طرح یہاں بھی روئے سخن قطعیت کے ساتھ واضح نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کا انطباق منافقین پر بھی ہوگا اور اہل کتاب پر بھی۔ منافق اہل کتاب میں سے بھی تھے' جن کا میلان اسلام کی طرف بھی تھا اور چاہتے بھی تھے کہ مسلمانوں میں شامل رہیں لیکن وہ اپنے ساتھیوں کو بھی چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ تو یہ لوگ جو ''مُذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ'' کی مثال تھے' یہ دونوں طرف کے لوگ تھے۔

آیت ۴۱ ﴿یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ لَا یَحۡزُنۡکَ الَّذِیۡنَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡکُفۡرِ﴾ ''اے نبی (ﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ رنج نہ ہوں جو کفر کی راہ میں بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں''

﴿مِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ قُلُوۡبُہُمۡ ۚ﴾ ''ان لوگوں میں سے جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں' مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے ہیں۔''

آپؐ ان لوگوں کی سرگرمیوں اور بھاگ دوڑ سے غمگین اور رنجیدۂ خاطر نہ ہوں۔

﴿وَ مِنَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا ۚ﴾ ''اور اسی طرح کے لوگ یہودیوں میں سے بھی ہیں۔''

﴿سَمّٰعُوۡنَ لِلۡکَذِبِ﴾ ''یہ بڑے ہی غور سے سنتے ہیں جھوٹ کو''

﴿سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ ۙ لَمۡ یَاۡتُوۡکَ ؕ﴾ ''اور یہ سنتے ہیں کچھ اور لوگوں کی خاطر جو آپ کے پاس نہیں آتے''

یعنی ایک تو یہ لوگ اپنے ''شیاطین'' کی جھوٹی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں' جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴) میں فرمایا: ﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ پھر یہ لوگ ان کی طرف سے جاسوس بن کر مسلمانوں کے ہاں آتے ہیں کہ یہاں سے سن کر ان کو رپورٹ دے سکیں کہ آج

محمد (ﷺ) نے یہ کہا‘ آج آپؐ کی مجلس میں فلاں معاملہ ہوا۔ ﴿سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ﴾ کا ترجمہ دونوں طرح سے ہوسکتا ہے: ’’دوسری قوم کے لوگوں کی باتوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں‘‘ یا ’’سنتے ہیں دوسری قوم کے لوگوں کے لیے‘‘ یعنی انہیں رپورٹ کرنے کے لیے ان کے جاسوس کی حیثیت سے۔ ان کے جو لیڈر اور شیاطین ہیں‘ وہ آپؐ کے پاس خود نہیں آتے اور یہ جو بین بین کے لوگ ہیں یہ آپؐ کے پاس آتے ہیں اور ان کے ذریعے سے جاسوسی کا یہ سارا معاملہ چل رہا ہے۔

﴿یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِہٖ ۚ﴾ ’’وہ کلام کو پھیر دیتے ہیں اس کی جگہ سے اس کا موقع و محل معیّن ہو جانے کے بعد۔‘‘

﴿یَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِیۡتُمۡ ہٰذَا فَخُذُوۡہُ﴾ ’’وہ کہتے ہیں اگر تمہیں یہی (فیصلہ) مل جائے تو قبول کر لینا‘‘

﴿وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡہُ فَاحۡذَرُوۡا ؕ﴾ ’’اور اگر یہ (فیصلہ) نہ ملے تو کنی کترا جانا۔‘‘

اہل کتاب کے سرداروں کو اگر کسی مقدمے کا فیصلہ مطلوب ہوتا تو اپنے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجتے اور پہلے سے انہیں بتا دیتے کہ اگر فیصلہ اس طرح ہو تو تم قبول کر لینا‘ ورنہ رد کر دینا۔ واضح رہے کہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست اور پورے طور پر ایک ہمہ گیر اسلامی حکومت دراصل فتح مکہ کے بعد قائم ہوئی اور یہ صورتِ حال اس سے پہلے کی تھی۔ ورنہ کسی ریاست میں دوہرا عدالتی نظام نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جب چاہتے اپنے فیصلوں کے لیے حضور ﷺ کے پاس آ جاتے اور جب چاہتے کسی اور کے پاس چلے جاتے تھے۔ گویا بیک وقت دو متوازی نظام چل رہے تھے۔ اسی لیے تو وہ لوگ یہ کہنے کی جسارت کرتے تھے کہ یہ فیصلہ ہوا تو قبول کر لینا‘ ورنہ نہیں۔

﴿وَ مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ فِتۡنَتَہٗ فَلَنۡ تَمۡلِکَ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ﴾ ’’اور جس کو اللہ ہی نے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو تم اس کے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔‘‘

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یُّطَہِّرَ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا چاہا ہی نہیں۔‘‘

﴿لَہُمۡ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ ۚ﴾ ’’ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے‘‘

﴿وَّ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۴۱﴾﴾ ’’اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔‘‘

آیت ۴۲ ﴿سَمّٰعُوۡنَ لِلۡکَذِبِ﴾ ’’یہ خوب سننے والے ہیں جھوٹ کو‘‘

﴿اَکّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ ؕ﴾ ’’خوب کھانے والے ہیں حرام کو۔‘‘

﴿فَاِنۡ جَآءُوۡکَ﴾ ’’پھر اگر یہ آپؐ کے پاس (اپنا کوئی مقدمہ لے کر) آئیں‘‘

﴿فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ ۚ﴾ ’’تو آپؐ (کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے

اعراض کریں۔“

آپؐ کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ آپ چاہیں تو ان کا مقدمہ سنیں اور فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو مقدمہ لینے ہی سے انکار کر دیں‘ کیونکہ ان کی نیت درست نہیں ہوتی اور وہ آپؐ کا فیصلہ لینے میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا ایسے لوگوں پر اپنا وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ پراپیگنڈا کریں گے کہ دیکھو جی ہم تو گئے تھے محمد (ﷺ) کے پاس مقدمہ لے کر‘ یہ کیسے نبی ہیں کہ مقدمے کا فیصلہ کرنے کو ہی تیار نہیں! اس ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورﷺ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ آپؐ اس کی پرواہ نہ کریں۔

﴿وَاِنۡ تُعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ فَلَنۡ يَّضُرُّوۡكَ شَيۡـًٔا ؕ﴾ ”اور اگر آپؐ ان سے اعراض کریں گے تو وہ آپؐ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔“

یعنی ان کے مخالفانہ پراپیگنڈے سے قطعاً فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿وَاِنۡ حَكَمۡتَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ ؕ﴾ ”اور اگر آپؐ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے عین مطابق فیصلہ کریں۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۴۲﴾﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

آیت ۴۳ ﴿وَكَيۡفَ يُحَكِّمُوۡنَكَ﴾ ”اور (اے نبیﷺ) یہ لوگ آپؐ کو کیسے حَکم بناتے ہیں“

﴿وَعِنۡدَهُمُ التَّوۡرٰىةُ﴾ ”جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے“

﴿فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ﴾ ”جس میں اللہ کا حکم موجود ہے“

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کی بدنیتی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ اگر ان کی نیت درست ہو تو تورات سے راہنمائی حاصل کر لیں۔

﴿ثُمَّ يَتَوَلَّوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ ؕ﴾ ”پھر بھی وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔“

﴿وَمَاۤ اُولٰۤـئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ ”اور حقیقت میں یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔“

اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان سے تہی دست ہیں‘ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ یہ ہے ان کا اصل روگ۔

آیات ۴۴ تا ۵۰

﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ

الْكٰفِرُوْنَ (٤٤) وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ
بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (٤٥) وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى
وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (٤٦) وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (٤٧) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ
وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ
جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ
اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (٤٨)
وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ (٤٩) اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (٥٠)﴾

سورۃ المائدۃ کا یہ ساتواں رکوع حسنِ اتفاق سے سات ہی آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سخت تہدید‘ تنبیہہ اور دھمکی ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی آسمانی شریعت پر ایمان کے دعوے دار ہوں اور پھر اس کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہوں۔ قرآن حکیم کی طویل سورتوں میں کہیں کہیں تین تین آیتوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ ملتے ہیں جو معانی ومفہوم کے لحاظ سے بہت جامع ہوتے ہیں‘ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲‘ ۱۰۳ اور ۱۰۴ ہیں۔ ابھی سورۃ المائدۃ میں بھی تین آیات پر مشتمل نہایت جامع احکامات کا حامل ایک مقام آئے گا۔ اسی طرح کہیں کہیں سات سات آیات کا مجموعہ بھی ملتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع کی سات آیات (۴۰ تا ۴۶) بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں نہایت جامع ہیں۔ یہ دعوت کے ابتدائی انداز پر مشتمل ہیں اور دعوت کے باب میں بمنزلہ فاتحہ ہیں۔ اسی طرح قانونِ شریعت کی تنفیذ‘ اس کی اہمیت اور اس سے پہلو تہی پر وعید کے ضمن میں زیر مطالعہ رکوع کی سات آیات نہایت تاکیدی اور جامع ہیں‘ بلکہ یہ مقام اس موضوع پر قرآن حکیم کا ذروۂ سنام (climax) ہے۔

آیت ۴۴ ﴿اِنَّـآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ ’’یقیناً ہم نے ہی نازل فرمائی تھی تورات‘‘

﴿فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ﴾ ’’اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔‘‘

﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ ’’اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے انبیاءؑ‘‘

﴿الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا﴾ ’’جو کہ سب فرمانبردار تھے (اللہ کے)‘‘

ظاہر ہے کہ تمام انبیا کرام علیہم السلام خود بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔

﴿لِلَّذِیۡنَ هَادُوۡا﴾ ’’(اور وہ فیصلے کرتے تھے) یہودیوں کے لیے‘‘

یعنی انبیا کرام علیہم السلام یہودیوں کے تمام فیصلے تورات (شریعتِ موسوی) کے مطابق کرتے تھے' جیسا کہ حدیث میں ہے ((کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ)) [1] یعنی بنی اسرائیل کی سیاست اور حکومت کے معاملات' انتظام و انصرام' انبیاء کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اس لیے وہی ان کے مابین نزاعات کے فیصلے کرتے تھے۔

﴿وَالرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ﴾ ’’اور درویش اور علماء‘‘

ان کے ہاں اللہ والے صوفیاء اور علماء وفقہاء بھی تورات ہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

﴿بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ ’’بسبب اس کے کہ وہ کتاب اللہ کے نگران بنائے گئے تھے‘‘

انہیں ذمہ داری دی گئی تھی کہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کرنی ہے۔

﴿وَكَانُوۡا عَلَیۡهِ شُهَدَآءَ﴾ ’’اور وہ اس پر گواہ تھے۔‘‘

﴿فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ﴾ ’’(تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ) تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو‘‘

﴿وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا﴾ ’’اور میری آیات کو حقیر سی قیمت پر فروخت نہ کرو۔‘‘

یعنی اللہ کا طے کردہ قانون موجود ہے' اس کے مطابق فیصلے کرو۔ لوگوں کو پسند ہو یا ناپسند' اس سے تمہارا بالکل کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ اب آ رہی ہے وہ کانٹے والی بات:

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ ’’اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔‘‘

بقولِ علامہ اقبال ؒ

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں' خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

آیت ۴۵ ﴿وَكَتَبۡنَا عَلَیۡهِمۡ فِیۡهَاۤ﴾ ’’اور ہم نے لکھ دیا تھا ان پر اس (تورات) میں‘‘

﴿اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ﴾ ’’کہ جان کے بدلے جان‘‘

﴿وَالۡعَیۡنَ بِالۡعَیۡنِ﴾ ’’اور آنکھ کے بدلے آنکھ‘‘

﴿وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ﴾ ’’اور ناک کے بدلے ناک‘‘

﴿وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ﴾ ''اور کان کے بدلے کان''

﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ ''اور دانت کے بدلے دانت''

﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط﴾ ''اور اس طرح زخموں کا بدلہ بھی ہوگا برابر کا۔''

﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط﴾ ''پھر جو کوئی اس کو معاف کردے تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا۔''

کسی نے ایک شخص کا کان کاٹ دیا' اب وہ جواباً اُس کا کان کاٹنے کا حق دار ہے' لیکن اگر وہ قصاص نہیں لیتا اور معاف کر دیتا ہے تو اسے اپنے بہت سے گناہوں کا کفارہ بنا لے گا۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجرم کو جب معاف کر دیا گیا تو اس کے ذمے سے وہ گناہ دُھل گیا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾﴾ ''اور جو فیصلے نہیں کرتے اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو ظالم ہیں۔''

اور ظالم یہاں بمعنی مشرک ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:۱۳) اب دیکھئے' ایک قانون اللہ کا ہے اور ایک انسانوں کا۔ پھر انسانوں کے بھی مختلف قوانین ہیں' ایک Roman Law ہے' ایک پاکستانی قانون ہے' ایک رواج پر مبنی قانون ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ فیصلہ کس قانون کے مطابق کر رہے ہیں؟ اللہ کے قانون کے تحت یا کسی اور قانون کے مطابق؟ اگر آپ نے اللہ کے قانون کے ساتھ ساتھ کسی اور قانون کو بھی مان لیا یا اللہ کے قانون کے مقابلے میں کسی اور قانون کو ترجیح دی تو یہ شرک ہے۔

آیت ۴۶ ﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ''اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے نقش قدم پر عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا''

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ص﴾ ''(وہ آئے) تصدیق کرتے ہوئے اُس کی جو ان کے سامنے موجود تھا تورات میں سے''

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ ''اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی' اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا''

﴿وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ ''اور وہ (انجیل بھی) تصدیق کر رہی تھی اس کی جو تورات میں سے اُس کے سامنے موجود تھا''

﴿وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾﴾ ''اور وہ ہدایت (راہنمائی) اور نصیحت تھی تقویٰ والوں کے لیے۔''

آیت ۴۷ ﴿وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ط﴾ ''اور چاہیے کہ انجیل کے ماننے والے فیصلہ کریں اس

کے مطابق جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔''

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ﴿۴۷﴾﴾ ''اور جو لوگ نہیں فیصلے کرتے اللہ کے اُتارے ہوئے احکامات وقوانین کے مطابق' وہی تو فاسق ہیں۔''

وہی تو سرکش ہیں' وہی تو نافرمان ہیں' وہی تو نابکار ہیں۔غور کیجیے ایک رکوع میں تین دفعہ یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں:

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ﴿۴۴﴾﴾

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴿۴۵﴾﴾

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ﴿۴۷﴾﴾

ان آیاتِ قرآنیہ کو سامنے رکھیے اور ملتِ اسلامیہ کی موجودہ کیفیت کا جائزہ لیجیے کہ دنیا میں کتنے ممالک ہیں جہاں اللہ کا قانون نافذ ہے؟ آج روئے زمین پر کوئی ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جہاں شریعتِ اسلامی پورے طور پر نافذ ہو اور اسلام کا مکمل نظام قائم ہو۔اگرچہ ہم انفرادی اعتبار سے مسلمان ہیں لیکن ہمارے نظام کافرانہ ہیں۔

آیت ۴۸ ﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ﴾ ''اور (اب اے نبی ﷺ) ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ''

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَمُہَیۡمِنًا عَلَیۡہِ﴾ ''جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگران ہے''

یہ کتاب تورات اور انجیل کی مصداق بھی ہے اور مصدِّق بھی۔اور اس کی حیثیت کسوٹی کی ہے۔پہلی کتابوں کے اندر جو تحریفات ہو گئی تھیں اب ان کی تصحیح اس کے ذریعے سے ہو گی۔

﴿فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ﴾ ''تو (آپؐ بھی) فیصلہ کریں ان کے درمیان اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے''

﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الۡحَقِّ ؕ﴾ ''اور مت پیروی کریں ان کی خواہشات کی' اس حق کو چھوڑ کر جو آ چکا ہے آپ (ﷺ) کے پاس۔''

﴿لِکُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ شِرۡعَۃً وَّمِنۡہَاجًا ؕ﴾ ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل طے کر دی ہے۔''

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے سب کو معلوم ہے کہ شریعتِ موسویؑ شریعتِ محمدیؐ سے مختلف تھی۔مزید برآں رسولوں کے منہاج (طریق کار) میں بھی فرق تھا۔مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہاج میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ ایک مسلمان اُمت (بنی

اسرائیل) کے لیے بھیجے گئے تھے۔ وہ اُمت جو کہ دبی ہوئی تھی‘ پسی ہوئی تھی‘ غلام تھی۔ اس میں اخلاقی خرابیاں بھی تھیں‘ دینی اعتبار سے ضعف بھی تھا‘ وہ آلِ فرعون کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسٰیؑ کے مقصدِ بعثت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ایک بگڑی ہوئی مسلمان امت کو کافروں کے تسلط اور غلبے سے نجات دلائیں۔ اس کا ایک خاص طریقہ کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بتایا گیا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی ایک مسلمان اُمت کے لیے مبعوث کیے گئے‘ یعنی یہودیوں ہی کی طرف۔ اس قوم میں نظریاتی فتور آ چکا تھا‘ ان کے معاشرے میں اخلاقی وروحانی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اُن کے علماء کی توجہ بھی دین کے صرف ظاہری احکام اور قانونی پہلوؤں پر رہ گئی تھی اور وہ اصل مقاصدِ دین کو بھول چکے تھے۔ دین کی اصل رُوح نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ اس سارے بگاڑ کی اصلاح کے لیے حضرت مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص منہج‘ ایک خاص طریقہ کار عطا فرمایا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں میں مبعوث کیا گیا جو مشرک تھے‘ اَن پڑھ تھے‘ کسی نبی کے نام سے ناواقف تھے سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ ان کا احترام بھی وہ اپنے جدِامجدّ کے طور پر کرتے تھے‘ ایک نبی کے طور پر نہیں۔ کوئی شریعت ان میں موجود نہیں تھی‘ کوئی کتاب ان کے پاس نہیں تھی۔ گویا ”ضَلَّ ضَلَالاً بَعِیْدًا“ کی مجسّم تصویر! آپ ﷺ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے ذریعے ان میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم جماعت پیدا کی‘ انہیں حزب اللہ بنایا‘ اور پھر اس جماعت کو ساتھ لے کر آپ ﷺ نے کفر‘ شرک اور ائمہ کفر کے خلاف جہاد وقتال کیا‘ اور بالآخر اللہ کے دین کو اس معاشرے میں قائم کر دیا۔ یہ منہاج ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ تو یہ مفہوم ہے اس آیت کا ﴿لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا ط﴾ ”ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک منہاج (طریقہ کار‘ منہجِ عمل) مقرر کیا ہے“۔ اس لحاظ سے یہ آیت بہت اہم ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً﴾ ”اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا“۔

﴿وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ﴾ ”مگر اُس نے چاہا کہ وہ اس چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اُس نے تم کو عطا کی“

یعنی اللہ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ جس کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کے حوالے سے اس کو آزمائے۔ چنانچہ اب ہمارے لیے اصل اُسوہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام‘ بلکہ ﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) کے مصداق ہمارے لیے اُسوہ ہے تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اگر شادی نہیں کی تو یہ ہمارے لیے اُسوہ نہیں ہے۔ ہمیں تو حضور ﷺ کے فرمان کو پیش نظر رکھنا ہے‘ جنہوں نے فرمایا: ((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ)) [۱] اور پھر فرمایا: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) [۲]. تو واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء اللہ ہی کی طرف سے مبعوث تھے‘ اور ہر ایک کے لیے جو بھی طریقہ اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا وہ ان کو عطا کیا‘ البتہ ہمارے لیے قابلِ تقلید منہاجِ نبوی ﷺ ہے۔ اب ہم پر فرض ہے کہ اس منہج انقلابِ نبویؐ کا گہرا شعور حاصل کریں‘ پھر اس راستے پر اُسی طرح چلیں جس طرح حضور ﷺ چلے۔ جس طرح آپؐ نے دین کو قائم کیا‘ غالب کیا‘ ایک نظام برپا کیا‘ پھر اُس نظام کے تحت اللہ کا قانون نافذ کیا‘ اُسی طرح ہم بھی اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔

﴿فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ﴾ ''تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔''

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا﴾ ''اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے''

﴿فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۸﴾﴾ ''تو وہ تمہیں جتلا دے گا ان چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیت ۴۹ ﴿وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ ''اور فیصلے کیجیے ان کے مابین اس (شریعت) کے مطابق جو کہ اللہ نے اُتاری ہے''

﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ﴾ ''اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے''

آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہم کن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں؟ آج ہم احکامِ الٰہی کو پس پشت ڈال کر اپنے سیاسی پیشواؤں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں قانون بنا دیتے ہیں' جو چاہتے ہیں فیصلہ کر دیتے ہیں اور پوری قوم اس کی پابند ہوتی ہے۔ ہم اس جال سے اسی صورت میں نکل سکتے ہیں کہ ایک زبردست جماعت بنائیں' طاقت پیدا کریں' ایک بھرپور تحریک اٹھائیں' قربانیاں دیں' جانیں لڑائیں تاکہ یہ موجودہ نظام تبدیل ہو' اللہ کا دین قائم ہو' اور پھر اس دین کے مطابق ہمارے فیصلے ہوں۔ یہاں حضورﷺ کو ایک بار پھر سے تاکید کی جا رہی ہے کہ آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے کیجیے۔

﴿وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ؕ﴾ ''اور ان سے ہوشیار رہیے' ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو ان میں سے کسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہیں۔''

یعنی ہر طرف سے دباؤ آئے گا' لیکن آپؐ کو ثابت قدمی سے کھڑے رہنا ہے اُس شریعت پر جو اللہ تعالیٰ نے آپﷺ پر نازل فرمائی ہے۔

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا﴾ ''پھر اگر وہ روگردانی کریں''

﴿فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ﴾ ''تو جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔''

یہ دراصل لرزا دینے والا مقام ہے۔ اگر ہم اپنے اس ملک کے اندر اسلام کو قائم نہیں کرتے اور ہماری ساری کوششوں کے باوجود دین نافذ نہیں ہو رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عذاب کا کوئی کوڑا مقدر ّہو چکا ہے۔ واضح الفاظ میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے احکامات سے مُنہ موڑیں' شریعت کے فیصلوں کا انکار کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے اور ﴿اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ ﴿۱۲﴾﴾ (البروج) کے مصداق انہیں کوئی

سزا دینا چاہتا ہے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ۝۴۹﴾ ''اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ لوگوں میں سے اکثر فاسق (نافرمان) ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ؕ﴾ ''تو کیا یہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟''

جاہلیت سے مراد حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کا دور ہے۔ یعنی کیا قانونِ الٰہی نازل ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ جاہلیت کے دستور، اپنی روایات اور اپنی رسومات پر عمل کرنا چاہتے ہیں؟ جیسا کہ ہندوستان میں مسلمان زمیندار انگریز کی عدالت میں کھڑے ہو کر کہہ دیتے تھے کہ ہمیں اپنی وراثت کے مقدمات میں شریعت کا فیصلہ نہیں چاہیے بلکہ رواج کا فیصلہ چاہیے۔

﴿وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ۝۵۰﴾ ''اور اللہ کے حکم (اور فیصلے) سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اس یقین اور ایمانِ حقیقی کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

آیات ۵۱ تا ۵۶

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ ؔۘ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۵۱ فَتَرَى الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوۡنَ فِيۡهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ نَخۡشٰٓى اَنۡ تُصِيۡبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَيُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ نٰدِمِيۡنَ ۝۵۲ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ۙ اِنَّهُمۡ لَمَعَكُمۡ ؕ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِيۡنَ ۝۵۳ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۚ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۝۵۴ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رٰكِعُوۡنَ ۝۵۵ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ۝۵۶﴾

آیت ۵۱ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ ؔۘ﴾ ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دلی دوست (حمایتی اور پشت پناہ) نہ بناؤ۔''

﴿بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ؕ﴾ ''وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

ان میں سے بعض بعض کے پشت پناہ اور مددگار ہیں۔ یہ درحقیقت ایک پیشین گوئی تھی جو اِس دور میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو صورت حال وہ تھی جو ہم قبل ازیں (اس سورۃ کی آیت ۱۴ میں) پڑھ آئے ہیں: ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ''پس ہم نے ان کے مابین عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی روزِ قیامت تک کے لیے''۔ چنانچہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین ہمیشہ شدید دشمنی رہی ہے اور آپس میں کشت وخون ہوتا رہا ہے' لیکن زیرنظر الفاظ ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ میں جو پیشین گوئی تھی وہ بیسویں صدی میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ بالفورڈیکلریشن (۱۹۱۷ء) کے بعد کی صورتِ حال میں ان کا باہمی گٹھ جوڑ شروع ہوا' جس کے نتیجے میں برطانیہ اور امریکہ کے زیر اثر اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی' اور اب بھی اگر وہ قائم ہے تو اصل میں انہی عیسائی ملکوں کی پشت پناہی کی وجہ سے قائم ہے۔ عیسائی اب یہودیوں کی اس لیے پشت پناہی کر رہے ہیں کہ اُن کی ساری معیشت یہودی بینکاروں کے زیر تسلط ہے۔ عیسائیوں کی معیشت پر یہودیوں کے قبضہ کی وجہ سے یہود ونصاریٰ کا یہ گٹھ جوڑ اس درجہ مستحکم ہو چکا ہے کہ آج عیسائیوں کی پوری عسکری طاقت یہودیوں کی پشت پر ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ ''اور تم میں سے جو کوئی ان سے دلی دوستی رکھے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔''

یعنی جو کوئی ان سے دوستی کے معاہدے کرے گا' ان سے نصرت وحمایت کا طلب گار ہوگا' ہماری نگاہوں میں وہ یہودی یا نصرانی شمار ہوگا۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آج ہمارے اکثر مسلمان ممالک کی پالیسیاں کیا ہیں اور اس سلسلے میں قرآن کا فتویٰ کیا ہے' وہ آپ کے سامنے ہے۔

آیت ۵۲ ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''تو تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے''

﴿يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ﴾ ''وہ انہی کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں''

فلاں ملک سے دوستی کا معاہدہ' فلاں سے مدد کی درخواست' فلاں سے حمایت کی توقع' ان کی ساری بھاگ دوڑ' تگ ودَو' خارجہ پالیسی ''يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ '' کی عملی تصویر ہے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں روگ یعنی نفاق ہے۔ اگر اللہ پر ایمان ہو' اعتماد اور یقین ہو' اس سے خلوص اور اخلاص کا رشتہ ہو تو پھر اُسی سے نصرت وحمایت کی امید ہو اور ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد:۷) کے وعدے پر یقین ہو!

﴿يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ﴾ ''وہ کہتے ہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم گردشِ زمانہ (اور کسی مصیبت کے چکر) میں نہ پھنس جائیں۔''

یعنی ہم یہود و نصاریٰ سے اس لیے تعلقات استوار کر رہے ہیں کہ کل کلاں کسی ناگہانی آفت سے بچ سکیں۔

﴿فَعَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖ﴾ ''تو بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ جلد ہی فتح لے آئے یا اپنے پاس سے کوئی اور فیصلہ صادر فرما دے''

﴿فَیُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ نٰدِمِیۡنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''تو پھر جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر انہیں نادم ہونا پڑے۔''

انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن کی دوستی کا سہارا انہوں نے اپنے زعم میں لے رکھا تھا وہی انہیں دھوکا دے رہے ہیں' ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے!

آیت ۵۳ ﴿وَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَہٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ ۙ اِنَّہُمۡ لَمَعَکُمۡ ؕ﴾ ''اور (اُس وقت) اہلِ ایمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ وہ تو تمہارے ساتھ ہیں۔''

﴿حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''ان کے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ خسارے والے بن کر رہ جائیں گے۔''

اب جو تین آیتیں آ رہی ہیں ان میں اُن اہلِ ایمان کا ذکر ہے جو پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستے میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توفیق دے کہ کمر ہمت کس کر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا فرما دے کہ اُس کی شریعت کو نافذ کرنا ہے اور الکافِرون' الظالِمُون اور الفاسِقون (المائدۃ:۴۴' ۴۵ اور ۴۷) کی صفوں سے باہر نکلنا ہے۔ اس طرح کی جدوجہد میں محنت کرنا پڑتی ہے' مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں' تکالیف سہنا پڑتی ہیں۔ ایسے حالات میں بعض اوقات انسان کے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں اور عزم و ہمت میں کچھ کمزوری آنے لگتی ہے۔ ایسے موقع پر اس راہ کے مسافروں کی ایک خاص ذہنی اور نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یہ تین آیات نہایت اہم اور جامع ہیں۔

آیت ۵۴ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ﴾ ''اے ایمان والو! جو کوئی بھی پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے''

﴿فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ﴾ ''تو اللہ (کو کوئی پرواہ نہیں' وہ) عنقریب (تمہیں ہٹا کر) ایک ایسی قوم کو لے آئے گا''

﴿یُّحِبُّہُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗۤ﴾ ''جنہیں اللہ محبوب رکھے گا اور وہ اُسے محبوب رکھیں گے''

﴿اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ ''وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے''

﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ﴾ ''کافروں پر بہت بھاری ہوں گے''
﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے''
﴿وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ﴾ ''اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے۔''

یہاں پر جو لفظ یَرْتَدَّ آیا ہے اس کے مفہوم میں ایک تو قانونی اور ظاہری ارتداد ہے۔ جیسے ایک شخص اسلام کو چھوڑ کر کافر ہو جائے' یہودی یا نصرانی ہو جائے۔ یہ تو بہت واضح قانونی ارتداد ہے' لیکن ایک باطنی ارتداد بھی ہے' یعنی اُلٹے پاؤں پھرنے لگنا' پسپائی اختیار کر لینا۔ اوپر اسلام کا لبادہ تو جوں کا توں ہے' لیکن فرق یہ واقع ہو گیا ہے کہ پہلے غلبۂ دین کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے' محنتیں کر رہے تھے' وقت لگا رہے تھے' ایثار کر رہے تھے' انفاق کر رہے تھے' بھاگ دوڑ کر رہے تھے' اور اب کوئی آزمائش آئی ہے تو ٹھٹک کر کھڑے رہ گئے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۲۰) میں ارشاد ہے: ﴿كُلَّمَا اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ﴾ ''جب ذرا روشنی ہوتی ہے ان پر تو اس میں کچھ چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں''۔ اب کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف کھڑے رہ گئے ہیں بلکہ کچھ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تمہارا محتاج ہے' بلکہ تم اللہ کے محتاج ہو۔ تمہیں اپنی نجات کے لیے اپنے اس فرض کو ادا کرنا ہے۔ اگر تم نے پسپائی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹائے گا اور کسی دوسری قوم کو لے آئے گا' کسی اور کے ہاتھ میں اپنے دین کا جھنڈا تھما دے گا۔

یہاں پر مؤمنین صادقین کے اوصاف کے ضمن میں جو تین جوڑے آئے ہیں ان پر ذرا دوبارہ غور کریں:

(۱) ﴿يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ ''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔'' (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!)

(۲) ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ﴾ ''وہ اہل ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے' کافروں پر بہت سخت ہوں گے''۔ یہی مضمون سورۃ الفتح (آیت ۲۹) میں دوسرے انداز سے آیا ہے: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ ''آپس میں بہت رحیم و شفیق' کفار پر بہت سخت''۔ بقولِ اقبال: ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

(۳) ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے''۔ ان کے رشتہ دار اُن کو سمجھائیں گے' دوست احباب نصیحتیں کریں گے کہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ تم fanatic ہو گئے ہو؟ تمہیں اولاد کا خیال نہیں' اپنے مستقبل کی فکر نہیں! مگر یہ لوگ کسی کی کوئی پروا نہیں کریں گے' بس اپنی ہی دھن میں مگن ہوں گے۔ اور ان کی کیفیت یہ ہو گی: ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا   تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی

خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں | سب بھول گئیں مصلحتیں اہل ِ ہوس کی

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری | تنہا پس ِ زنداں، کبھی رسوا سر ِ بازار
گرجے ہیں بہت شیخ سر گوشہ منبر | کڑکے ہیں بہت اہل ِحکم بر سر ِدربار

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام | چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت
اِس عشق، نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل | ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت!

یہ ایک کردار ہے جس کو واضح کرنے کے لیے دو دو اوصاف کے یہ تین جوڑے آئے ہیں۔ ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں اس کردار کو عملاً اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ﴿۵۴﴾﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا کرتا ہے، اور اللہ بہت وسعت رکھنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔ اگر تم اپنے بھائیوں، عزیزوں، دوستوں، ساتھیوں اور رفیقوں کو دیکھتے ہو کہ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہوا ہے، انہوں نے کیسے کیسے مرحلے سَر کر لیے ہیں، کیسی کیسی بازیاں جیت لیں ہیں، تو تم بھی اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اللہ تمہیں بھی ہمت دے گا۔ اس لیے کہ اس دین کے کام میں اس قسم کا رشک بہت پسندیدہ ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رشک آیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر۔ جب غزوۂ تبوک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا تو آپؓ نے سوچا کہ آج تو میں ابوبکرؓ سے بازی لے جاؤں گا، کیونکہ اتفاق سے اِس وقت میرے پاس خاصا مال ہے۔ چنانچہ انہوںؓ نے اپنے پورے مال کے دو برابر حصے کیے، اور پورا ایک حصہ یعنی آدھا مال لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں جو کچھ تھا وہ سب لے آئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا میں نے جان لیا کہ ابوبکرؓ سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ تو دین کے معاملے میں اللہ کا حکم ہے: ﴿فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ﴾ (المائدۃ:۴۸) یعنی نیکیوں میں، خیر میں، بھلائی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہو!

اب پھر اہلِ ایمان کو دوستانہ تعلقات کے معیار کے بارے میں خبردار کیا جا رہا ہے۔ اہل ایمان کی دلی دوستی کفار سے، یہود ہنود اور نصاریٰ سے ممکن ہی نہیں، اس لیے کہ یہ ایمان کے منافی ہے۔ اگر دین کی غیرت وحمیت ہوگی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں ہوگی تو ان کے دشمنوں سے دلی دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۵۵ ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا﴾ ''تمہارے ولی تو اصل میں بس اللہ، اُس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہلِ ایمان ہیں''

تمہارے دوست، پشت پناہ، حمایتی، معتمد اور راز دار تو بس اللہ، اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان ہیں۔ اور یہ اہلِ ایمان بھی پیدائشی اور قانونی مسلمان نہیں، بلکہ: ؎

﴿الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمۡ رٰکِعُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں جھک کر۔''

یہاں وَھُمۡ رٰکِعُوۡنَ کا مطلب ''وہ رکوع کرتے ہیں'' صحیح نہیں ہے۔ یہ درحقیقت زکوٰۃ دینے کی کیفیت ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں فروتنی کرتے ہوئے۔ ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۷۳) میں پڑھ آئے ہیں کہ سب سے بڑھ کر انفاق فی سبیل اللہ کے مستحق کون لوگ ہیں: ﴿لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ......﴾ جو اللہ کے دین کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ہیں اور ان کے پاس اب اپنی معاشی جدوجہد کے لیے وقت نہیں ہے۔ لیکن وہ فقیر تو نہیں کہ آپ سے جھک کر مانگیں' یہ تو آپ کو جھک کر' فروتنی کرتے ہوئے ان کی مدد کرنا ہوگی۔ آپ انہیں دیں اور وہ قبول کرلیں تو آپ کو ان کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔

آیت ۵۶ ﴿وَمَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ ''اور جو کوئی دوستی قائم کرے گا اللہ' اُس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کے ساتھ''

یوں سمجھ لیں کہ یہاں یہ فقرہ محذوف ہے: ''تو وہ شامل ہو جائے گا حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) میں۔''

﴿فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''پس سن لو کہ حزب اللہ ہی غالب رہنے والی ہے۔''

یہ شرائط پہلے پوری کی جائیں' ان تمام معیارات پر پورا اترا جائے' اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ایمان رکھا جائے' تو پھر یقیناً حزب اللہ ہی غالب رہے گی۔

آیات ۵۷ تا ۶۶

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَکُمۡ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ
مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَالۡکُفَّارَ اَوۡلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَیۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ
اتَّخَذُوۡھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۸﴾ قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ ھَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ
اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاَنَّ اَکۡثَرَکُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ قُلۡ ھَلۡ اُنَبِّئُکُمۡ
بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِکَ مَثُوۡبَۃً عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ مَنۡ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیۡہِ وَجَعَلَ مِنۡھُمُ الۡقِرَدَۃَ وَالۡخَنَازِیۡرَ
وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا
وَقَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡکُفۡرِ وَھُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِہٖ ؕ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡتُمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡھُمۡ
یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَکۡلِھِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ لَوۡلَا یَنۡھٰھُمُ

الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝٦٣ وَقَالَتِ
الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ
يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي
الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٦٤ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٦٥ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ
مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا
يَعْمَلُوْنَ ۝٦٦ ﴾

آیت ۵۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ﴾ ”اے اہلِ ایمان' ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی تم سے پہلے اور دوسرے کافروں میں سے بھی۔“

پھر وہی بات فرمائی گئی کہ مشرکین اور اہلِ کتاب میں سے کسی کو اپنا ولی اور دوست نہ بناؤ۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٥٧﴾ ”اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم مؤمن ہو۔“

آیت ۵۸ ﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ﴾ ”اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔“

یعنی اذان کی آواز سن کر اس کی نقلیں اتارتے ہیں اور تمسخر کرتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝٥٨﴾ ”یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ عقل سے عاری ہیں۔“

آیت ۵۹ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ ”(اے نبیؐ) ان سے کہیے کہ اے کتاب والو“

﴿هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ﴾ ”تم کس بات کا انتقام لے رہے ہو ہم سے؟“

﴿اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ”سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر“

﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ ”اور (اس پر) جو ہم پر نازل کیا گیا“

﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور (اس پر بھی) جو پہلے نازل کیا گیا“

﴿وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٥٩﴾ ”اور حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔“

آیت ۶۰ ﴿قُلۡ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكَ مَثُوۡبَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''آپ (ﷺ) کہیے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر سزا پانے والے کون ہیں؟''

﴿مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ ''(وہ لوگ ہیں) جن پر اللہ نے لعنت کی''

﴿وَغَضِبَ عَلَيۡهِ﴾ ''اور جن پر وہ غضب ناک ہوا''

﴿وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ﴾ ''اور جن میں سے اُس نے بندر اور خنزیر بنا دیے''

﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ﴾ ''اور جنہوں نے شیطان کی بندگی کی۔''

﴿اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ۝۶۰﴾ ''یہ سب کے سب بہت برے مقام میں ہیں اور بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے۔''

آیت ۶۱ ﴿وَاِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے''

﴿وَقَدۡ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَهُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ﴾ ''حالانکہ وہ داخل بھی ہوئے تھے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی ہیں کفر کے ساتھ۔''

میرے نزدیک یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر سورۂ آل عمران (آیت ۷۲) میں آیا ہے' جنہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ۔ ان کے بارے میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی نکلے ہیں' ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ شعوری طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ رہنا تو ہمیں اپنے دین پر ہے' لیکن اسلام کی جو ساکھ بن گئی ہے اس کو نقصان پہنچانے کی خاطر ہم یہ دھوکہ اور سازش کر رہے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ ۝۶۱﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپائے ہوئے تھے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ﴾ ''اور تم دیکھو گے ان میں سے اکثر کو کہ بہت بھاگ دوڑ کرتے ہیں گناہ اور ظلم و زیادتی (کے کاموں) میں''

﴿وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ﴾ ''اور حرام کے مال کھانے میں۔''

﴿لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۶۲﴾ ''بہت ہی برا عمل ہے جو وہ کر رہے ہیں!''

آیت ۶۳ ﴿لَوۡلَا يَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ﴾ ''کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے درویش (صوفی اور پیر و مرشد) اور علماء و فقہاء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟''

آج ہمارے ہاں بھی اکثر و بیشتر پیر اپنے مریدوں کو حرام خوری سے منع نہیں کرتے۔ انہیں اس میں سے نذرانے مل

جانے چاہئیں' اللہ اللہ خیر سلا۔ کہاں سے کھایا؟ کیسے کھایا؟ اس سے کوئی بحث نہیں۔ حالانکہ اللہ والوں کا کام تو برائی سے روکنا ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾﴾ ''بہت بُرا ہے وہ کام جو وہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۶۴ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ﴾ ''اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا۔''

ان کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کی رحمت جو ہمارے لیے تھی وہ بند ہو گئی ہے' نبوت کی رحمت ہمارے لیے مختص تھی اور اب یہ دستِ رحمت ہماری طرف سے بند ہو گیا ہے۔ یا اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جو منافقین کہا کرتے تھے کہ اللہ ہم سے قرضِ حسنہ مانگتا ہے تو گویا اللہ فقیر ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) اور ہم اغنیاء ہیں۔ جواب میں فرمایا گیا:

﴿غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''ان کے ہاتھ بندھ گئے ہیں'' یا ''بندھ جائیں ان کے ہاتھ''

﴿وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ﴾ ''اور ان پر لعنت ہے اس کے سبب جو انہوں نے کہا''

﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ ''بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں''

﴿يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ﴾ ''وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔''

﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ﴾ ''اور یقیناً اضافہ کرے گا ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر میں جو کچھ (اے نبیؐ) نازل کیا گیا ہے آپؐ پر آپؐ کے ربّ کی طرف سے۔''

یعنی ضد میں آ کر انہوں نے حق وصداقت پر مبنی اس کلام کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جیسے جیسے جو جو احسانات بھی آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر ہو رہے ہیں' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو غنیمتیں دے رہا ہے' دین کو رفتہ رفتہ جو غلبہ حاصل ہو رہا ہے' اس کے حسد کے نتیجے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی بڑھتی جا رہی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد تو خاص طور پر عرب کے اندر بہت تیزی کے ساتھ صورتحال بدلنی شروع ہو گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں بجائے اس کے کہ یہ لوگ سمجھ جاتے کہ واقعی یہ اللہ کی طرف سے حق ہے اور یکسو ہو کر اس کا ساتھ دیتے' ان کے اندر کی جلن اور حسد کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔

﴿وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ ''اور ہم نے ان کے مابین قیامت تک کے لیے دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔''

﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ﴾ ''جب کبھی یہ آگ بھڑکاتے ہیں جنگ کے لیے اللہ اُس کو بجھا دیتا ہے''

جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے یہودی اکثر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ خاص طور پر غزوۂ احزاب تو ان ہی کی سازشوں کے نتیجے میں برپا ہوا تھا۔ مدینے کے یہودی قبائل عرب کے پاس جا جا کر' اِدھر اُدھر وفد بھیج کر لوگوں کو جمع کرتے تھے

کہ آؤ تم باہر سے حملہ کرو، ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ ان کی انہی سازشوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ﴾ ''اور (پھر بھی) یہ زمین میں فساد مچانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتے رہتے ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٦٤﴾ ''اور اللہ ایسے مُفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۶۵ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ''اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے''

﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ''تو ہم اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دیتے''

﴿وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٦٥﴾ ''اور ہم لازماً انہیں داخل کرتے نعمتوں والے باغوں میں۔''

جو آیت آگے آرہی ہے اس پر غور کیجیے اور اسے خود پر بھی منطبق کر کے ذرا سوچیے۔

آیت ۶۶ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور اگر انہوں نے قائم کیا ہوتا تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر ان کے رب کی طرف سے''

﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ﴾ ''تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔''

یعنی ہم نے انہیں تورات اس لیے دی تھی کہ اس کے احکامات کو نافذ کیا جائے۔ اسی سورت کے ساتویں رکوع (آیات ۴۴ تا ۵۰) میں اس کا مفصّل ذکر ہم پڑھ آئے ہیں کہ کس طرح انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے فیصلے تورات کے احکامات کے مطابق کرو۔ اس سے اگلا مرحلہ اس پورے نظام کے نفاذ کا تھا جو تورات نے دیا تھا۔ اسی طرح ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم نے قرآن کے نظام کو قائم کرنا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا جارہا ہے' کہ اگر انہوں نے اللہ کا وہ نظام قائم کیا ہوتا تو ان کے اوپر سے بھی ان کے رب کی طرف سے نعمتوں کی بارش ہوتی اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دھارے پھوٹتے۔

﴿مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ﴾ ''ان میں کچھ لوگ ہیں جو درمیانی (یعنی سیدھی) راہ پر ہیں۔''

﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝٦٦﴾ ''لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بہت بُری حرکتیں کر رہے ہیں۔''

ان کا عمل اور رویہ نہایت غلط ہے۔

آیات ٦٧ تا ٧٧

﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿٦٧﴾ قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ
حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ وَلَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ
اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا وَّکُفۡرًا ۚ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ
هَادُوۡا وَالصّٰبِـُٔوۡنَ وَالنَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا
هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَهُمۡ
رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰۤی اَنۡفُسُهُمۡ ۙ فَرِیۡقًا کَذَّبُوۡا وَفَرِیۡقًا یَّقۡتُلُوۡنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوۡۤا اَلَّا تَکُوۡنَ فِتۡنَةٌ فَعَمُوۡا
وَصَمُّوۡا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ثُمَّ عَمُوۡا وَصَمُّوۡا کَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿٧١﴾ لَقَدۡ
کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ ؕ وَقَالَ الۡمَسِیۡحُ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ
رَبِّیۡ وَرَبَّکُمۡ ؕ اِنَّهٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ الۡجَنَّةَ وَمَاۡوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ
اَنۡصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ یَنۡتَهُوۡا
عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا یَتُوۡبُوۡنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَهٗ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ
صِدِّیۡقَةٌ ؕ کَانَا یَاۡکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الۡاٰیٰتِ ثُمَّ انۡظُرۡ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿٧٥﴾ قُلۡ
اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمۡلِکُ لَکُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿٧٦﴾ قُلۡ
یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا
کَثِیۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴿٧٧﴾﴾

آیت ٦٧ ﴿یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ﴾ ''اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے۔''

﴿وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ﴾ ''اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے اُس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔''

اپنے مضمون کے اعتبار سے یہ بہت سخت آیت ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اگر وحی میں کہیں رسول اللہ ﷺ پر تنقید

نازل ہوئی ہے تو وہ بھی قرآن میں جوں کی توں موجود ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ایسی چیزوں کو چھپا لیا گیا ہو۔ تیسویں پارے میں سورۂ عبس کی ابتدائی آیات ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ① اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ②﴾ بھی ویسے ہی موجود ہیں جیسے نازل ہوئی تھیں۔ سورۂ آل عمران میں بھی ہم پڑھ کر آئے ہیں کہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ......﴾ (آیت ۱۲۸)۔ اس طرح کی آیات اپنی جگہ پر من وعن موجود ہیں، اور یہ قرآن کے محفوظ من اللہ ہونے پر حجت ہیں۔ آیت زیر نظر میں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وحی الٰہی میں سے کوئی چیز کسی وجہ سے پہنچنے سے رہ نہ جائے۔ لوگوں کے خوف سے یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے بالفرض اگر ایسا ہوا تو گویا آپ ﷺ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کا ثبوت دیں گے۔ اَلۡعَبۡدُ عَبۡدٌ وَاِنۡ تَرَقّٰی، وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنۡ تَنَزَّلَ!

﴿وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾ ''اور اللہ آپؐ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے۔''

آپ کو لوگوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''یقیناً اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

آیت ۶۸ ﴿قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ﴾ ''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے: اے کتاب والو تم کسی چیز پر نہیں ہو''

تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے، کوئی مقام نہیں ہے، کوئی جڑ بنیاد نہیں ہے، تم ہم سے ہم کلام ہونے کے مستحق نہیں ہو۔

﴿حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ﴾ ''جب تک تم قائم نہ کرو تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے۔''

اب اپنے لیے اس آیت کو آپ اس طرح پڑھ لیجیے: '' یٰۤاَہۡلَ الۡقُرۡاٰنِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا الۡقُرۡاٰنَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ '' اے قرآن کے ماننے والو! تمہاری کوئی حیثیت نہیں...... تم سمجھتے ہو کہ ہم اُمتِ مسلمہ ہیں، اللہ والے ہیں، اللہ کے لاڈلے اور پیارے ہیں، اللہ کے رسولؐ کے اُمتی ہیں۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ ذلت و خواری تمہارا مقدر بنی ہوئی ہے، ہر طرف سے تم پر یلغار ہے، عزت و وقار نام کی کوئی شے تمہارے پاس نہیں رہی۔ تم کتنی ہی تعداد میں کیوں نہ ہو، دنیا میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں، اور اس سے زیادہ بے توقیری کے لیے بھی تیار رہو۔ ''تمہاری کوئی اصل نہیں جب تک تم قائم نہ کرو قرآن کو اور اس کے ساتھ جو کچھ مزید تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے''۔ قرآن وحی جلی ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو وحی خفی کے ذریعے سے بھی تو احکامات ملتے تھے اور سنت رسولؐ وحی خفی کا ظہور ہی تو ہے۔ تو جب تک تم کتاب و سنت کا نظام قائم نہیں کرتے، تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ''یَا اَہۡلَ الۡقُرۡاٰنِ '' کا خطاب خود حضور ﷺ نے ہمیں دیا ہے۔ میرے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں یہ حدیث موجود ہے جس میں حضور ﷺ سے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

((یَا اَہۡلَ الۡقُرۡاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الۡقُرۡاٰنَ، وَاتۡلُوۡہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنۡ آنَاءِ اللَّیۡلِ وَالنَّہَارِ، وَاَفۡشُوۡہُ وَتَغَنَّوۡہُ وَتَدَبَّرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ))[1]

''اے اہل قرآن' قرآن کو اپنا تکیہ نہ بنا لینا' بلکہ اسے پڑھا کرو رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی' جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے' اور اسے عام کرو اور خوش الحانی سے پڑھو اور اس میں تدبر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

﴿وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ج﴾ ''لیکن (اے نبیﷺ) جو کچھ آپؐ پر نازل کیا گیا ہے آپؐ کے رب کی طرف سے یہ ان کے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں یقیناً اضافہ کرے گا۔''

ان کی سرکشی اور طغیانی میں اور اضافہ ہوگا' ان کی مخالفت اور بڑھتی چلی جائے گی' حسد کی آگ میں وہ مزید جلتے چلے جائیں گے۔

﴿فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝۶۸﴾ ''تو آپؐ ان کافروں کے بارے میں افسوس نہ کریں۔''

نبی چونکہ اپنی اُمت کے حق میں نہایت رحیم و شفیق ہوتا ہے لہٰذا وہ لوگوں پر عذاب کو پسند نہیں کرتا اور قوم پر عذاب کے تصور سے اسے صدمہ ہوتا ہے۔ پھر خصوصاً جب وہ اپنی برادری بھی ہو' جیسا کہ بنی اسماعیلؑ تھے' تو یہ رنج و صدمہ دو چند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب ان کے بارے میں سورۂ یونس اور سورۂ ہود میں عذاب کی خبریں آ رہی تھیں تو آپؐ بہت فکرمند اور غمگین ہوئے اور آپؐ کے بالوں میں یک دم سفیدی آ گئی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوچھا' حضورﷺ کیا ہوا؟ آپؐ پر بڑھاپا طاری ہو گیا؟ تو آپﷺ نے فرمایا: ((شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا)) (۲) ''مجھے سورۂ ہود اور اس کی بہنوں (ہم مضمون سورتوں) نے بوڑھا کر دیا ہے''۔ کیونکہ ان سورتوں کا انداز ایسا ہے کہ جیسے اب مہلت ختم ہوئی چاہتی ہے اور عذاب کا دھارا چھوٹنے ہی والا ہے۔

آیت ۶۹ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے' اور وہ لوگ جو یہودی' صابی' اور نصاریٰ (عیسائی) ہوئے''

اس آیت میں تقریباً وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کے آٹھویں رکوع (آیت ۶۲) میں آ چکا ہے' جس سے بعض لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ شاید نجات کے لیے ایمان بالرسالت کی ضرورت نہیں ہے' حالانکہ سورۃ النساء (آیات ۵۰'۵۱ اور ۵۲) میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے مابین تفریق کرنے والوں کے لیے بہت واضح انداز میں فرمایا گیا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ ''وہی لوگ تو پکے کافر ہیں۔'' دوسری بات یہاں ذہن میں یہ رکھیے کہ ان تمام سورتوں میں محمدٌ رسول اللہﷺ پر ایمان لانے کی دعوت قدم قدم پر ہے' بار بار ہے' لہٰذا اس سے استغناء کا کوئی جواز رہتا ہی نہیں' سوائے اس کے کہ کسی کی نیت میں فساد ہو اور دل میں کجی پیدا ہو چکی ہو۔

﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۶۹﴾ ''(اپنے اپنے زمانے میں جس قوم اور جس گروہ سے) جو کوئی ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اُس نے اچھے عمل کیے تو ان پر نہ

کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم سے دوچار ہوں گے۔''

یہاں وہ تمام لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے دور میں اللہ اور آخرت پر ایمان و یقین رکھتے تھے اور اپنے وقت کے نبی اور گزشتہ انبیاء پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام سے ماقبل زمانہ میں یہودی تھے' جو کتاب اللہ تورات پر یقین رکھتے تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے' دوسرے نبیوں کو مانتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے۔ لیکن عمل کے معاملے میں اصل چیز اور اصل بنیاد اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی جزا طلبی ہے' جس سے کوئی عمل' عملِ صالح بنتا ہے۔

آیت ۷۰ ﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ﴾ ''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔''

یہاں بہت سے رسول بھیجنے سے مراد ہے بہت سے انبیاء بھیجے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں' قرآن مجید میں رسول کا لفظ نبی کی جگہ استعمال ہوا ہے' البتہ جہاں تک لفظ رسول کے اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں رسول صرف ایک آئے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام' باقی سب نبی تھے۔

﴿كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُهُمْ﴾ ''(لیکن) جب بھی کبھی ان کے پاس کوئی رسول لے کر آیا وہ چیز جو ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف تھی''

﴿فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰﴾ ''تو ایک گروہ کو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ ''اور انہوں نے سمجھا کہ ان پر کوئی پکڑ نہیں آئے گی''

کوئی عقوبت نہیں ہوگی' ہم پر کوئی سرزنش نہیں ہوگی۔

﴿فَعَمُوْا وَصَمُّوْا﴾ ''تو وہ بہرے بھی ہو گئے' اندھے بھی ہو گئے''

﴿ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ﴾ ''پھر اللہ نے انہیں معاف کر دیا''

اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں فوراً نہیں پکڑا۔ انہیں توبہ کی مہلت دی' موقع دیا۔

﴿ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ؕ﴾ ''(نتیجہ یہ ہوا کہ) پھر ان میں سے اکثر لوگ اور زیادہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔''

بجائے اللہ کے دامنِ رحمت میں آنے کے اپنی گمراہی میں اور بڑھتے چلے گئے۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۝۷۱﴾ ''اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۷۲ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ﴾ ''یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔''

یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے اسی سورۃ کی آیت ۱۷ میں آ چکی ہے' یعنی اللہ ہی نے مسیح علیہ السلام کی شخصیت کا لبادہ اوڑھ

لیا ہے۔

﴿وَقَالَ الۡمَسِیۡحُ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ ؕ﴾ ’’جبکہ مسیحؑ نے تو کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل' بندگی اور پرستش کرو اللہ کی جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔‘‘

﴿اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ﴾ ’’یقیناً جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے‘‘

﴿وَمَاۡوٰىہُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۷۲﴾﴾ ’’اور اُس کا ٹھکانہ آگ ہے' اور ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔‘‘

اب عیسائیوں کے شرک کی ایک دوسری شکل کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کا ایک عقیدہ تو God incarnate کا تھا۔ یہ ان میں سے ایک فرقے Jacobites کا عقیدہ تھا کہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے عیسٰیؑ کی شکل میں انسانی روپ دھار لیا ہے۔ اوپر اسی عقیدے کا ذکر ہوا ہے' لیکن عیسائیوں کے ہاں ایک عقیدہ ''تثلیث'' کا بھی ہے' اور اس عقیدہ کی بھی ان کے ہاں دو شکلیں ہیں۔ ابتدا میں جو تثلیث تھی اس میں اللہ' حضرت مریم اور حضرت مسیح شامل تھے۔ یعنی ’’God the Father, God the Mother and God the Son.‘‘ دراصل یہ تثلیث مصر میں فراعنہ کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔ اسی کے اندر انہوں نے عیسائیت کو ڈھال دیا' تاکہ مصر کے لوگ آسانی سے عیسائیت قبول کر لیں۔ اس کے بعد حضرت مریم کو اس تثلیث میں سے نکال دیا گیا اور Holy Ghost یا Holy Spirit (روح القدس) کو ان کی جگہ شامل کر لیا گیا اور اس طرح "God the father, God the Son and God the Holy Ghost" پر مشتمل تثلیث وجود میں آئی۔

آیت ۷۳ ﴿لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ ۘ﴾ ’’یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔‘‘

﴿وَمَا مِنۡ اِلٰہٍ اِلَّاۤ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ﴾ ’’جبکہ حقیقتاً نہیں ہے کوئی الٰہ سوائے ایک ہی الٰہ کے۔‘‘

﴿وَاِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہُوۡا عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ﴾ ’’اور اگر یہ باز نہ آئے اس سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں‘‘

﴿لَیَمَسَّنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۳﴾﴾ ’’تو ان میں سے جو کافر ہیں ان پر بہت دردناک عذاب آ کر رہے گا۔‘‘

آیت ۷۴ ﴿اَفَلَا یَتُوۡبُوۡنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَہٗ ؕ﴾ ’’تو کیا یہ لوگ اللہ کی جناب میں توبہ اور اس سے استغفار نہیں کرتے؟‘‘

﴿وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۷۴﴾﴾ ’’اور اللہ تو غفور اور رحیم ہے۔‘‘

آیت ۷۵ ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ﴾ ’’مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک رسول تھے۔‘‘

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ﴾ ’’ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔‘‘

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جو سورۂ آل عمران (آیت ۱۴۴) میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آئے ہیں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ﴾ ’’محمد (ﷺ) اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں‘ اور آپؐ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں‘‘۔ تو اسی طرح فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اللہ کے ایک رسول کی ہے‘ جس طرح ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

﴿وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ﴾ ’’اور ان کی والدہ صدّیقہ تھیں۔‘‘

قبل ازیں ہم سورۃ النساء (آیت ۶۹) میں پڑھ چکے ہیں کہ نبیوں کے بعد سب سے اونچا درجہ صدیقین کا ہے۔ خواتین کو اگرچہ نبوت تو نہیں ملی ہے لیکن انبیاء کے بعد کا جو دوسرا درجہ ہے اس میں بہت چوٹی کی حیثیتیں انہیں ملی ہیں۔ ہماری امت کی صدیقہ الکبریٰ یعنی سب سے بڑی صدیقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں اور صدیق اکبر کی حیثیت اس اُمت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی صدیقہ ہیں۔ اسی طرح حضرت مریمؑ بھی صدیقہ تھیں۔

﴿كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ﴾ ’’دونوں کھانا کھاتے تھے۔‘‘

دونوں انسان تھے‘ بشر تھے اور سارے بشری تقاضے ان کے ساتھ تھے۔

﴿انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾﴾ ’’دیکھو کس طرح ہم ان کے لیے اپنی آیات واضح کرتے ہیں‘ پھر دیکھو کہ وہ کہاں سے اُلٹا دیے جاتے ہیں۔‘‘

آیت ۷۶ ﴿قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ﴾ ’’آپؐ کہیے کیا تم پوجتے ہو اللہ کے سوا انہیں جو تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نفع کا؟‘‘

﴿وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾﴾ ’’جبکہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔‘‘

آیت ۷۷ ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ﴾ ’’کہہ دیجیے اے اہل کتاب‘ اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو‘‘

یہ تم نے حضرت عیسیٰؑ کو محبت اور عقیدت کی وجہ سے جو کچھ بنا دیا ہے‘ وہ سراسر مبالغہ ہے۔ حضور ﷺ کی شان میں بھی مبالغہ آرائی اگر لوگ کرتے ہیں تو محبت کی وجہ سے کرتے ہیں‘ عشق رسول ﷺ کے نام پر کرتے ہیں‘ عقیدت کے غلو کی وجہ سے کرتے ہیں۔ تو غلو (مبالغہ) درحقیقت انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے منع کیا جا رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ''اورمت پیروی کرواُن لوگوں کی بدعات کی جوتم سے پہلے (خودبھی) گمراہ ہوئے''

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے' یہ تثلیث مصر میں زمانۂ قدیم سے موجود تھی' اُسی کوانہوں نے اختیار کیا۔

﴿وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾﴾ ''اورانہوں نے بہت سے دوسرے لوگوں کوبھی گمراہ کیا اورسیدھے راستے سے بھٹک گئے۔''

آیات ۷۸تا۸۶

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓي اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾﴾

آیت ۷۸ ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ﴾ ''لعنت کی گئی اُن لوگوں پرجنہوں نے کفرکیابنی اسرائیل میں سے' داوٗدؑ کی زبان سے اورعیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے بھی۔''

بنی اسرائیل کا جوکردار رہا ہے اس پران کے انبیاء ان کومسلسل لعن طعن کرتے رہے ہیں۔Old Testament میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے حوالے سے اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔New Testament (گوسپلز) میں حضرت مسیح علیہ السلام کے تنقیدی فرمودات بار بار ملتے ہیں' جن میں اکثران کے علماء' احبار اورصوفیاء مخاطب ہیں کہ تم سانپوں کے سنپولیے ہو۔تمہارا

حال ان قبروں جیسا ہے جن کے اوپر تو سفیدی پھری ہوئی ہے' مگر اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے اپنے اوپر صرف مذہبی لبادے اوڑھے ہوئے ہیں' لیکن تمہارے اندر خیانت بھری ہوئی ہے۔ تم مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو' یعنی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تو زوردار بحثیں ہوتی ہیں جبکہ بڑے بڑے گناہ کھلے بندوں کرتے ہو۔ یہ تو یہودی قوم اور ان کے علماء کے کردار کی جھلک ہے ان کے اپنے نبی کی زبان سے' مگر دوسری طرف یہی نقشہ بعینہٖ آج ہمیں اپنے علماءِ سُوء میں بھی نظر آتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی' اور وہ حدود سے تجاوز کر جاتے تھے۔''

آیت ۷۹ ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ﴾ ''یہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے اُن منکرات سے جو وہ کرتے تھے۔''

جس معاشرے سے نہی عن المنکر ختم ہو جائے گا' وہ پورا معاشرہ سنڈاس بن جائے گا۔ یہ تو گویا انتظامِ صفائی ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے اردگرد نگاہ رکھے' ایک دوسرے کو روکتا رہے کہ یہ کام غلط ہے' یہ مت کرو! جس معاشرے سے یہ تنقید اور احتساب ختم ہو جائے گا' اس کے اندر لازماً خرابی پیدا ہو جائے گی۔

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''بہت ہی برا طرزِ عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔''

آیت ۸۰ ﴿تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ﴾ ''تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔''

خود کافروں کے حمایتی بنتے ہیں اور اپنے لیے ان کی حمایت تلاش کرتے ہیں۔

﴿لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ ''بہت ہی بُری کمائی ہے جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے''

یہ ان کے جو کرتوت ہیں وہ سب آگے اللہ کے ہاں جمع ہو رہے ہیں اور ان کا وبال ان پر آئے گا۔

﴿اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''یہ کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ہو گا ان پر''

﴿وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴾ ''اور وہ عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۸۱ ﴿وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ ﴾ ''اور اگر یہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبیؐ پر اور اس پر جو نبیؐ پر نازل کیا گیا (یعنی قرآن حکیم)''

﴿مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ﴾ ''تو پھر انہوں نے اِن (کافروں) کو اپنا ولی نہ بنایا ہوتا''

﴿وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ ''لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

آیت ۸۲ ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ﴾ ''تم لازماً پاؤ گے اہلِ ایمان

کے حق میں شدید ترین دشمن یہود کو اور ان کو جو مشرک ہیں۔‘‘

یہ بہت اہم آیت ہے۔ مکہ کے مشرکین بھی مسلمانوں کے دشمن تھے‘ لیکن ان کی دشمنی کم از کم کھلی دشمنی تھی‘ ان کا دشمن ہونا بالکل ظاہر و باہر تھا‘ وہ سامنے سے حملہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں سے بدترین دشمنی یہود کی تھی‘ وہ آستین کے سانپ تھے اور سازشی انداز میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں مشرکینِ مکہ سے کہیں آگے تھے۔ آج بھی یہود اور ہنود مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے آگے ہیں‘ کیونکہ اس قسم (بت پرستی) کا شرک تو اب صرف ہندوستان میں رہ گیا ہے‘ اور کہیں نہیں رہا۔ ہندوستان کے بھی اب یہ صرف نچلے طبقے میں ہے جبکہ عام طور پر اوپر کے طبقے میں نہیں ہے۔ لیکن بہرحال اب بھی مسلمانوں کے خلاف یہود اور ہنود کا گٹھ جوڑ ہے۔

﴿وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ﴾ ’’اور تم لازماً پاؤ گے مودّت کے اعتبار سے قریب ترین اہلِ ایمان کے حق میں اُن لوگوں کو جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔‘‘

یہ تاریخی حقیقت ہے اور سیرتِ محمدﷺ سے ثابت ہے کہ جس طرح کی شدید دشمنی اُس وقت یہود نے آپﷺ سے کی ویسی نصاریٰ نے نہیں کی۔ حضرت نجاشیؓ (شاہِ حبشہ) نے اُس وقت کے مسلمان مہاجروں کو پناہ دی‘ مقوقس (شاہِ مصر) نے بھی حضورﷺ کی خدمت میں ہدیے بھیجے۔ ہرقل نے بھی حضورﷺ کے نامۂ مبارک کا احترام کیا۔ وہ چاہتا بھی تھا کہ اگر میری پوری قوم مان لے تو ہم اسلام قبول کر لیں۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا‘ جس کا ذکر سورۂ آل عمران (آیت ۶۱) میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ وہ لوگ اگرچہ مسلمان تو نہیں ہوئے مگر ان کا رویّہ انتہائی محتاط رہا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ حضورﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مخالفت میں وہ شدت نہ تھی جو یہودیوں کی مخالفت میں تھی۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ ’’یہ اس لیے کہ ان (عیسائیوں) میں عالم بھی موجود ہیں اور درویش بھی اور (اس لیے بھی کہ) وہ تکبر نہیں کرتے۔‘‘

یعنی عیسائیوں میں اُس وقت تک علمائے حق بھی موجود تھے اور درویش راہب بھی جو واقعی اللہ والے تھے۔ بحیرہ راہب عیسائی تھا جس نے حضورﷺ کو بچپن میں پہچانا تھا۔ اسی طرح ورقہ بن نوفل نے حضورﷺ کی سب سے پہلے تصدیق کی تھی اور بتایا تھا کہ اے محمد (ﷺ) آپ پر وہی ناموس نازل ہوا ہے جو اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) پر نازل ہوا تھا۔ ورقہ بن نوفل تھے تو عرب کے رہنے والے‘ لیکن وہ حق کی تلاش میں شام گئے اور عیسائیت اختیار کی۔ وہ عبرانی زبان میں تورات لکھا کرتے تھے۔ یہ اُس دور کے چند عیسائی علماء اور راہبوں کی مثالیں ہیں۔ لیکن وہ قِسِّیسِین اور رُھبان اب آپ کو عیسائیوں میں نہیں ملیں گے‘ وہ دور ختم ہو چکا ہے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب قرآن نازل ہو رہا تھا۔ اس کے بعد جو صورتِ حال بدلی ہے اور صلیبی جنگوں کے اندر عیسائیت نے جو وحشت و بربریت دکھائی ہے‘ اور عیسائی علماء اور مذہبی پیشواؤں نے جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے اور اپنی قوم سے اس سلسلے میں جو کارنامے انجام دلوائے ہیں وہ تاریخ کے

چہرے پر بہت ہی بدنما داغ ہے۔ ؔ

آیت ۸۳ ﴿وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَی الرَّسُوۡلِ﴾ ''اور جب انہوں نے سنی وہ چیز جو کہ رسول (ﷺ) پر نازل کی گئی تھی''

﴿تَرٰۤی اَعۡیُنَہُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ ۚ﴾ ''تو تم دیکھتے ہو کہ حق کی جو پہچان انہیں حاصل ہوئی اس کے زیر اثر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔''

یہ ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ مکی دَور میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے تو ان کے ذریعے سے وہاں کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر جب مدینہ منورہ میں اسلام کا غلبہ ہو گیا اور عرب میں امن قائم ہو گیا تو ان کا ایک وفد مدینہ آیا جو ستر (۷۰) افراد پر مشتمل تھا اور اس میں کچھ نومسلم بھی شامل تھے۔ آیت زیر نظر میں اس وفد کے ارکان کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے قرآن سنا تو حق کو پہچان لینے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔

﴿یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۸۳﴾﴾ ''(اور) وہ کہہ رہے ہیں' اے ہمارے ربّ ہم ایمان لے آئے' پس تو ہمیں لکھ لے گواہی دینے والوں میں سے۔''

آیت ۸۴ ﴿وَمَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الۡحَقِّ ۙ﴾ ''اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اُس حق پر جو ہم تک پہنچ گیا ہے''

﴿وَنَطۡمَعُ اَنۡ یُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۴﴾﴾ ''اور ہمیں تو بڑی خواہش ہے کہ داخل کرے ہمیں ہمارا ربّ نیکوکار لوگوں کے ساتھ۔''

آیت ۸۵ ﴿فَاَثَابَہُمُ اللّٰہُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ﴾ ''تو اللہ نے ان کے اس قول کے بدلے انہیں وہ باغات عطا کیے جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں' جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿وَذٰلِکَ جَزَآءُ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۸۵﴾﴾ ''اور یہی بدلہ ہے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کا۔''

جو خوش قسمت نفوس اسلام قبول کریں' اور اسلام کے بعد ایمان اور پھر ایمان سے آگے بڑھ کر احسان کے درجے تک پہنچ جائیں ان کا بدلہ یہی ہے۔

آیت ۸۶ ﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ﴿۸۶﴾﴾ ''رہے وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور جھٹلا دیا ہماری آیات کو' تو وہی لوگ ہیں جو جہنمی ہیں۔''

آیات ۸۷ تا ۹۳

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا
یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ
عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ
فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ
بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰی
رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا
اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ
﴿۹۳﴾﴾

کھانے پینے کی چیزوں میں حلّت وحرمت اور تحلیل وتحریم الہامی شریعتوں کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی بار باران مسائل پر بحث کی گئی ہے اور یہ موضوع سورۃ البقرۃ سے مسلسل چل رہا ہے۔ عربوں کے ہاں نسل درنسل رائج مشرکانہ اوہام کی وجہ سے بہت سی چیزوں کے بارے میں حلّت وحرمت کے غلط تصورات ذہنوں میں پختہ ہو چکے تھے۔ اس قسم کے خیالات ذہنوں‘ دلوں اور مزاجوں سے نکلنے میں وقت لگتا ہے۔ اس لیے بار باران مسائل کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

آیت ۸۷ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ’’اے ایمان والو! نہ حرام ٹھہرالو ان چیزوں کو جن کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے‘‘

﴿وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ﴾ ’’اور حد سے تجاوز نہ کرو۔‘‘

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ تقویٰ کے جوش میں اور بہت زیادہ نیکی کمانے کے جذبے میں بھی کئی حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر بیٹھتے ہیں‘ اس لیے فرمایا گیا کہ حد سے تجاوز نہ کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾﴾ ’’یقیناً اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

آیت ۸۸ ﴿وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪﴾ ’’اور کھاؤ ان حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے جو اللہ نے

تمہیں دی ہیں‘‘

یعنی وہ چیزیں جو قانونی طور پر حلال ہوں اور ظاہری طور پر بھی صاف ستھری ہوں۔

﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴿۸۸﴾﴾ ’’اور اُس اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس پر تمہارا ایمان ہے۔‘‘

آیت ۸۹ ﴿لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ﴾ ’’اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرے گا تم سے تمہاری ان قسموں میں جو لغو ہوتی ہیں‘‘

قسموں کے سلسلے میں سورۃ البقرہ (آیت ۲۲۵) میں ہدایات گزر چکی ہیں‘ اب یہاں اس ضمن میں آخری حکم آ رہا ہے۔یعنی ایسی قسمیں جو بغیر کسی ارادے کے کھائی جاتی ہیں‘ ان پر کوئی گرفت نہیں ہے۔جیسے واللہ‘ باللہ وغیرہ کا تکیہ کلام کے طور پر استعمال عربوں کی خاص عادت تھی اور آج بھی ہے۔ظاہر ہے اس کو سن کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ شخص با قاعدہ قسم کھا رہا ہے۔تو ایسی صورت میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

﴿وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ج﴾ ’’لیکن وہ (ضرور) مؤاخذہ کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم نے پختہ کیا ہے۔‘‘

عَقَّدْتُّم عقد سے بابِ تفعیل ہے۔یعنی پورے اہتمام کے ساتھ ایک بات طے کی گئی اور اس پر کسی نے قسم کھائی۔اب اگر ایسی قسم ٹوٹ جائے یا اس کو توڑنا مقصود ہو تو اس کا کفّارہ ادا کرنا ہوگا۔

﴿فَکَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ﴾ ’’سو اس کا کفارہ ہے کھانا کھلانا دس مساکین کو‘ اوسط درجے کا کھانا جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو‘‘

﴿اَوْ کِسْوَتُهُمْ﴾ ’’یا ان کو کپڑے پہنانا‘‘

﴿اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ط﴾ ’’یا کسی غلام کو آزاد کرنا۔‘‘

﴿فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ط﴾ ’’پھر جو کوئی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔‘‘

یعنی اگر کسی کے پاس ان تینوں میں سے کوئی صورت بھی موجود نہ ہو‘ کوئی شخص خود فقیر اور مفلس ہو‘ اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھ لے۔

﴿ذٰلِکَ کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط﴾ ’’یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔‘‘

﴿وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ ط﴾ ’’اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔‘‘

یعنی جب کسی صحیح معاملے میں بالارادہ قسم کھائی جائے تو اسے پورا کیا جائے‘ اور اگر کسی وجہ سے قسم توڑنے کی نوبت آ جائے تو اسے توڑنے کا با قاعدہ کفارہ دیا جائے۔

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾﴾ ''اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح فرما رہا ہے تا کہ تم شکر کرو۔''

اب شراب اور جوئے کے بارے میں بھی آخری حکم آ رہا ہے۔

آیت ۹۰ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾﴾ ''اے اہل ایمان! یقیناً شراب اور جوا' بت اور پانسے' یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے عمل میں سے' تو ان سے بچ کر رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

شراب اور جوئے کے بارے میں تو پہلے بھی حکم آ چکا ہے' لیکن ''اَنصاب'' اور ''اَزلام'' کا یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔ اَنصاب سے مراد بتوں کے استھان ہیں اور اَزلام جوئے ہی کی ایک قسم تھی جس میں اہل عرب تیروں کے ذریعے پانسے ڈالتے تھے' قرعہ اندازی کرتے تھے۔ ان تمام کاموں کو رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ قرار دے دیا گیا۔

آیت ۹۱ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ ''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے شراب اور جوئے کے ذریعے سے''

یہ بہت اہم بات ہے' کیونکہ شراب کے نشے میں انسان اپنا ہوش اور شعور کھو بیٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو کچھ خبر نہیں رہتی کہ وہ منہ سے کیا بکواس کر رہا ہے اور اس کے اَعضاء و جوارح سے کیا افعال سرزد ہو رہے ہیں' لہٰذا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسی حالت میں کسی بات یا کسی حرکت سے کیا کیا گُل کھلیں گے' کیسے کیسے جھگڑے اور فسادات جنم لیں گے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حکومتی اور ریاستی سطح کے بڑے بڑے راز شراب کے نشے میں چُرا لیے جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان چیزوں سے بچانا چاہتا ہے' جبکہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے مابین عداوت اور بغض پیدا کرے۔ اسی طرح جوئے سے بھی بغض وعداوت کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ مثلاً ایک آدمی جوئے میں ہار جاتا ہے' پھر پے در پے ہارتا چلا جاتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ وہ پھٹ پڑتا ہے اور غصّے میں آگ بگولا ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اسے نظر آ رہا ہے کہ میرا جو حریف مجھ سے جیت رہا ہے وہ کسی محنت کی وجہ سے نہیں جیت رہا۔ کسی نے محنت اور کوشش سے کچھ کمایا ہو تو اس سے دوسرے کو جلن محسوس نہیں ہوتی' لیکن جوئے میں بے محنت کی کمائی ہوتی ہے جسے مخالف فریق برداشت نہیں کر سکتا' اور اس طرح انسانی تعلقات میں کئی منفی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔

﴿وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ﴾ ''اور (شیطان یہ بھی چاہتا ہے کہ) تمہیں روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے۔''

اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنے والا معاملہ بھی شراب کا تو بالکل واضح ہے' لیکن جوئے میں بھی یونہی ہوتا ہے کہ آدمی ایک

باراس میں لگ جائے تو پھر وہاں سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔جیسا کہ تاش اور شطرنج وغیرہ بھی ایسے کھیل ہیں کہ ان میں مشغول ہو کر انسان ذکر اور نماز جیسی چیزوں سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔

﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾﴾ ''تو اب باز آتے ہو یا نہیں؟''

یہ انداز بڑا سخت ہے اور اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔شراب اور جوئے کے بارے میں ایک واضح ہدایت قبل ازیں آ چکی تھی:﴿فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۹) ''ان دونوں کے اندر بہت بڑے گناہ کے پہلو ہیں' اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں' البتہ ان کا گناہ کا پہلو نفع کے پہلو سے بڑا ہے''۔تو اسی وقت تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا اور باز آ جانا چاہیے تھا۔اُس پہلے حکم میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت' مشیّت اور شریعت کا رخ تو واضح ہو گیا تھا۔پھر اگلا قدم اٹھایا گیا اور حکم دیا گیا: ''جب تم لوگ شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ......'' (النساء:۴۳)۔اس سے تو پورے طور سے واضح ہو جانا چاہیے تھا کہ دین کا اہم ترین ستون نماز ہے: ((اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ))[(۱)] اور یہ شراب نماز سے روک رہی ہے' تو تمہیں یہ چھوڑ دینی چاہیے تھی۔بہرحال اب آخری بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ گئی ہے' تو اسے سن کر کیا اب بھی باز نہیں آؤ گے؟

آیت ۹۲ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ﴾ ''اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور (ان کی نافرمانی سے) بچتے رہو۔''

﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾﴾ ''پھر اگر تم پیٹھ موڑ لو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) پر تو ذمہ داری ہے بس صاف صاف پہنچا دینے کی۔''

یہ اللہ کا حکم ہے۔اللہ کا حکم پہنچانا رسولؐ کے ذمے تھا' تو رسولؐ نے پہنچا کر اپنی ذمہ داری ادا کر دی' اب معاملہ اللہ کا اور تمہارا ہو گا۔اللہ تم سے نمٹ لے گا' تم سے حساب لے لے گا۔

اب جو اگلی آیت آ رہی ہے یہ بھی قرآن مجید کے فلسفہ اور حکمت کے ضمن میں بہت بنیادی آیت ہے۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب شراب کے بارے میں اتنا سخت انداز آیا کہ شراب اور جوا گندے شیطانی کام ہیں' ان سے باز آتے ہو یا نہیں؟ تو بہت سے مسلمانوں کو تشویش لاحق ہو گئی کہ ہم جو اتنے عرصے تک شراب پیتے رہے تو یہ گندگی تو ہماری ہڈیوں میں بیٹھ گئی ہو گی۔آج سائنس کی زبان میں جیسے کوئی شخص کہے کہ میرے جسم کا تو کوئی ایک خلیہ (cell) بھی ایسا نہیں ہو گا جس میں شراب کے اثرات نہ پہنچے ہوں۔تو اب ہم کیسے پاک ہوں گے؟ اب کس طریقے سے یہ گندگی ہمارے جسموں سے دُھلے گی؟ ان کی یہ تشویش بجا تھی۔جیسے تحویلِ قبلہ کے وقت تشویش پیدا ہو گئی تھی کہ اگر اصل قبلہ بیت اللہ تھا اور ہم بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے تو وہ نمازیں تو ضائع ہو گئیں' اور نماز ہی تو ایمان ہے۔تو اس پر مؤمنین کی تسلی کے لیے فرمایا گیا تھا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ﴾ ''اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے''۔ایسے ہی یہاں ان کی دل جوئی کے لیے فرمایا:

آیت ۹۳ ﴿لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا﴾ ''ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کوئی گناہ نہیں ہے اس میں جو وہ (پہلے) کھا پی چکے''

کسی شے کی حرمت کے قطعی حکم آنے سے پہلے جو کچھ کھایا پیا گیا' اس کا کوئی گناہ ان پر نہیں رہے گا۔ یہ کوئی ہڈیوں میں بیٹھ جانے والی شے نہیں ہے' یہ تو شرعی اور اخلاقی قانون (Moral Law) کا معاملہ ہے' طبعی قانون (Physical Law) کا نہیں ہے۔ طبعی (Physical) طور پر تو کچھ چیزوں کے اثرات واقعی دائمی ہو جاتے ہیں' لیکن Moral Law کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ گناہ تو اُحد پہاڑ کے برابر بھی ہوں تو سچی توبہ سے بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ از روئے حدیث نبویؐ: ((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَہٗ))[1] ''گناہ سے حقیقی توبہ کرنے والا بالکل ایسے ہے جیسے اس نے کبھی وہ گناہ کیا ہی نہیں تھا''۔ صدقِ دل سے توبہ کی جائے تو نامۂ اعمال بالکل دھل جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی کسی تشویش کو بالکل اپنے قریب مت آنے دو۔

﴿اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاَحۡسَنُوۡا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں' پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں' پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور درجۂ احسان پر فائز ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔''

یہ دراصل تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ 'اسلام' ہے۔ یعنی اللہ کو مان لیا' رسولؐ کو مان لیا اور اس کے احکام پر چل پڑے۔ اس سے اوپر کا درجہ 'ایمان' ہے' یعنی دِل کا کامل یقین' جو ایمان کے دل میں اُتر جانے سے حاصل ہوتا ہے۔ ﴿وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ﴾ (الحجرات:۷) کے مصداق ایمان قلب میں اُتر جائے گا تو اعمال کی کیفیت بدل جائے گی' اعمال میں ایک نئی شان پیدا ہو جائے گی' زندگی کے اندر ایک نیا رنگ آ جائے گا جو کہ خالص اللہ کا رنگ ہو گا۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿صِبۡغَۃَ اللّٰہِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبۡغَۃً ۫﴾ (البقرۃ:۱۳۸)۔ اور اس سے بھی آگے جب ایمان ''عین الیقین'' کا درجہ حاصل کر لے تو یہی درجۂ احسان ہے۔ حدیثِ نبویؐ میں اس کی کیفیت یہ بیان ہوئی ہے: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ))[2] ''یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے' اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا (یہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی) تو پھر (یہ کیفیت تو پیدا ہونی چاہیے کہ) وہ تو تجھے دیکھتا ہے''۔ یعنی تم اللہ کی بندگی کرو' اللہ کے لیے جہاد کرو' اس کی راہ میں بھاگ دوڑ کرو' اور اس میں تقویٰ کی کیفیت ایسی ہو جائے کہ جیسے تم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

احسان کی یہ تعریف ''حدیثِ جبرائیل'' میں موجود ہے۔ اس حدیث کو اُمّ السُّنَّۃ کہا گیا ہے' جیسے سورۃ الفاتحہ کو اُمّ القرآن کا نام دیا گیا ہے۔ جس طرح سورۃ الفاتحہ اساس القرآن ہے' اسی طرح حدیثِ جبرائیلؑ سنت کی اساس ہے۔ اس

حدیث میں ہمیں یہ تفصیل ملتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں حضور ﷺ کے پاس آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا' وہاں انہوں نے کچھ سوالات کیے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہلا سوال اسلام کے بارے میں کیا: یَامُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ! اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر تمہیں اس کے لیے سفر کی استطاعت ہو''۔ یعنی اسلام کے ضمن میں اعمال کا ذکر آ گیا۔ پھر جبرائیلؑ نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتلایئے! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' یومِ آخرت پر اور تقدیر کی اچھائی اور برائی پر''۔ اب یہاں یہ نکتہ غور طلب ہے کہ ایمان تو اسلام میں بھی موجود ہے' یعنی زبانی اور قانونی ایمان' لیکن دوسرے درجے میں ایمان کو اسلام سے علیحدہ کیا گیا ہے اور اعمالِ صالحہ کا تعلق ایمان کے بجائے اسلام سے بتایا گیا ہے۔ اس لیے کہ جب ایمان دل میں اُتر کر یقین کی صورت اختیار کر جائے تو پھر اعمال کا ذکر الگ سے کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایمان کے اس مرحلے پر اعمال لازماً درست ہو جائیں گے۔ پھر ایمان جب دل میں مزید گہرا اور پختہ ہوتا ہے تو اعمال بھی مزید درست ہوں گے۔ یوں سمجھئے کہ جتنا جتنا درخت اوپر جا رہا ہے اسی نسبت سے جڑ نیچے گہرائی میں اتر رہی ہے۔ ایمان کی جڑ نے دل کی زمین میں قرار پکڑا تو اسلام سے ایمان بن گیا۔ جب یہ جڑ مزید گہری ہوئی تو تیسری منزل یعنی احسان تک رسائی ہو گئی اور یہاں اعمال میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ چنانچہ جب حضرت جبرائیلؑ نے احسان کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو......'' آپؐ کا جواب تین روایتوں میں تین مختلف الفاظ میں نقل ہوا ہے: (۱) اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ...... (۲) اَنْ تَخْشَی اللّٰہَ تَعَالٰی کَاَنَّکَ تَرَاہُ ...... [۱] (۳) اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰہِ کَاَنَّکَ تَرَاہُ [۲]۔ اگلے الفاظ: ((فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ)) تینوں روایتوں میں یکساں ہیں۔ یعنی ایک بندۂ مؤمن اللہ کی بندگی' اللہ کی پرستش' اللہ کے لیے بھاگ دوڑ' اللہ کے لیے عمل' اللہ کے لیے جہاد ایسی کیفیت سے سرشار ہو کر کر رہا ہو گویا وہ اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو جب اللہ سامنے ہو گا' تو پھر کیسے کچھ ہمارے جذباتِ عبدیت ہوں گے' کیسی کیسی ہماری قلبی کیفیات ہوں گی۔ اس دنیا میں بھی یہ کیفیت حاصل ہو سکتی ہے' لیکن یہ کیفیت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو سکے تو احسان کا ایک اس سے نچلا درجہ بھی ہے۔ یعنی کم از کم یہ بات ہر وقت مستحضر رہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ تو یہ ہیں وہ تین درجے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

''تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں'' مولانا مودودی مرحوم کی ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں مولانا نے اسلام' ایمان' احسان اور تقویٰ چار مراتب بیان کیے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک تقویٰ علیحدہ سے کوئی مرتبہ و مقام نہیں ہے۔ تقویٰ وہ روح (spirit) اور وہ قوتِ محرکہ (driving force) ہے جو انسان کو نیکی کی طرف دھکیلتی اور اُبھارتی ہے۔ چنانچہ آیت زیرِ نظر میں تقویٰ کی تکرار کا مفہوم یوں ہے کہ تقویٰ نے آپ کو baseline سے اوپر اٹھایا اور اب آپ کے ایمان اور عمل صالح میں اور رنگ پیدا ہو گیا ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾۔ پھر تقویٰ میں مزید اضافہ ہوا اور تقویٰ نے آپ کو مزید اوپر اٹھایا تو اب وہ یقین والا ایمان پیدا ہو گیا ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾۔ اب یہاں عمل صالح کے علیحدہ ذکر کی ضرورت ہی نہیں۔ جب دل

میں ایمان اُتر گیا تو اعمال خود بخود درست ہو گئے۔ پھر تقویٰ اگر مزید رو بہ ترقی ہے ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا﴾ تو اس کے نتیجے میں ﴿وَّاَحْسَنُوْا﴾ کا درجہ آ جائے گا‘ یعنی انسان درجۂ احسان پر فائز ہو جائے گا۔ (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ آمین!)

ایمان اور تقویٰ سے اعمال کی درستی کے ضمن میں نبی اکرمﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہنا چاہیے:

((اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً ‘ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ ‘ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ ‘ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ)) (۱)

’’آگاہ رہو‘ یقیناً جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے‘ جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ’’اور اللہ ایسے محسن بندوں کو محبوب رکھتا ہے۔‘‘

اللہ کے جو بندے درجۂ احسان تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس کے محبوب بن جاتے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ (آیت ۷۱) میں پہلے ایک غلط راستے کی نشاندہی کی گئی تھی: ﴿فَعَمُوْا وَصَمُّوْا...... ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا......﴾ یہ گمراہی وضلالت کے مختلف مراحل کا ذکر ہے کہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے‘ اللہ نے پھر ڈھیل دی تو اس پر وہ اور بھی اندھے اور بہرے ہو گئے‘ اللہ نے مزید ڈھیل دی تو وہ اور زیادہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ اُس راستے پر انسان قدم بہ قدم گمراہی کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ مگر ایک راستہ یہ ہے‘ ہدایت کا راستہ‘ اسلام‘ ایمان‘ احسان‘ اور تقویٰ کا راستہ۔ یہاں انسان کو درجہ بہ درجہ ترقی ملتی چلی جاتی ہے۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۰

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُہٗٓ اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّخَافُہٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَہٗ مِنْکُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ ھَدْیًام بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ اَوْ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ ؕ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِلسَّیَّارَۃِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّھْرَ الْحَرَامَ وَالْھَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ

وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ قُلۡ لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوۡ اَعۡجَبَکَ کَثۡرَۃُ الۡخَبِیۡثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

اس سورۂ مبارکہ کے شروع میں حالتِ احرام میں شکار کرنے کی ممانعت آ چکی ہے۔اب اللہ کی اس سنت کا ذکر ہے کہ اللہ اپنے ماننے والوں کو آزماتا ہے‘ سخت ترین امتحان لیتا ہے۔فرض کیجیے کہ حاجیوں کا ایک قافلہ جا رہا ہے‘ سب نے احرام باندھا ہوا ہے‘ اتفاق سے ان کے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں۔اب ایک ہرن اٹھکیلیاں کرتے ہوئے قریب آ رہا ہے‘ بھوک بھی ستا رہی ہے‘ ضرورت بھی ہے‘ چاہیں تو ذرا سا نیزہ ماریں اور شکار کر لیں یا ویسے ہی بھاگ کر پکڑ لیں‘ لیکن پکڑ نہیں سکتے‘ شکار نہیں کر سکتے‘ کیونکہ احرام میں ہیں اور اس حالت میں اجازت نہیں ہے۔تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح آزماتا ہے۔

آیت ۹۴ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَیَبۡلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیۡءٍ مِّنَ الصَّیۡدِ﴾ ’’اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ تمہیں لازماً آزمائے گا کسی ایسے شکار کے ذریعے‘‘

﴿تَنَالُہٗۤ اَیۡدِیۡکُمۡ وَرِمَاحُکُمۡ﴾ ’’جس کو پہنچتے ہوں گے (آسانی سے) تمہارے ہاتھ اور نیزے‘‘

﴿لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّخَافُہٗ بِالۡغَیۡبِ ۚ﴾ ’’تاکہ اللہ دیکھ لے اُن لوگوں کو جو غیب میں ہوتے ہوئے بھی اُس سے ڈرتے رہتے ہیں۔‘‘

شکار پہنچ میں بھی ہے‘ ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہے‘ ضرورت بھی ہے‘ چاہیں تو شکار کر لیں‘ لیکن مجبور ہیں‘ کیونکہ احرام باندھا ہوا ہے۔تو جس کے دل میں ایمان ہوگا وہ اپنی بھوک کو برداشت کرے گا‘ اللہ کے حکم کو نہیں توڑے گا۔

﴿فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۹۴﴾﴾ ’’اب اس کے بعد جس نے زیادتی کی تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

آیت ۹۵ ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡتُلُوا الصَّیۡدَ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ﴾ ’’اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل مت کرو۔‘‘

﴿وَمَنۡ قَتَلَہٗ مِنۡکُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ ’’تو جو کوئی تم میں سے اسے قتل (شکار) کر بیٹھے جان بوجھ کر‘ تو پھر اس کا کفارہ ہوگا اسی طرح کا ایک چوپایہ جیسا کہ اُس نے قتل کیا‘‘

کفارے کے طور پر اللہ کی راہ میں ویسا ہی ایک چوپایہ صدقہ کیا جائے گا۔یعنی اگر آپ نے ہرن مارا تو بکری یا بھیڑ دی جائے گی اور اگر نیل گائے ماردی تو پھر گائے بطور کفارہ دینا ہوگی۔اس طرح جس قسم اور جس جسامت کا حیوان شکار کیا گیا ہے‘ اس کے برابر کا چوپایہ صدقہ کرنا ہوگا۔

﴿یَحۡکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ﴾ ’’جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے‘‘

یعنی دو متقی اور معتبر اشخاص اس کی گواہی دیں کہ یہ جانور اس شکار کیے جانے والے جانور کے برابر ہے۔

﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ ''یہ نذر کی حیثیت سے خانہ کعبہ تک پہنچایا جائے''
یہ جانور ہدی کے طور پر خانہ کعبہ کی نذر کیا جائے گا۔
﴿اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ﴾ ''یا پھر اس کا کفارہ ہے کچھ مساکین کو کھانا کھلانا''
اس میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اناج یا رقم دینا ہو تو وہ صدقۂ فطر کے حساب سے ہوگی۔
﴿اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ ''یا اتنے ہی روزے رکھنا''
یہ دیکھنا ہوگا کہ جو جانور شکار ہوا ہے اسے کتنے آدمی کھا سکتے تھے۔ اتنے آدمیوں کو کھانا کھلایا جائے یا اتنے دن کے روزے رکھے جائیں۔
﴿لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ﴾ ''تاکہ وہ اپنے کیے کی سزا چکھے۔''
﴿عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ﴾ ''اللہ معاف کر چکا ہے جو پہلے ہو چکا ہے۔''
﴿وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾﴾ ''لیکن جو کوئی پھر ایسا کرے گا تو اللہ اُس سے انتقام لے گا' اور یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست ہے' انتقام لینے والا۔''

آیت ۹۶ ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ﴾ ''(البتہ) تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے سمندر کا شکار اور اُس کا کھانا''
سمندر اور دریا کا شکار حالتِ احرام میں بھی حلال ہے۔ حاجی لوگ اگر کشتیوں اور بحری جہازوں کے ذریعے سے سفر کر رہے ہوں تو وہ احرام کی حالت میں بھی مچھلی وغیرہ کا شکار کر سکتے ہیں۔
﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ﴾ ''تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے زادِ راہ کے طور پر۔''
سمندر کی خوراک (sea food) تو یوں سمجھ لیجیے کہ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے غذا کا ایک نیا خزانہ ہے جو سامنے آیا ہے۔ یہ بہت سی خرابیوں اور بیماریوں سے بچانے والی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں یہ آج کل بہت مقبول ہو رہی ہے۔
﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ﴾ ''لیکن خشکی پر شکار کرنا تمہارے لیے حرام کر دیا گیا ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو۔''
﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو جس کی طرف تمہیں جمع کر دیا جائے گا۔''
تم سب اُس کی طرف گھیر اؤ کر کے لے جائے جاؤ گے۔

آیت ۹۷ ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ ''اللہ نے کعبے کو' جو کہ بیت الحرام ہے' لوگوں کے

قیام کا باعث بنا دیا ہے"

﴿وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ط﴾ "اور حرمت والا مہینہ، قربانی کے جانور اور وہ جانور بھی جن کے گلوں میں پٹے ڈال دیے گئے ہوں"

یہ سب اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں اور اسی کے معیّن کردہ ہیں۔ سورۃ کے شروع میں بھی ان کا ذکر آ چکا ہے۔ یہاں دراصل توثیق ہو رہی ہے کہ یہ سب چیزیں زمانہ جاہلیت کی روایات نہیں ہیں بلکہ خانہ کعبہ کی حُرمت اور عظمت کی علامت ہیں۔

﴿ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ "یہ اس لیے کہ تم اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کی ہر شے کا علم ہے"

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴿۹۷﴾﴾ "اور یہ کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔"

آگے چل کر اِن چیزوں کے مقابلے میں اُن چار چیزوں کا ذکر آئے گا جو اہلِ عرب کے ہاں بغیر کسی سند کے حرام کر لی گئی تھیں۔

آیت ۹۸ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۹۸﴾﴾ "جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ غفور اور رحیم بھی ہے۔"

یعنی اُس کی تو دونوں شانیں ایک ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اب دیکھو کہ تم اپنے آپ کو کس شان کے ساتھ متعلق کر رہے ہو اور خود کو کیسے سلوک کا مستحق بنا رہے ہو؟ اس کی عقوبت کا یا اس کی رحمت اور مغفرت کا؟

آیت ۹۹ ﴿مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط﴾ "رسول (ﷺ) پر سوائے پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔"

﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾ "اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا تو باقی ساری ذمہ داری اب تمہاری ہے۔

آیت ۱۰۰ ﴿قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَةُ الْخَبِیْثِ ج﴾ "(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے، چاہے ناپاک شے کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔"

انسان تو چاہتا ہے کہ اُس کے پاس ہر شے کی بہتات ہو، لیکن ناجائز اور حرام طریقے سے کمایا ہوا مال اگرچہ کثرت سے جمع ہو گیا ہو مگر ہے تو خبیث اور ناپاک ہی۔ بے شک اس کی چکا چوند تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہو مگر اس میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بقول علّامہ اقبالؔ:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اے ہوش مندو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۸

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ ۚ وَاِنۡ تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡهَا حِیۡنَ
یُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَکُمۡ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدۡ سَاَلَهَا قَوۡمٌ مِّنۡ قَبۡلِکُمۡ ثُمَّ
اَصۡبَحُوۡا بِهَا کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِیۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰکِنَّ الَّذِیۡنَ
کَفَرُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ ؕ وَاَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ
اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ کَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا
وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ ؕ اِلَی
اللّٰهِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا شَهَادَةُ بَیۡنِکُمۡ اِذَا
حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ حِیۡنَ الۡوَصِیَّةِ اثۡنٰنِ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ اَوۡ اٰخَرٰنِ مِنۡ غَیۡرِکُمۡ اِنۡ اَنۡتُمۡ
ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَاَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَةُ الۡمَوۡتِ ؕ تَحۡبِسُوۡنَهُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ فَیُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ
اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ لَا نَشۡتَرِیۡ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی ۙ وَلَا نَکۡتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ
الۡاٰثِمِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنۡ عُثِرَ عَلٰۤی اَنَّهُمَا اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا فَاٰخَرٰنِ یَقُوۡمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِیۡنَ اسۡتَحَقَّ
عَلَیۡهِمُ الۡاَوۡلَیٰنِ فَیُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعۡتَدَیۡنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجۡهِهَاۤ اَوۡ یَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَیۡمَانٌۢ بَعۡدَ
اَیۡمَانِهِمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾﴾

آیت ۱۰۱ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡیَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَکُمۡ تَسُؤۡکُمۡ ۚ﴾ ''اے اہل ایمان! اُن چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔''

یہ ایک خاص قسم کی مذہبی ذہنیت کا تذکرہ ہے۔ بعض لوگ بلا ضرورت ہر بات کو کھودنے‘ کریدنے اور بال کی کھال اُتارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر کسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود خاموشی اختیار فرمائی ہے تو اس بارے میں خواہ مخواہ سوال کرنا اپنی ذمہ داری کو بڑھانے والی بات ہے۔ چنانچہ حج کے بارے میں جب سورۂ آل عمران (آیت ۹۷) میں حکم

نازل ہوا تو ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے سوال سن لیا لیکن رُخِ مبارک دوسری طرف کرلیا۔ اب وہ صاحب اُدھر تشریف لے آئے اور پھر عرض کیا' حضور کیا حج ہر سال فرض ہے؟ حضور ﷺ نے پھر اعراض فرمایا۔ جب انہوں نے یہی سوال تیسری مرتبہ کیا تو پھر آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ دیکھو اگر میں ہاں کہہ دوں تو تم لوگوں پر قیامت تک کے لیے ہر سال حج فرض ہو جائے گا۔ جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے احتمال رکھا ہے اُس میں تمہاری بہتری ہے۔ جو شخص ہر سال کر سکتا ہو وہ ہر سال کرلے' لیکن فرضیت کے ساتھ ہر سال کی قید اللہ نے نہیں لگائی ہے۔ بے جا سوال کر کے تم اپنے لیے تنگی پیدا نہ کرو۔ جیسے گائے کے معاملے میں بنی اسرائیل نے کیا تھا کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اس کی عمر کیا ہو؟ اور کیسی گائے ہو؟ وغیرہ وغیرہ' جتنے سوالات کرتے گئے اتنی ہی شرائط لاگو ہوتی گئیں۔ اس نوعیت کے سارے سوال اسی ضمن میں آتے ہیں۔

﴿وَاِنۡ تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡهَا حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَلَـكُمۡ ؕ﴾ ''اور اگر تم سوال کرو گے ایسی چیزوں کے بارے میں جبکہ ابھی قرآن کا نزول جاری ہے تو تمہارے لیے وہ ظاہر کر دی جائیں گی۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت کئی چیزوں کو پردے میں رکھا ہے' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان کو ظاہر کرنے میں تمہارے لیے تنگی ہو جائے گی' بوجھ زیادہ ہو جائے گا' یہ تم پر گراں گزریں گی۔ لیکن اگر سوال کرو گے تو پھر ان کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ۝۱۰۱﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اس میں درگزر سے کام لیا ہے' اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔''

بعض چیزوں کے بارے میں جو اللہ نے تم پر نرمی کی ہے اور تمہیں تنگی سے بچایا ہے' وہ اس لیے ہے کہ وہ غفور اور حلیم ہے۔ یہ کسی نسیان' بھول یا غلطی کی وجہ سے نہیں ہوا (معاذ اللہ!)

آیت ۱۰۲ ﴿قَدۡ سَاَلَهَا قَوۡمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ثُمَّ اَصۡبَحُوۡا بِهَا كٰفِرِيۡنَ ۝۱۰۲﴾ ''تم سے پہلے ایک قوم (اہل کتاب) نے اس قسم کے سوالات کیے تھے اور پھر وہ ان کا انکار کرنے والے بن گئے تھے۔''

اب یہاں ان چار چیزوں کا ذکر آ رہا ہے جو ان کے ہاں خواہ مخواہ بہت زیادہ مقدس ہوگئی تھیں۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے اُن چار شعائر کے مقابلے کی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر پیچھے آیت ۹۷ میں ہوا ہے: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الۡـكَعۡبَةَ الۡبَيۡتَ الۡحَـرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهۡرَ الۡحَـرَامَ وَالۡهَدۡىَ وَالۡقَلَاۤئِدَ ؕ﴾ وہاں ان چار چیزوں کی توثیق کی گئی تھی کہ وہ واقعتاً اللہ کی شریعت کے اجزاء ہیں' ان کا احترام اور ان کی حرمت کو ملحوظ رکھنا اہل ایمان پر لازم ہے۔ لیکن یہاں توجہ دلائی جا رہی ہے کہ کچھ چیزیں تمہارے ہاں ایسی رائج ہیں جو دورِ جاہلیت کے مشرکانہ اوہام کی یادگاریں ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

آیت ۱۰۳ ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَاۤئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾ ''اللہ نے نہ تو بحیرہ کو کچھ چیز بنایا ہے' نہ سائبہ' نہ وسیلہ اور نہ حام کو''

ان چیزوں کے تقدس کی اللہ کے طرف سے کوئی سند نہیں۔ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کے بارے میں بہت سے اقوال

ہیں‘ لیکن جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کی جو تفصیل بیان کی ہے‘ وہ صحیح بخاری (کتاب تفسیر القرآن) میں وارد ہوئی ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اسے اپنے حواشی میں نقل کیا ہے۔ بحیرہ: ایسا جانور جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیا جاتا تھا اور کوئی اسے اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔ سائبہ: وہ جانور جو بتوں کے نام پر‘ ہمارے زمانے کے سانڈ کی طرح‘ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وصیلہ: جو اونٹنی مسلسل مادہ بچوں کو جنم دیتی اور درمیان میں کوئی نر بچہ پیدا نہ ہوتا‘ اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حام: نر اونٹ جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہوتا‘ اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس طرح کے جانوروں کو بتوں کے نام منسوب کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا کہ اب انہیں کوئی ہاتھ نہ لگائے‘ کوئی ان سے استفادہ نہ کرے‘ کوئی ان کا گوشت کھائے نہ صدقہ دے‘ نہ ان سے کوئی خدمت لے‘ بس ان کا احترام کیا جائے۔ لہٰذا واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کوئی احکام نہیں دیے گئے‘ بلکہ فرمایا:

﴿وَّلٰـكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳﴾ ”لیکن یہ کافر اللہ پر افترا کرتے ہیں‘ اور ان کی اکثریت عقل سے عاری ہے۔“

یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگاتے رہتے ہیں۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ﴾ ”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور آؤ اللہ کے رسول کی طرف“

اس حکم (کہ آؤ اللہ کے رسول کی طرف) کی ترجمانی علامہ اقبال نے کیا خوبصورت الفاظ میں کی ہے:

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبیست

﴿قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ﴾ ”وہ کہتے ہیں ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا۔“

یعنی ہمارے آباء واجداد جو اتنے عرصے سے ان چیزوں پر عمل کرتے چلے آرہے تھے تو کیا وہ جاہل تھے؟ یہی باتیں آج بھی سننے کو ملتی ہیں۔ کسی رسم کے بارے میں آپ کسی کو بتائیں کہ اس کی دین میں کوئی سند نہیں ہے اور صحابہؓ کے ہاں اس کا کوئی وجود نہ تھا تو اس کا جواب ہوگا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو یونہی کرتے دیکھا ہے۔

﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴﴾ ”خواہ ان کے آباء واَجداد ایسے رہے ہوں کہ نہ انہیں کوئی علم حاصل ہوا ہو نہ ہی وہ ہدایت پر ہوں (پھر بھی)؟“

جیسے تم اللہ کی مخلوق ہو ویسے ہی وہ بھی مخلوق تھے۔ جیسے تم غلط کام کر سکتے ہو اور غلط آراء قائم کر سکتے ہو‘ ویسے ہی وہ بھی غلط کار ہو سکتے تھے۔

آیت ۱۰۵ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو‘ تم پر ذمہ داری ہے صرف

اپنی جانوں کی۔''

﴿لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ ؕ﴾ ''جو کوئی گمراہ ہو جائے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا' جبکہ تم ہدایت پر ہو۔''

﴿اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے' اور وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس کا ایک غلط مطلب اور مفہوم دورِ صحابہؓ میں ہی بعض لوگوں نے نکال لیا تھا۔ وہ یہ کہ دعوت و تبلیغ کی کوئی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے' ہر ایک پر اپنی ذات کی ذمہ داری ہے' کوئی کیا کرتا ہے اس سے کسی دوسرے کو کچھ غرض نہیں ہونی چاہیے۔ قرآن جو کہہ رہا ہے کہ ''تم پر ذمہ داری صرف اپنی جانوں کی ہے۔ اگر تم ہدایت پر ہو تو جو گمراہ ہوا وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا''۔ لہٰذا ہر کسی کو بس اپنا عمل درست رکھنا چاہیے' کوئی دوسرا شخص اگر غلط کام کرتا ہے تو اسے خواہ مخواہ روکنے ٹوکنے' اس کی ناراضگی مول لینے' اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کی باتیں جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں آئیں تو آپؓ نے باقاعدہ ایک خطبہ دیا کہ لوگو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس آیت کا مطلب غلط سمجھ رہے ہو۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہاری ساری تبلیغ' کوشش' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باوجود اگر کوئی شخص گمراہ رہتا ہے تو اس کا تم پر کوئی وبال نہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَّلَا تُسۡئَلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی جہنمیوں کے بارے میں''۔ یعنی ہم یہ نہیں پوچھیں گے کہ ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا تھا اور پھر بھی یہ لوگ جہنّم میں کیوں چلے گئے؟ لیکن جہاں تک دعوت و تبلیغ' نصیحت و موعظت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے' یہ تو فرائض میں سے ہیں۔ اس آیت کی رو سے یہ فرائض ساقط نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کا درست مفہوم یہ ہے کہ تمہاری ساری کوشش کے باوجود اگر کوئی شخص نہیں مانتا تو اب تمہاری ذمہ داری پوری ہو گئی۔ فرض کیجیے کہ کسی کا بچہ آوارہ ہو گیا ہے' والد اپنی امکانی حد تک کوشش کیے جا رہا ہے مگر بچہ راہِ راست پر نہیں آ رہا' تو ظاہر بات ہے کہ اگر اُس نے بچے کی تربیت اور اصلاح میں کوئی کوتاہی نہیں چھوڑی تو اللہ کی طرف سے اس کی گمراہی کا وبال والد پر نہیں آئے گا۔ لیکن اپنا فرض ادا کرنا بہر حال لازم ہے۔

آیت ۱۰۶ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا شَهَادَةُ بَیۡنِکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ حِیۡنَ الۡوَصِیَّةِ اثۡنٰنِ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ﴾ ''اے اہلِ ایمان' تمہارے درمیان شہادت (کا نصاب) ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے اور وہ وصیّت کر رہا ہو' تو تم میں سے دو معتبر اشخاص (بطور گواہ) موجود ہوں''

یعنی موت سے قبل وصیت کے وقت اپنے لوگوں میں سے دو گواہ (مرد) مقرر کر لو۔ واضح رہے کہ وصیت کل ترکے کے ایک تہائی حصے سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی۔ اگر جائیداد زیادہ ہے تو اس کا ایک تہائی حصہ بھی خاصا زیادہ ہو سکتا ہے۔

﴿اَوۡ اٰخَرٰنِ مِنۡ غَیۡرِکُمۡ اِنۡ اَنۡتُمۡ ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَاَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَۃُ الۡمَوۡتِ ؕ﴾ ''یا دوسرے دو آدمی تمہارے غیروں میں سے اگر تم زمین میں سفر پر (نکلے ہوئے) ہو اور (حالت سفر میں) تمہیں موت کی مصیبت پیش آجائے۔''

یعنی حالتِ سفر میں اگر کسی کی موت کا وقت آ پہنچے اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو ایسی صورت میں گواہان غیر قوم' کسی دوسری بستی' کسی دوسری برادری اور دوسرے قبیلے سے بھی مقرر کیے جا سکتے ہیں' مگر عام حالات میں اپنی بستی' اپنے خاندان میں رہتے ہوئے کوئی شخص انتقال کر رہا ہے تو اسے وصیّت کے وقت اپنے لوگوں' رشتہ داروں اور قرابت داروں میں سے ہی دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنانا چاہیے۔

﴿تَحۡبِسُوۡنَہُمَا مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوۃِ﴾ ''تم ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو''

یعنی جب وصیت کے بارے میں متعلقہ لوگ پوچھیں اور اس میں کچھ شک کا احتمال ہو تو نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو مسجد میں روک لیا جائے۔

﴿فَیُقۡسِمٰنِ بِاللّٰہِ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ﴾ ''پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں' اگر تمہیں شک ہو''

اگر تمہیں ان کے بارے میں کوئی شک ہو کہ کہیں یہ وصیّت کو بدل نہ دیں' کہیں ان سے غلطی نہ ہو جائے تو تم ان سے قسم اٹھوا لو۔ وہ نماز کے بعد مسجد میں حلف کی بنیاد پر شہادت دیں' اور اس طرح کہیں:

﴿لَا نَشۡتَرِیۡ بِہٖ ثَمَنًا وَّلَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی﴾ ''ہم اس کی کوئی قیمت وصول نہیں کریں گے' اگرچہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو''

یعنی ہم اس شہادت سے نہ تو خود کوئی ناجائز فائدہ اٹھائیں گے' نہ کسی کے حق میں کوئی ناانصافی کریں گے اور نہ ہی کسی رشتہ دار عزیز کو کوئی ناجائز فائدہ پہنچائیں گے۔

﴿وَلَا نَکۡتُمُ شَہَادَۃَ اللّٰہِ﴾ ''اور نہ ہم چھپائیں گے اللہ کی گواہی کو''

غور کریں گواہی اتنی عظیم شے ہے کہ اسے شَهَادَةَ اللّٰهِ کہا گیا ہے' یعنی اللہ کی گواہی' اللہ کی طرف سے امانت۔

﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الۡاٰثِمِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿فَاِنۡ عُثِرَ عَلٰۤی اَنَّہُمَا اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا﴾ ''پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ کمایا ہے''

حلفیہ بیان بھی غلط دیا ہے اور وصیّت میں ترمیم کی ہے' اس کے باوجود کہ نماز کے بعد مسجد کے اندر حلف اٹھا کر بات کر رہے ہیں۔ آخر انسان ہیں اور ہر معاشرے میں ہر طرح کے انسان ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

﴿فَاٰخَرٰنِ یَقُوۡمٰنِ مَقَامَهُمَا﴾ ''تو اب دو اور لوگ ان کی جگہ پر کھڑے ہوں''
﴿مِنَ الَّذِیۡنَ اسۡتَحَقَّ عَلَیۡهِمُ الۡاَوۡلَیٰنِ﴾ ''ان لوگوں میں سے جن کی حق تلفی کی ہے ان پہلے دو لوگوں نے''
اب وہ کھڑے ہو کر کہیں گے کہ یہ لوگ ہمارا حق تلف کر رہے ہیں' انہوں نے وصیت کے اندر خیانت کی ہے۔
﴿فَیُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا﴾ ''پس وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ برحق ہے ان دونوں کی گواہی سے''
﴿وَمَا اعۡتَدَیۡنَاۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿١٠٧﴾﴾ ''اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے' اگر ایسا ہو تو یقیناً ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔''

آیت ١٠٨ ﴿ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجۡهِهَاۤ﴾ ''یہ طریقہ کار قریب تر ہے کہ اس سے لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت پیش کریں''
﴿اَوۡ یَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَیۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ ؕ﴾ ''یا (کم از کم) انہیں خوف رہے کہ ہماری قسمیں ان کی قسموں کے بعد ردّ کر دی جائیں گی۔''
کیونکہ انہیں معلوم ہوگا کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھا بھی لی' اور پھر اگر دوسرا فریق بھی قسم کھا گیا' تو ہمارا منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا۔ لہٰذا وہ اس کی ہمت نہیں کریں گے۔
﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسۡمَعُوۡا ؕ﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سن رکھو۔''
﴿وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿١٠٨﴾﴾ ''اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اسی طرح کا معاملہ سورۃ النور (آیات ٦ تا ٩) میں بھی مذکور ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے اور اس کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہو تو وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔ تو اُس ایک شخص کی گواہی چار گواہوں کے برابر ہو جائے گی۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی بتایا ہے' کہ اگر بیوی بھی چار مرتبہ قسم کھا کر کہہ دے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے' مجھ پر تہمت لگا رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر اس کا الزام درست ہو' تو شوہر کی گواہی ساقط ہو جائے گی۔ اس طرح دونوں طرف سے اللہ تعالیٰ نے معاملے کو متوازن کیا ہے۔

اب آخری دو رکوع اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے مکالمے کا نقشہ کھینچا گیا ہے' جو قیامت کے دن ہوگا۔ اور اس کے پس منظر میں گویا ایک پوری داستان ہے' جو ایک نئی شان سے سامنے آئی ہے۔

آیات ۱۰۹ تا ۱۱۵

﴿یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذۡ
قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡکُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡتُّکَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟ قف
تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا ۚ وَ اِذۡ عَلَّمۡتُکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ۚ وَ اِذۡ تَخۡلُقُ
مِنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡہَا فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَ تُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِیۡ ۚ
وَ اِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِیۡ ۚ وَ اِذۡ کَفَفۡتُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡکَ اِذۡ جِئۡتَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیۡنَ
کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَ بِرَسُوۡلِیۡ ۚ قَالُوۡۤا
اٰمَنَّا وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذۡ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ہَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّکَ اَنۡ یُّنَزِّلَ
عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوۡا نُرِیۡدُ اَنۡ نَّاۡکُلَ مِنۡہَا وَ تَطۡمَئِنَّ
قُلُوۡبُنَا وَ نَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا وَ نَکُوۡنَ عَلَیۡہَا مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰہُمَّ رَبَّنَاۤ
اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ وَ ارۡزُقۡنَا وَ اَنۡتَ خَیۡرُ
الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ مُنَزِّلُہَا عَلَیۡکُمۡ ۚ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡکُمۡ فَاِنِّیۡۤ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُہٗۤ
اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾﴾

آیت ۱۰۹ ﴿یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ﴾ ’’(اُس دن کا تصور کرو) جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور پوچھے گا آپ لوگوں کو کیا جواب ملا تھا؟‘‘

آپ لوگوں کی دعوت کے جواب میں آپ کی قوموں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟

﴿قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۰۹﴾﴾ ’’وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں‘ تو ہی بہتر جاننے والا ہے غیب کی باتوں کا۔‘‘

وہ اللہ تعالیٰ کے جناب میں زبان کھولنے سے گریز کریں گے اور کہیں گے کہ تو تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے‘ ہر حقیقت تجھ پر منکشف ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ﴾ ’’جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰؑ ابن مریم‘‘

اب روزِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خاص پیشی کا منظر ہے۔ دنیا میں ان کی پرستش کی گئی‘ ان کو اللہ کا بیٹا بنایا گیا‘ ثالث ثلاثۃ قرار دیا گیا۔ لہٰذا اب آنجنابؑ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جو شرمندگی اٹھانا پڑے گی‘ اس کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے جب اللہ ان کو

مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ ابن مریم:

﴿اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ﴾ ’’ذرا میرے ان انعامات کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوئے۔‘‘

﴿اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ ’’جبکہ میں نے تمہاری مدد کی روح القدس سے‘‘

جبرائیلؑ کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔

﴿ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ﴾ ’’تم گفتگو کرتے تھے لوگوں کے ساتھ پنگھوڑے میں بھی اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی۔‘‘

تم شیر خوارگی کی عمر میں بھی لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور ادھیڑ عمر کو پہنچ کر بھی۔ آگے وہی سورۂ آل عمران (آیت ۴۸) والے الفاظ دہرائے جا رہے ہیں۔

﴿وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ﴾ ’’اور (یاد کرو میرے اس احسان کو) جب کہ میں نے تمہیں سکھائی کتاب اور حکمت‘ یعنی تورات اور انجیل۔‘‘

درمیان کا واوٴ تفسیر یہ ہے‘ لہٰذا ’’یعنی‘‘ کے مفہوم میں آئے گا۔

﴿وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ﴾ ’’اور (یاد کرو) جب تم بناتے تھے گارے سے پرندے کی ایک شکل‘ میرے حکم سے‘‘

﴿فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ﴾ ’’پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک اُڑنے والا پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے‘‘

﴿وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ﴾ ’’اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے۔‘‘

﴿وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ﴾ ’’اور جب تم مردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے۔‘‘

﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ﴾ ’’اور (یاد کرو میرے اس احسان کو بھی) جب میں نے بنی اسرائیل کے ہاتھ روک دیے تم سے‘‘

ان کے ہاتھ تم تک نہیں پہنچنے دیے اور تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ یہ اُسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار نہیں ہوئے‘ اور عین اُس وقت جب پولیس والے آپؑ کو گرفتار کرنے کے لیے باغ میں داخل ہوئے تو چار فرشتے اترے‘ جو آپؑ کو لے کر آسمان پر چلے گئے۔

﴿اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۰﴾ ’’جب کہ تم آئے ان کے

پاس کھلے معجزات کے ساتھ تو کہا ان لوگوں نے جو ان میں سے کافر تھے کہ یہ تو صریح جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔‘‘

آیت ۱۱۱ ﴿وَاِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ﴾ ’’اور (یاد کرو میرے احسان کو) جب میں نے اشارہ کیا حواریوں کو‘‘
﴿اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَبِرَسُوۡلِیۡ ۚ﴾ ’’کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر۔‘‘
ان کے دل میں ڈال دیا‘ الہام کر دیا‘ ان کی طرف وحی کر دی۔ یہ وحی خفی ہے۔ ظاہر ہے حواریوں کی طرف وحی جلی تو نہیں آ سکتی تھی جو خاصۂ نبوت ہے۔ لیکن جیسا کہ شہد کی مکھی کے لیے وحی کا لفظ آیا ہے (النحل:۶۸) یا جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو وحی کی (فصلت:۱۲) یہ وحی خفی کی مثالیں ہیں۔
﴿قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَاشۡهَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ’’تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے عیسٰیؑ آپ بھی) گواہ رہیے کہ ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔‘‘

آیت ۱۱۲ ﴿اِذۡ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ﴾ ’’اور (ذرا یاد کرو اس واقعے کو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسٰی ابن مریم‘‘
﴿هَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّکَ اَنۡ یُّنَزِّلَ عَلَیۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ﴾ ’’کیا آپ کے رب کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اتارے؟
﴿قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ’’(جواب میں عیسٰیؑ نے) کہا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔‘‘
مؤمنین کو ایسی دعائیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ایسے مطالبات آپ لوگوں کو زیب نہیں دیتے۔

آیت ۱۱۳ ﴿قَالُوۡا نُرِیۡدُ اَنۡ نَّاۡکُلَ مِنۡهَا وَتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا﴾ ’’انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس (خوان) میں سے کھائیں اور ہمارے دل بالکل مطمئن ہو جائیں‘‘
یہ اس طرح کی بات ہے جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی: ﴿رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ﴾ (البقرہ:۲۶۰)۔ اسی طرح کا مشاہدہ وہ بھی طلب کر رہے تھے۔
﴿وَنَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا وَنَکُوۡنَ عَلَیۡهَا مِنَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ’’اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپؑ نے جو کچھ ہم سے کہا وہ سچ ہے اور ہم اس پر گواہ بن جائیں۔‘‘
تاکہ ہمیں آپؑ کی کسی بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے اور ایسا یقین کامل ہو جائے کہ پھر ہم جب آپؑ کی جانب سے لوگوں کو تبلیغ کریں تو ہمارے اپنے دلوں میں کہیں شک و شبہ کا کوئی کانٹا چبھا ہوا نہ رہ جائے۔

آیت ۱۱۴ ﴿قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ’’اس پر عیسٰیؑ ابن مریم نے

دعا کی: اے اللہ' اے ہمارے رب' اتار دے ہم پر ایک دستر خوان آسمان سے''

﴿تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ﴾ ''جو عید بن جائے ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے' اور ایک نشانی ہو تیری طرف سے۔''

آسمان سے' خاص تیرے ہاں سے کھانے سے بھرے ہوئے دستر خوان کا نازل ہونا یقیناً ہمارے لیے جشن کا موقع ہوگا' ہمارے اگلوں پچھلوں کے لیے ایک یادگار واقعہ اور تیری طرف سے ایک خاص نشانی ہوگا۔

﴿وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾﴾ ''اور ہمیں رزق عطا فرما اور یقیناً تو بہترین رزق دینے والا ہے۔''

آیت ۱۱۵ ﴿قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ ''اللہ نے ارشاد فرمایا (ٹھیک ہے) میں نازل کردوں گا اس کو تم پر۔''

﴿فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿١١٥﴾﴾ ''لیکن پھر اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفر کی روش اختیار کرے گا تو پھر اس کو میں عذاب بھی وہ دوں گا جو تمام جہانوں میں سے کسی اور کو نہیں دوں گا۔''

یعنی جب اس طرح کی کوئی خرقِ عادت چیز دکھا دی جائے گی' کھلا معجزہ سامنے آجائے گا تو پھر رعایت نہیں ہوگی۔ گزشتہ قوموں کے ساتھ ایسے ہی ہوا تھا۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ابھی اس چٹان میں سے ایک حاملہ اونٹنی برآمد ہو جانی چاہیے۔ وہ اونٹنی برآمد ہوگئی' لیکن ساتھ ہی رعایت بھی ختم ہوگئی۔ ان سے واضح طور پر کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے لیے مہلت کے صرف چند دن ہیں' اگر ان دنوں میں ایمان نہیں لاؤ گے تو نیست و نابود کر دیے جاؤ گے۔ یہ بات سورۃ الشعراء میں بہت تفصیل سے آئے گی کہ اے نبیؐ یہ لوگ اب جو نشانیاں مانگ رہے ہیں تو ہم یہ ان کی خیر خواہی میں انہیں نہیں دکھا رہے ہیں۔ اگر ان کے کہنے پر ایسی نشانیاں ہم دکھا دیں تو پھر ان کو مزید رعایت نہیں دی جائے گی اور ان کی مہلت ابھی ختم ہو جائے گی۔ اس قسم کے معجزے دیکھ کر نہ کوئی پہلے ایمان لایا' نہ اب یہ لوگ لائیں گے۔ ان کے اندر جو نیت کا فساد ہے وہ کہاں انہیں ماننے دے گا؟ جیسے قومِ صالحؑ نے نہیں مانا' حالانکہ اپنی نگاہوں کے سامنے انہوں نے ایسا کھلا معجزہ دیکھ لیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو یہودیوں نے نہیں مانا' اُلٹا انہیں جادو قرار دے دیا۔ تو اس قدر واضح معجزات دیکھ کر بھی لوگ ایمان نہیں لائے۔ سوائے ان جادوگروں کے جن کا فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تھا۔ نہ تو خود فرعون ایمان لایا تھا نہ فرعون کے درباری اور نہ ہی عوام الناس۔ چنانچہ معجزے کا ظہور دراصل متعلقہ قوم کے خلاف جاتا ہے۔ معجزے کے ظہور سے پہلے تو اُمید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید اس قوم کو کچھ ڈھیل دے دے' شاید کچھ اور لوگوں کو ایمان کی توفیق مل جائے' لیکن معجزے کے ظہور سے مہلت کا وہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

آیات ۱۱۶ تا ۱۲۰

﴿وَاِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰـہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَکَ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ لِیۡ ٭ بِحَقٍّ ؕ اِنۡ کُنۡتُ قُلۡتُہٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَہٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلۡتُ لَہُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِہٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ ۚ وَ کُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ اَنۡتَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنۡ تُعَذِّبۡہُمۡ فَاِنَّہُمۡ عِبَادُکَ ۚ وَ اِنۡ تَغۡفِرۡ لَہُمۡ فَاِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰہُ ہٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ الصّٰدِقِیۡنَ صِدۡقُہُمۡ ؕ لَہُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا فِیۡہِنَّ ؕ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۲۰﴾﴾

اب یہ اس پیشی کا آخری منظر ہے اور اس کا انداز بہت سخت ہے۔

آیت ۱۱۶ ﴿وَاِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰـہَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ﴾ ''اور جب اللہ کہے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں دونوں کو معبود بنا لینا' اللہ کے سوا؟''

﴿قَالَ سُبۡحٰنَکَ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ لِیۡ ٭ بِحَقٍّ ؕ﴾ ''وہ (جواب میں) عرض کریں گے (اے اللہ) تو پاک ہے' میرے لیے کیسے روا تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔''

﴿اِنۡ کُنۡتُ قُلۡتُہٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَہٗ ؕ﴾ ''اگر میں نے وہ بات کہی ہوتی تو وہ تیرے علم میں ہوتی۔''

﴿تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''تو تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ یقیناً تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿مَا قُلۡتُ لَہُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِہٖۤ﴾ ''میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا''

﴿اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ ۚ﴾ ''(اور وہ یہی بات تھی) کہ بندگی کرو اللہ کی جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔''

﴿وَ کُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ ۚ﴾ ''اور میں ان پر نگران رہا جب تک اُن میں موجود رہا۔''

ان کی دیکھ بھال کرتا رہا‘ نگرانی کرتا رہا۔ یہاں لفظ ’’شہید‘‘ نگران کے معنوں میں آیا ہے۔

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ’’پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو (اس کے بعد) تو ہی نگران تھا ان پر‘‘

واضح رہے کہ یہاں بھی تَوَفَّيْتَنِىْ موت کے معنوں میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ آل عمران آیت ۵۵ (اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ) کی تشریح مدنظر رہے۔

﴿وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١١٧﴾﴾ ’’اور یقیناً تو ہر چیز پر گواہ ہے۔‘‘

تو ہر چیز پر نگران ہے‘ ہر چیز سے باخبر ہے۔

آیت ۱۱۸ ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ﴾ ’’اب اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔‘‘

تجھے ان پر پورا اختیار حاصل ہے‘ تیری مخلوق ہیں۔

﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١١٨﴾﴾ ’’اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو زبردست ہے‘ حکمت والا ہے۔‘‘

یہ بہترین انداز ہے۔ معافی کی درخواست بھی ہے‘ جس میں بہت خوبصورت انداز میں شفقت و رأفت کا اظہار ہے‘ جو نوعِ انسانی کے لیے انبیاء کی شخصیت کا خاصہّ ہے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ مقامِ عبدیت یہی ہے۔ تو اے اللہ! تیرا ہی اختیار ہے اور تو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ اگر تو انہیں معاف فرمانا چاہے تو تجھ سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا‘ کوئی جواب طلبی نہیں کر سکتا کہ تو نے کیسے معاف کر دیا! اب آ رہا ہے کہ اس پوری پیشی کا ڈراپ سین اور آخری نقشہ کیا ہوگا۔

آیت ۱۱۹ ﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ﴾ ’’اللہ فرمائے گا یہ آج کا دن وہ ہے جس دن سچوں کو ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی۔‘‘

ان کا سچ اور صدق ان کے حق میں مفید ہوگا۔

﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ﴾ ’’ان کے لیے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی‘ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

﴿رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١٩﴾﴾ ’’اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔‘‘

یہ ہے باہمی رضامندی کا آخری مقام‘ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

آیت ۱۲۰ ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ﴾ ’’اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان

میں ہے‘ سب کی بادشاہی۔‘‘

﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾﴾ ’’اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ المائدۃ کے اختتام کے ساتھ ہی مکی اور مدنی سورتوں کے گروپس (groups) میں سے پہلا گروپ ختم ہو گیا ہے‘ جس میں ایک مکی سورۃ یعنی سورۃ الفاتحہ اور چار مدنی سورتیں ہیں۔ سورۃ الفاتحہ اگرچہ حجم میں بہت چھوٹی ہے لیکن یہ اپنی معنوی عظمت کے لحاظ سے پورے قرآن کے ہم وزن ہے۔ سورۃ الحجر کی آیت: ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾﴾ مفسرین کی رائے کے مطابق سورۃ الفاتحہ ہی کے بارے میں ہے۔ اس گروپ کی چار مدنی سورتیں البقرۃ‘ آل عمران‘ النساء اور المائدۃ دو دو کے جوڑوں کی شکل میں ہیں۔ ان تمام سورتوں کے مضامین کا عمود ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیں۔ مکمل شریعتِ آسمانی‘ اہلِ کتاب سے خطاب اور ردّ و قدح‘ ان پر الزامات کا تذکرہ‘ ان کے غلط عقائد کی نفی‘ انہیں ایمان کی دعوت‘ ان کی تاریخ کے اہم واقعات کی تفصیلات‘ ان کا اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کیا جانا‘ جس پر وہ دو ہزار برس سے فائز تھے اور اُمتِ محمدﷺ کا اس منصب پر فائز کیا جانا۔ یہ موضوعات آخری درجے میں اس گروپ کی سورتوں میں مکمل ہو گئے ہیں۔

بارك الله لی ولكم فی القرآن العظیم‘ ونفعنی وایاكم بالآیات والذكر الحكیم○○